دِل سے اُس کا رِشتہ



نگہت عبداللہ

دل سے اس کا رشتہ

''سنو! کل میری اماں تمہارے ہاں گئی تھیں؟''

وہ غالباً سیڑھیاں پھلانگتا ہوا آرہا تھا جب ہی اس کی سانس پھول رہی تھی اور بغیر سلام دعا کے اس نے چھوٹتے ہی پوچھا تو اس کی بے قراری پر میں نے مسکراہٹ دبا کر مختصر جواب دیا۔

''ہاں!''

''پھر......؟ میرا مطلب ہے۔ کیا سوچا تمہارے امی ابا نے؟'' وہ دونوں ہاتھ ٹیبل پر جما کر مجھے دیکھنے لگا۔

''پتا نہیں۔'' میں نے سیدھے سادے انداز میں لاعلمی کا اظہار کیا تو وہ اپنے پیچھے کسی چیز پر ڈھے کر تقریباً چیخا تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''جو سچ ہے، میں نے وہی کہا ہے۔ مجھے نہیں معلوم میرے ماں باپ نے تمہاری اماں کو کیا جواب دیا ہے اور پلیز دھیرج سے بات کرو۔ یہ آفس ہے۔'' میں نے آخر میں ٹوکا تو وہ بالکل خاموش ہو گیا۔

''دیکھو احسن!'' کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کر کے آخر مجھے خود ہی کہنا پڑا۔ ''یہ ٹھیک ہے کہ میں نے گریجویشن کیا ہے۔ اس کے بعد ٹیکسٹائل ڈیزائننگ کا کورس کر کے یہاں جاب بھی کرنے لگی ہوں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں اپنی زندگی کے ہر معاملے میں آزاد اور خود مختار ہو چکی ہوں۔ ایسا نہیں ہے اور نا ہی میں ایسا سوچ سکتی ہوں، کیونکہ میرے والدین نے مجھے کسی قابل اس لئے نہیں بنایا کہ میں ان کی سوچ ان کے فیصلوں کو چیلنج کرنے لگوں ......نہیں اس کے برعکس یہ طے ہے کہ وہ جو سوچیں گے جو فیصلہ کریں گے۔ مجھے اس پر سر جھکانا ہے تو پھر میں یہ جاننے کی کوشش کیوں کروں کہ انہوں نے تمہارے بارے میں کیا سوچا۔''

میری اتنی طویل بات کے جواب میں پہلے اس نے اتنی ہی طویل گہری سانس کھینچی پھر

پوچھنے لگا۔

''اگر انہوں نے میرے خلاف فیصلہ سنا دیا تو......؟''

''میں کوئی احتجاج نہیں کروں گی۔'' میں نے سکون سے جواب دیا تو وہ پھر چیخ پڑا۔

''کیوں...... کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے؟''

''ہے۔ لیکن اپنی محبت کے حصول کی خاطر میں اپنے والدین کو ناراض نہیں کر سکتی۔''

میرے حتمی انداز پر وہ کتنی دیر تک مجھے دیکھتا رہا، پھر کرسی کی پشت پر سر رکھ کر چھت کو گھورنے لگا تو مجھے اس پر بہت ترس آیا۔ لیکن میں اس سے کوئی آس نہیں دلا سکتی تھی، جب ہی قصداً انجان سی بن کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

''سنو'' کتنی دیر بعد اس کے پکارنے پر میں نے سر اونچا کر کے اسے دیکھا تو کہنے لگا۔

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تمہارے والدین میرے حق میں فیصلہ سنائیں۔''

''ہاں!'' میں نے بغیر کسی تاثر کے ہاں کہا تھا اور وہ اسی پر خوش ہو گیا۔

''ہاں۔ انشاء اللہ تمہارے والدین بھی ہاں کہیں گے، مجھے اچھی امید رکھنی چاہئے۔ ہے ناں۔''

میں نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

''بڑی ظالم ہو۔ میرا دل رکھنے کی خاطر ہی ہاں کہہ دو۔'' اس نے شاکی ہو کر کہا۔

''فضول باتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جاؤ اپنا کام کرو۔''

''کیا کام کروں۔ تم نے کام کرنے کے قابل چھوڑا ہے۔ ہر پل ذہن پر سوار رہتی ہو۔ اچھا بھلا اپنی زندگی جی رہا تھا۔ مزے میں تھا۔ پتا نہیں کہاں سے آ گئیں پاگل بنانے۔'' وہ مصنوعی خفگی سے بول رہا تھا۔ میں نے ٹوک دیا۔

''اور تو کوئی پاگل نہیں بنا؟''

''اندھے ہیں سب...... شکر ہے ورنہ......'' میرے گھورنے پر وہ ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا پھر جاتے جاتے بولا تھا۔

''سنو، فیصلہ میرے حق میں ہونا چاہئے۔''

اور چاہتی تو میں بھی یہی تھی لیکن کیا کر سکتی تھی سوائے اس کے کہ خاموشی سے ابا کے فیصلے کا انتظار کروں۔ جنہوں نے گزشتہ چار سالوں سے امی کا جینا حرام کر رکھا تھا۔ حالانکہ قصوروار وہ نہیں تھیں لیکن بیلا کی غلطی کی سزا وہی بھگت رہی تھیں اور صرف ابا ہی نہیں سارے خاندان

والے امی کو الزام دیتے تھے۔ خاص طور پر تائی جی تو کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھیں اور انہیں مواقع کچھ زیادہ ہی ملتے تھے کیونکہ ہم ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ گو کہ پورشن بنے ہوئے تھے، لیکن درمیان میں دیواریں نہیں تھیں اور آنگن تو ایک ہی تھا۔ جب ہی اندر باہر آتے جاتے سامنا ضرور ہوتا تو ہروبار وہ امی کا کلیجہ چھلنی کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کہہ جاتی تھیں۔ جب سے میں جاب کرنے لگی تھی، تب سے انہوں نے مجھے سمجھانا شروع کر دیا تھا۔

''دیکھو بیٹی! تم بہت اچھی، سمجھدار لڑکی ہو۔ کوئی ایسا قدم نہ اٹھانا جس سے خاندان کی بدنامی ہو۔ پہلے بیلا...... دیکھو کیسے اپنی مرضی کر کے ماں باپ کے منہ پر کالک مل گئی ہے۔ تم اس کے نقش قدم پر نہ چلنا'' وغیرہ وغیرہ

اور میں نادان نہیں تھی۔ جانتی تھی کہ تائی جی کا مقصد مجھے سمجھانا نہیں بلکہ بیلا کی غلطی کو دہرا کر میرا سر جھکانا ہے اور میں واقعی چپ چاپ سر جھکائے ان کی باتیں سنتی رہتی۔ البتہ دل ہی دل میں بیلا کو ضرور گالیاں دیتی۔ جس کی وجہ سے امی اور میں بھی منہ میں زبان رکھتے ہوئے گونگی بننے پر مجبور تھیں۔ صرف بیلا کی وجہ سے ہی نہیں ابا کی وجہ سے بھی جو تائی جی کو غیر معمولی اہمیت اور احترام دیتے تھے اور ہمیں بھی یہی حکم تھا۔ جس سے بیلا بہت چڑتی تھی۔

مجھے یاد ہے وہ شروع سے ہر وہ کام کرتی جس سے تائی جی منع کرتی تھیں اور جو وہ کرنے کو کہیں وہ کبھی نہیں کرتی تھی۔ جس پر شام میں اکثر اسے ابا کی ڈانٹ اور کبھی مار بھی سہنی پڑتی لیکن وہ پھر بھی باز نہیں آتی تھی اور مجھے لگتا تھا جیسے تائی جی کی ضد ہی میں اس نے غلط قدم اٹھایا تھا، اگر ایسا تھا تب بھی اس نے غلط کیا۔ کم از کم امی اور پھر میرا ہی خیال کر لیتی کہ اس کے اس اقدام سے ہم پر کیا بیتے گی، لیکن اس نے یہ نہیں سوچا تھا۔

اور میں بہت سوچتی تھی۔ ان چار سالوں میں امی نے جتنے آنسو بہائے تھے۔ اتنی بار میں نے خود سے عہد کیا تھا کہ میں بیلا نہیں بنوں گی۔ یہی نہیں اپنے ہر عمل سے ہی میں خود کو اس سے مختلف ثابت کرنے کی کوشش کرتی آ رہی تھی، لیکن ایک احسن کے معاملے میں، میں ناکام ہو گئی تھی۔ پتا نہیں کب کیسے وہ میرے دل کی زمین پر اپنی محبت کے بیج بو گیا، مجھے سچ مچ پتا نہیں چلا۔ میں تو اسے صرف ایک دوست سمجھتی تھی لیکن معاملہ اس سے آگے چلا گیا تھا اور اب اس نے مجھے پرپوز کر کے اپنی اماں کو بھی ہمارے ہاں بھیج دیا تھا۔ اگر درمیان میں بیلا کی غلطی نہ ہوتی تو میں آرام سے امی کو احسن کے بارے میں بتا سکتی تھی، لیکن اب تو یہ ممکن ہی نہیں تھا۔ اس لئے میں نے احسن کو اگر اصل بات نہیں بتائی تھی تب بھی صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ اس معاملے

میں میرا کچھ اختیار نہیں۔ میرے والدین جو فیصلہ کریں گے۔ میں وہی قبول کروں گی اور حقیقتاً مجھے یہی کرنا تھا۔ اس لئے میں نے یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ ابا نے احسن کے پرپوزل کو کوئی اہمیت دی بھی ہے یا نہیں جبکہ وہ اگلے دن پھر آن موجود ہوا۔

''سنو! تمہیں کچھ اندازہ تو ہوا ہوگا؟''

''کس بات کا؟'' میں نے بے دھیانی میں سن کر پوچھا تو وہ جھنجھلا کر بولا۔

''کہاں رہتی ہو تم۔ نہ گھر کی خبر رکھتی ہو نہ میری طرف دھیان ہے۔''

''میں صرف اپنے کام سے کام رکھتی ہوں۔'' میں نے کہا تو وہ مزید چڑ کر بولا۔

''بہت اچھا کرتی ہو۔''

''پھر ناراض کیوں ہو رہے ہو؟''

''دیکھو۔ میں یہاں تمہارے ساتھ مذاق کرنے نہیں آیا۔ سیدھی طرح بتاؤ، تمہارے والدین نے کیا سوچا۔ میرا مطلب ہے میرے بارے میں؟'' اس نے وارننگ کے انداز میں پوچھا تو میں زچ ہو کر بولی۔

''میں اب بھی یہی کہوں گی۔ مجھے نہیں پتا۔''

''ٹھیک ہے۔ میں آج خود تمہارے ہاں آؤں گا۔''

وہ کہہ کر جانے لگا لیکن میں نے فوراً پکار لیا۔

''سنو احسن!''

وہ وہیں سے پلٹ کر دیکھنے لگا تو میں نے بہت سنجیدگی سے کہا۔

''میرے ہاں آنے کی غلطی کبھی مت کرنا۔''

''آؤں گا۔ ضرور آؤں گا۔''

اس نے کیوں کا سوال ہی نہیں اٹھایا اور مزید آنے پر زور دے کر چلا گیا تو میں واقعی بہت پریشان ہو گئی۔

اس کے پیچھے بھی نہیں جا سکتی تھی، کیونکہ اپنے اس کیبن نما کمرے سے میں صرف اس وقت نکلتی ہوں جب باس کا بلاوا آتا تھا اور سیدھی وہیں جا کر واپس یہیں آتی تھی۔ اس کے علاوہ ادھر اُدھر میں نے کبھی نہیں جھانکا تھا اس لئے حقیقتاً مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس آفس میں اور کتنے کمرے ہیں جبکہ یہاں کام کرتے ہوئے مجھے چھ مہینے ہو گئے تھے اور سٹاف میں بھی سب لوگوں سے واقف نہیں تھی۔ بس دو تین افراد جن میں احسن بھی شامل تھا اور جو میرے روم میں

آ کر مجھ سے ڈیزائن ڈسکس کرتے تھے۔

بہرحال وہ سارا دن میرا اس پریشانی میں گزرا کہ میں احسن کو کیسے باز رکھوں۔ گو کہ یہ زیادہ مشکل نہیں تھا لیکن وہ پھر میرے کمرے میں آیا ہی نہیں اور پانچ بجے جب میں آفس سے نکلی تب زینے پر رک کر بھی اس کا انتظار کیا اور آخر مایوس ہو کر گھر آئی تو پھر مسلسل یہ دھڑکا لگا رہا کہ کہیں وہ آ نہ جائے۔ جتنی بار بیل بجی، میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ اس کے ساتھ میں اسے برا بھلا بھی کہتی رہی۔ یہاں تک سوچ لیا کہ ابا تو جو فیصلہ کریں گے، میں کل پہلی فرصت میں اسے اپنی طرف سے انکار کر دوں گی اور یہ بھی کہہ دوں گی کہ وہ آئندہ اپنی اماں کو یہاں نہ بھیجے۔

''جیہ! تمہیں امی بلا رہی ہیں۔'' رات میں، میں آخری چائے کے برتن دھو رہی تھی۔ جب شینی نے کچن میں جھانک کر مجھے تائی جی کا بلاوا دیا تو میں نے اس کی طرف پلٹ کر پوچھا۔

''جلدی بلایا ہے یا میں یہ برتن دھولوں؟''

''کوئی جلدی نہیں۔ آرام سے آنا۔''

وہ کہہ کر چلی گئی تو بھی میں نے جلدی جلدی برتن دھو ڈالے پھر کچن بند کر کے امی سے کہتی ہوئی تائی جی کے کمرے میں داخل ہوئی تو سامنے وہ شینی کے ساتھ سر جوڑے پتا نہیں کیا باتیں ڈسکس کر رہی تھیں کہ مجھے دیکھتے ہی ایک دم سیدھی ہو بیٹھیں۔

''آؤ آؤ جیہ! فارغ ہو گئیں؟''

''جی.....!'' میں ان ہی کے بیڈ پر قدرے فاصلے سے بیٹھ گئی تو کہنے لگیں۔

''جب سے نوکری سے لگی ہو آ کر میرے پاس بیٹھتی بھی نہیں ہو کوئی ناراضی ہے کیا؟''

''ارے نہیں تائی جی! میں آپ سے کیوں ناراض ہوں گی بھلا۔ بس آفس سے آ کر کھانا پکانے میں لگ جاتی ہوں۔'' میں نے ہمیشہ کی طرح لگاوٹ کا مظاہرہ کر کے کہا۔

''ہاں۔ ایک تو پہلے ہی تھکی ہوئی آتی ہو، اوپر سے اور کام۔'' پھر شینی سے کہنے لگیں۔

''دیکھ لو۔ تم جو نوکری کرنے کا کہتی ہو تو پہلے اس کا حال دیکھ لو۔''

''کیا ہوا۔ اچھی بھلی تو ہے، مجھے تو پہلے سے زیادہ فریش لگتی ہے۔'' شینی نے مجھے ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو تائی جی برا سا منہ بنا کر بولیں۔

''کوئی نہیں۔ اتنی سی شکل نکل آئی ہے۔ خیر تم جاؤ یہاں سے، مجھے جیہ سے کچھ بات کرنی ہے۔''

"تو میرے سامنے کریں ناں۔"

"نہیں تم جاؤ۔" تائی جی نے اسے گھورا تو وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔ جبکہ میں اندر ہی اندر پریشان ہو رہی تھی کہ پتا نہیں کیا بات کریں گی لیکن یہ خوبی مجھ میں تھی کہ میں خواہ کتنی پریشان یا خوف زدہ ہوتی مقابل پر کبھی ظاہر نہیں ہونے دیتی تھی۔ ابھی بھی بظاہر میں نے بڑے شوق سے پوچھا۔

"جی تائی جی! کیا بات ہے؟"

"ہاں وہ۔۔" تائی جی میری طرف متوجہ ہوئیں پھر آواز دھیمی کر کے رازداری سے بولیں۔"میں یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ تم احسن کو جانتی ہو؟"

"کون احسن؟" میں یکسر انجان بن گئی جبکہ حقیقتاً اندر دل بڑے زور سے دھڑکا تھا۔

"وہی جو تمہارے آفس میں ہوتا ہے۔" تائی جی کا انداز بڑا دوستانہ تھا، لیکن ان کی آنکھیں ان کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔

"پتا نہیں تائی جی! میں تو اپنے آفس کے کسی بندے کو نہیں جانتی۔ میرا کسی سے واسطہ ہی نہیں پڑتا، الگ روم میں بیٹھتی ہوں اور اپنے کام سے کام رکھتی ہوں۔"

میں نے سہولت سے جواب دے کر کہا تو وہ کچھ دیر کھوجتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھتی رہیں پھر کہنے لگیں۔

"ہاں! میں تو پہلے ہی کہتی ہوں کہ تم بیلا جیسی نہیں ہو۔ وہ بہت تیز تھی جب ہی تو دیکھو گل کھلا گئی۔ اللہ سمجھے اسے....."

"چھوڑیں تائی جی! یہ بتائیں، آپ احسن کا کیوں پوچھ رہی تھیں؟" میں نے بیلا کی طرف سے ان کا دھیان ہٹانے کی خاطر احسن کا نام لے دیا۔

"وہ اس کی ماں آئی تھی تمہارے لئے۔ میں نے سوچا تم سے معلوم کرلوں، کیسا لڑکا ہے لیکن تم تو جانتیں ہی نہیں۔"

"جی!"

"ٹھیک ہے پھر میں تمہارے باپ سے کہوں گی، وہ خود ہی چھان بین کرے۔ ویسے ایک اور لڑکا بھی ہے میری نظر میں۔"

انہوں نے کہا تو میرا دل چاہا کہہ دوں شمنی بھی تو ہے۔ اس کے لئے دیکھیں اور سوچیں۔ میری فکر کیوں کرتی ہیں لیکن پھر وہی بیلا، الو کی پٹھی میری زبان پر تالے لگا گئی تھی۔

"میں جاؤں تائی جی! نیند آرہی ہے۔"

"ہاں ہاں۔ پھر صبح تمہیں آفس بھی جانا ہوتا ہے۔"

"جی شب بخیر۔" میں فوراً اٹھ کر ان کے کمرے سے نکل آئی تو آگے برآمدے میں ثریا بھابھی مل گئیں۔ فیڈر اور تھرماس ہاتھ میں لئے کچن کی طرف جارہی تھیں۔ مجھے دیکھا تو رک کر پوچھنے لگیں۔

"تم میری ساس کے پاس کیا کررہی تھیں؟"

"باتیں سن رہی تھی ان کی۔" میں نے مسکرا کر کہا تو ثریا بھابھی شاکی ہو کر بولیں۔

"میرے خلاف۔"

"نہیں، آج وہ میری شادی کی فکر میں تھیں۔"

"کیوں؟ تمہارے اللہ سلامت رکھے ماں باپ موجود ہیں۔ یہ کیوں فکر کررہی ہیں۔ اپنی بیٹی کی کریں۔ جسے کھانے اور سونے کے علاوہ اور کچھ آتا ہی نہیں۔ موٹی بھینس۔"

"کوئی نہیں۔ اتنی اسمارٹ ہے شمنی اور کام بھی کرتی ہے۔" میں نے ان سے اختلاف کیا تو انہوں نے پہلے سر جھٹکا پھر پوچھنے لگیں۔

"ویسے ان کا شمنی کو رخصت کرنے کا کیا پروگرام ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم اور آپ مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہیں۔ خود آپ کو ساری معلومات ہونی چاہئیں۔ فی الحال اکلوتی بہو ہیں آپ اس گھر کی۔" میں نے لاعلمی کا اظہار کرنے کے ساتھ کہا وہ فوراً بولیں۔

"دعا کرو، جلدی دوسری آئے تاکہ میری ساس کا آدھا دھیان اس کی طرف منتقل ہو۔"

"عدنان بھائی آئیں گے تب ہی تو۔ ویسے کب تک آنے کا پروگرام ہے ان کا؟" میں نے پوچھا تو وہ منہ بنا کر بولیں۔

"پتا نہیں۔ شاید عید پر آجائے۔"

"تو آپ تائی جی کو ان کے لئے لڑکی ڈھونڈنے پر لگا دیں، اس طرح بھی ان کا دھیان بٹ جائے گا۔"

میرے مشورے پر وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہیں پھر پوچھنے لگیں۔

"سنو۔ تمہارا عدنان کے ساتھ کوئی چکر تو نہیں ہے؟"

"توبہ کریں۔" میں اچھل پڑی۔

"کیوں......اچھا تو ہے۔"

"میں اچھی نہیں ہوں۔" میں کہہ کر قصداً ہنسی اور انہیں کچن کی طرف دھکیل کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

"فضول باتیں کرنے کھڑی ہو گئی۔ اتنی دیر میں استری ہو جاتی۔"

اپنے آپ سے کہتے ہوئے میں نے جلدی سے صبح کے لئے کپڑے نکالے اور استری کا پلگ لگا دیا پھر اس کام سے فارغ ہوتے ہی لائٹ آف کر کے لیٹ گئی کیونکہ بارہ بج چکے تھے جبکہ روزانہ میں گیارہ بجے تک سو جاتی تھی تاکہ صبح اٹھنے میں دقت نہ ہو اور ابھی میں فوراً سو جانا چاہتی تھی۔ لیکن ذرا سی بے قاعدگی نے نیند اڑا دی تھی۔ کچھ دیر زبردستی آنکھیں بند کئے پڑی رہی پھر چھت کو گھورنے لگی اور ایسے میں ہمیشہ مجھے بیلا یاد آتی تھی۔ کبھی جب اسے نیند نہیں آتی تھی تو وہ مجھے بھی جھنجھوڑ کر اٹھا دیتی تھی۔

"کیا ہے؟" میں آنکھیں ملتے ہوئے پوچھتی تو وہ بڑے آرام سے کہتی۔

"مجھے نیند نہیں آ رہی۔"

"پھر......؟"

"پھر کیا۔ تم بھی اٹھ جاؤ۔"

"میں نہیں اٹھ رہی۔" میں دوبارہ تکیے پر گرنے لگتی لیکن وہ میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیتی۔

"خبردار تو سو میں تو......"

"اچھی زبردستی ہے۔ تم ایسے کیوں کرتی ہو؟"

"مزہ آتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے چیخ چیخ کر سارے گھر کو اٹھا دوں اور پھر میں آرام سے سو جاؤں۔"

اس نے بہت محظوظ ہو کر کہا تھا اور ایک بار سچ مچ اس نے ایسا ہی کیا تھا۔ بجائے مجھے اٹھانے کے چیخ چیخ کر سارے گھر کو اٹھا دیا تھا۔ امی، ابا، تائی جی، عمران بھائی، عدنان بھائی، شمی۔ سب بھاگے چلے آئے تھے۔

"کیا ہوا؟ کیا ہوا؟"

اور وہ یوں ظاہر کرنے لگی تھی جیسے ڈراؤنے خواب سے اٹھی ہو۔ کسی کو پہچان بھی نہیں رہی تھی اور مزید تائی جی کی طرف اشارہ کر کے چڑیل چڑیل چلانے لگی تھی۔ ابا نے اسے بازوؤں میں لے کر تھپکنا شروع کر دیا اور امی اس کے سر پر آیت الکرسی پڑھنے کھڑی ہو گئی تھیں۔ تائی جی

اپنا بولے جا رہی تھیں، ساتھ ساتھ شمی کو وہاں سے بھاگنے کا اشارہ بھی کرتی جا رہی تھیں۔ غالباً انہیں خدشہ تھا کہ کہیں بیلا کا جن ان کی بیٹی پر نہ قبضہ کر لے اور جب ابا کے بازوؤں میں پرسکون ہو کر بیلا سو گئی تب تائی جی، شمی کو کھینچتی ہوئی لے گئیں۔ ان کے پیچھے عمران بھائی اور عدنان بھائی بھی چلے گئے۔ تو ابا نے امی کو وہیں بیلا کے پاس سونے کو کہا پھر مجھے تسلی دیتے ہوئے گئے تھے۔

پھر صبح جب میں نے بیلا سے پوچھا کہ رات اسے کیا ہوا تھا تو اس نے بڑے آرام سے جواب دیا تھا۔

"مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔"

"اف! کتنی بدتمیز ہو تم۔ سب کو پریشان کر کے رکھ دیا۔" میں نے ٹوکا تو ہنستے ہوئے بولی تھی۔

"بہت مزہ آیا اور داد دو مجھے کہ تائی جی کو ان کے منہ پر چڑیل بھی کہہ دیا۔"

"بڑا کمال کیا۔" میں نے جس قدر ناگواری کا اظہار کیا۔ وہ اسی قدر اترا کر بولی تھی۔

"اور کیا۔ تم کہہ سکتی ہو۔"

"مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم پتا نہیں کیوں ان سے اتنی خار کھاتی ہو۔ آخر کیا لے لیا ہے انہوں نے تمہارا؟" میں نے بات کے اختتام پر اسے دیکھا تو وہ فوراً بولی تھی۔

"باپ۔"

"ہیں!" میں مذاق سمجھ کر ہنسنے لگی تو وہ میرا ہاتھ کھینچ کر بولی تھی۔

"میں مذاق نہیں کر رہی، سچ کہہ رہی ہوں۔ تائی جی نے ہم سے ہمارا باپ چھین لیا ہے۔ دیکھتی نہیں ہو، کیسے ابا ان کی ہر بات پر آمین کہتے ہیں۔"

"تو کیا ہوا۔ وہ بڑی ہیں پھر بے چاری بیوہ بھی ہو گئیں۔ اس لئے ابا زیادہ خیال کرنے لگے ہیں کہ کہیں انہیں یہ احساس نہ ہو کہ تایا جی کے بعد ان کا کوئی نہیں ہے۔" میں نے اٹھ کر اسے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ تائید کے ساتھ کہنے لگی۔

"ہاں! ابا اسی لئے کرتے ہیں، لیکن وہ کچھ زیادہ پھیل رہی ہیں۔ ابا کی سعادت مندی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہیں۔"

"کوئی نہیں۔"

"کوئی نہیں۔" وہ میری نقل اتارتے ہوئے چڑ کر بولی تھی۔ "تمہیں تب پتا چلے گا جب ہر کام کے لئے تائی جی کی طرف دیکھنا پڑے گا کہ وہ اجازت دیں گی تب ہی ہم کچھ کر سکیں گے۔

ابھی بھی ابا ان کی مانتے ہیں، امی کو تو کچھ سمجھتے ہی نہیں اور دیکھنا اس بات پر میں کسی دن بہت فساد ڈالوں گی۔"

"نہیں بیلا!" میں نے فوراً اس کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے۔ "تم خدا کے لئے ایسا کچھ نہیں کرنا۔"

"کیسے نہیں۔ میرے کسی معاملے میں اگر ابا نے انہیں زیادہ اہمیت دی تو پھر میں رہوں گی یا وہ۔" اس نے قطعیت سے کہا تھا۔

اور بیلا کے احساس دلانے پر میں نے غور کیا تو واقعی تائی جی نے غالباً پورے گھر پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لئے ابا کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور بہت پیار سے۔

جب عمران بھائی کی شادی کرنے لگیں تو ابا سے یوں مشورے کرتیں، جیسے ان کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتیں جبکہ کرتی اپنے من کی تھیں جس کا ابا کو احساس ہی نہیں تھا۔ اس کے برعکس وہ خوش تھے کہ بھاوج انہیں اہمیت دیتی ہیں اور امی سے بھی کہتے کہ ان کا میرے سوا اور کون ہے۔ بے چاری اکیلی عورت۔

"اکیلی کیوں؟" ایک دن امی نے ٹوکا تھا۔ "ماشاء اللہ جوان بیٹے ہیں۔"

"ہاں! لیکن انہیں اتنی عقل کہاں۔"

"سب عقل ہے۔ بس ایک آپ کو نہیں ہے۔"

امی کا اتنا کہنا تھا کہ ابا ایک دم طیش میں آگئے تھے۔

"کیا کہنا چاہتی ہو تم۔ چھوڑ دوں بیوہ بھاوج اور بھائی کے یتیم بچوں کو۔ ارے ابھی تو وہ ہم پر بوجھ نہیں ہیں۔ ماشاء اللہ اپنا کماتے کھاتے ہیں۔ میں کیا کرتا ہوں۔ جا کر حال احوال ہی پوچھ لیتا ہوں اور تم سے یہ بھی برداشت نہیں ہوتا۔ ارے اگر نہیں دیکھ سکتیں انہیں تو جا بیٹھو اپنے بھائی کے گھر۔"

"میں نے ایسا کب کہا؟" امی غصے سے خائف ہو کر منمنائی تھیں۔

"خبردار! جو کچھ کہا تو۔"

ابا مزید تیز ہو کر دھاڑے تھے جس پر بیلا بھاگ کر ان کے مقابل کھڑی ہونا چاہتی تھی، لیکن میں اسے کھینچتے ہوئے اپنے کمرے میں لے آئی اور دروازہ لاک کر دیا تھا۔

"مجھے جانے دو۔ میں ناانصافی اور زیادتی برداشت نہیں کر سکتی۔"

بیلا بری طرح تملا کر مجھے نوچتی کھسوٹتی رہی لیکن میں نے اس وقت دروازہ نہیں کھولا

کیونکہ میں نہیں چاہتی تھی کہ بات بڑھ کر تائی جی تک پہنچے اور وہ امی سے باقاعدہ دشمنی باندھ لیں۔ گو کہ دشمنی تو وہ ابھی بھی کر رہی تھیں لیکن براہ راست امی سے نہیں الجھتی تھیں۔

بہر حال اس روز میں نے بڑی مشکل سے بیلا کو ٹھنڈا کیا تھا۔ اس کے بعد امی نے بھی اسے سمجھا دیا کہ اسے بڑوں کے معاملات میں بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

"نہیں بولوں گی۔ کبھی نہیں بولوں گی۔ کڑھتی رہیں خود۔ بہت شوق ہے انہیں کڑھنے کا۔ مظلوم بننے کا۔" اس رات بیلا بڑبڑاتی رہی تھی۔ میں نے قصداً نہیں ٹوکا تھا۔

اور پھر واقعی اس نے خاموشی اختیار کر لی لیکن جتنی دیر ابا تائی جی کے کمرے میں بیٹھتے، وہ ادھر جلے پیر کی بلی کی طرح چکراتی تھی اور دانت پیس پیس کر اپنی ہتھیلی پر مکے مارے جاتی۔ اس وقت وہ ایسے ہی تملا رہی تھی جب عدنان بھائی نے ہمارے کمرے میں جھانک کر پوچھا تھا۔

"سنو، چچا جان کہاں ہیں؟"

"ابا کہو۔" بیلا نے جس انداز سے کہا۔ اس سے میں گھبرا کر وضاحت کرنے لگی تھی۔

"اس کا مطلب ہے ہمارے ابا....."

"ہاں وہی تمہارے ابا کہاں ہیں؟" عدنان بھائی میری طرف متوجہ ہو گئے تھے لیکن مجھ سے پہلے بیلا نے جواب دیا تھا۔

"تمہاری اماں کے پاس۔"

"جی عدنان بھائی!۔" ابا شاید ادھر ہی ہوں گے یا دیکھیں امی سے پوچھیں۔" میں بات بنانے کی کوشش کر رہی تھی کہ عدنان بھائی اندر آ کر پوچھنے لگے۔

"تم اتنا بوکھلا کیوں رہی ہو؟"

"ہاں دیکھو۔ کتنی پاگل ہے۔ حالانکہ بوکھلانا تمہیں چاہئے۔" بیلا پتا نہیں کیا سوچے بیٹھی تھی۔ میری بوکھلاہٹ اور پریشانی کا بھی اس پر کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔

"کیوں؟" عدنان بھائی نے پوچھا تو وہ بڑے آرام سے بولی تھی۔

"ظاہر ہے، تم لڑکی والے ہو۔"

"ہائے بیلا!" اس سے پہلے کہ عدنان بھائی کچھ سمجھتے۔ میں پیٹ پکڑ کر یوں چلانے لگی جیسے بہت درد ہو رہا ہو۔

"اسے کیا ہوا؟" عدنان بھائی پریشان ہو گئے تھے۔

"اکثر ہوتا ہے۔ میرا مطلب ہے پیٹ میں درد۔ تم جاؤ، میں دیکھتی ہوں اسے۔" بیلا

انہیں بھینچ کر ہنسنے لگی تھی۔

''قسم سے بیلا! اگر تم مجھ سے بڑی نہ ہوتیں تو میں۔''

''بس بس، زیادہ غصہ مت دکھاؤ۔'' وہ مجھے ٹوک کر پھر ٹہلنے لگی تھی۔

☆

یونہی کتنے دن گزر گئے۔ میرا بس یہی کام رہ گیا تھا کہ جیسے ہی ابا، تائی جی کے پورشن کی طرف جاتے، میں بیلا کا دھیان بٹانے میں لگ جاتی اور پھر ایک دن خود ہی اس کا دھیان بٹ گیا۔ اسے پتا ہی نہیں چلا، ابا کب آفس سے آئے کب دوسرے پورشن میں گئے۔ وہ اپنے ہی خیالوں میں گم تھی۔ جب میں نے ٹوکا تو مسکرا کر بولی تھی۔

''مجھے وہ اچھا لگنے لگا ہے۔''

''کون......؟'' میں نے پوری آنکھیں پھیلائی تھیں۔

''حماد۔''

''دیکھو اس طرح مت کرو۔ مجھے فوراً پوری تفصیل بتا ڈالو۔'' نہیں تو میرا ڈپریشن بڑھ کر مجھے اوپر پہنچا دے گا۔

میں نے کہا تو وہ رعب سے بولی تھی۔

''خبردار میری سگائی سے پہلے اوپر جانے کی کوشش مت کرنا۔''

''تو جلدی بتاؤ۔''

''کیا؟''

''تمہارے ساتھ پڑھتا ہے؟''

''نہیں۔ لیکن روزانہ میرے راستے میں آتا ہے خوبصورت سی گاڑی میں، سلام کرتا ہوا نکل جاتا اور آج اس نے رک کر مجھ سے بات کی تو مجھے بہت اچھا لگا۔''

وہ اس کے تصور میں کھو کر بول رہی تھی اور میں اس کی آنکھوں میں رنگوں کی برسات دیکھ کر کچھ خائف سی ہو گئی تھی۔

''ک......کیا بات کی اس نے؟''

''اپنا تعارف کرایا۔ میرا نام پوچھا اور کہا، تم مجھے اچھی لگتی ہو۔''

''میں ہنس پڑی تو بولا۔ تمہاری ہنسی بہت پیاری ہے۔''

''پھر......؟''

''پھر میں ہواؤں میں اڑنے لگی۔'' وہ کہہ کر چونکی تھی۔

اور یوں بیلا اپنی زندگی کے خوبصورت موڑ میں داخل ہو کر باقی سب بھول گئی۔ امی کا کڑھنا اور چھپ چھپ کر رونا نظر آتا تھا اسے نہ ابا کا دوسرے پورشن کی طرف جانا۔ وہ اپنی دنیا میں گم ہو گئی تھی۔ اگر میں احساس دلانے کی کوشش کرتی تو بے نیازی سے کہتی۔

''کیا ہے۔ امی کو اب عادی ہو جانا چاہئے۔''

''یہ تم کہہ رہی ہو؟'' پہلی بار اس جواب پر میں بہت حیران ہوئی تھی۔

''ہاں اور ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ ابا اگر تائی جی کے پاس جا بیٹھتے ہیں تو اس میں برائی کیا ہے۔ وہ کوئی لڑکی نہیں ہیں جوان بچوں کی ماں ہے اور اب تو بہو بھی آچکی ہے۔''

''بس کرو بیلا! تمہارا تو کوئی دین ایمان ہی نہیں ہے۔''

میں نے ہاتھ جوڑ کر اسے خاموش کرایا تھا اور بعد میں جب میں نے سوچا تو مجھے بیلا کی تبدیلی پر حیرت نہیں ہوئی بلکہ خوشی ہوئی کہ وہ مثبت انداز سے سوچنے لگی ہے۔ پھر اس کا ایک فائدہ مجھے بھی ہوا تھا کہ روزانہ اسے ٹھنڈا کرنے کی ڈیوٹی سے مجھے نجات مل گئی تھی، اس کے برعکس وہ میری خوشامد کرنے لگی تھی۔

''جیہ پلیز! ابھی سونا نہیں۔ مجھے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔''

''صبح کر لینا۔'' مجھے بدلہ لینے کا موقع ملا تھا یوں ظاہر کرتی جیسے بہت نیند آرہی ہو۔

''صبح ہماری ملاقات کہاں ہوتی ہے، تم کالج، میں یونیورسٹی اور وہاں سے آکر تمہیں امی کے پاس بیٹھنا ضروری ہوتا ہے۔''

''کل نہیں بیٹھوں گی امی کے پاس، تمہاری باتیں سن لوں گی۔''

''نہیں ابھی سنو۔'' اس کی لگاوٹ میں کچھ ضد بھی شامل تھی اور سچ تو یہ ہے کہیں بھی سننا چاہتی تھی۔ اس لئے ہتھیار ڈال کر متوجہ ہو جاتی۔ وہ حماد حماد کرتے اتنی دور نکل گئی تھی کہ واپسی کا تصور ہی نہیں تھا۔ جس سے میں ڈرنے لگی تھی اور اسے ٹوکا بھی تو وہ بڑے یقین سے بولی تھی۔

''سنو، ساری دنیا فریب ہو سکتی ہے۔ حماد کی محبت نہیں۔''

''تو پھر وہ آگے کیوں نہیں بڑھتا، میرا مطلب ہے شادی کے لئے۔''

''لو وہ تو روز اپنے ماں باپ کو بھیجنے کی بات کرتا ہے لیکن میں منع کر دیتی ہوں۔'' اس کی بات پر میں اچھل کر بولی تھی۔

''کیوں؟ کیوں منع کرتی ہو؟''

''بس میں چاہتی ہوں پہلے ایگزام دے لوں۔ اس کے بعد یہ سلسلہ شروع ہو۔''

''نہیں بیلا! سلسلہ شروع ہونے دو تا کہ ایگزام کے فوراً بعد تمہاری شادی ہو جائے۔''

''میں نے کہا تو وہ فوراً بولی تھی۔''

''اور تمہارا نمبر آئے۔''

''ظاہر ہے، تم جاؤ گی تو میرا نمبر آئے گا۔''

''یہ بات ہے تو میں صبح ہی حماد سے کہوں گی اور دیکھنا، شام میں اس کے اماں ابا آجائیں گے۔'' اس نے یوں کہا تھا جیسے یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔

☆

اور واقعی اگلی شام حماد کے ماں باپ آ گئے تھے، جنہیں دیکھتے ہی مجھے ان کی امارت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے بڑی چاہت سے بیلا کو مانگا تھا یعنی ان کے کسی انداز سے یہ ظاہر نہیں ہوا تھا کہ وہ اپنے سے کم حیثیت لوگوں میں آن بیٹھے ہیں۔ اس کے برعکس جیسے وہ سوالی تھے تو سوال کرنے والوں جیسی ہی عاجزی دکھا رہے تھے۔ جس کی بعد میں، میں نے ابا کے منہ سے تعریف بھی سنی تھی اور دو دن تک یوں لگتا رہا جیسے ابا ابھی ہامی بھر لیں گے لیکن تیسرے دن پتا نہیں کیا ہوا تھا کہ ابا ایک دم بدل گئے۔

''اب وہ لوگ آئیں تو صاف منع کر دینا۔ مجھے یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔''

ابا امی سے کہہ رہے تھے اور بیلا سن کر اسی وقت ان کے مقابل جا کھڑی ہوئی تھی۔

''کیوں منظور نہیں ہے، مجھے منظور ہے۔''

''تم ......'' ابا طیش میں آ کر بیلا پر ہاتھ اٹھانا چاہتے تھے، لیکن اس سے پہلے امی نے اسے پرے دھکیل دیا۔

''تم اپنے کمرے میں جاؤ۔''

''پہلے مجھے بات کرنے دیں۔ میری شادی حماد سے ہو گی، اگر آپ نے منع کیا تو اچھا نہیں ہو گا۔'' وہ امی کے دھکوں میں چیخ چیخ کر بول رہی تھی کہ تائی جی بھاگی آئیں۔

''کیا ہو گیا؟''

''آپ کو کوئی ضرورت نہیں ہمارے معاملات میں بولنے کی۔ آپ جائیں اپنی اولاد کی فکر کریں۔''

بیلا نے ان کا لحاظ نہیں کیا پھر بھی وہ پچکار رہی تھیں۔

''بیٹی! تم بھی میری اولاد ہو۔ میں نے تو کبھی فرق نہیں کیا، جیسے شینی ویسے تم۔''

''بس رہنے دیں۔ بہت اچھی طرح جانتی ہوں میں آپ کو۔ ابا کو بے وقوف بنا سکتی ہیں مجھے نہیں۔''

''بیلا!'' ابا دھاڑے تھے اور اس سے پہلے کہ اس کے بالوں میں ہاتھ ڈال کر گھسیٹتے، تائی جی درمیان میں آ کر ابا پر بگڑنے لگی تھیں کہ ''بیٹی پر ہاتھ اٹھاتے شرم نہیں آتی۔ وہ تو ابھی نادان ہے لیکن تم تو سمجھ والے ہو۔''

اس کے ساتھ انہوں نے مجھے بیلا کو وہاں سے لے جانے کا اشارہ کیا تو میں اسے کھینچتی ہوئی کمرے میں لے گئی، جہاں اس نے بقیہ غصہ مجھ پر اتارا تھا۔ اس کے بعد بھی وہ اپنی بات پر اڑی رہی کہ اس کی شادی حماد ہی سے ہو گی اور اگر یہاں سے منع کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ یہ گھر چھوڑ دے گی۔

اور پھر واقعی وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی کیونکہ ابا نے اس کی شادی عدنان بھائی کے ساتھ طے کر کے فوری نکاح کا نہ صرف فیصلہ سنایا بلکہ انتظامات میں بھی لگ گئے تھے اور بیلا نے جیسے ہی سنا، اسی وقت باقاعدہ اعلان کرتی ہوئی گئی تھی۔

''میں جا رہی ہوں۔ میرا اب اس گھر سے کوئی تعلق نہیں۔''

میں اور امی اس کے پیچھے بھاگیں اسے پکارتی رہ گئیں، لیکن اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ اگر دیکھ لیتی تو اپنا جانے کا ارادہ ترک نہ بھی کرتی تب بھی گرتی ہوئی امی کو سہارا دینے ضرور آتی لیکن اس نے یہ منظر دیکھا ہی نہیں تھا۔ اس کے بعد تو ہمارے لئے زندگی عذاب ہو گئی۔ ابا نے سارا الزام امی کے سر رکھ دیا۔ ابھی بھی یہی کہتے ہیں اور عدنان بھائی کا اندازہ اکسانے والا ہوتا ہے۔

''اگر میری بہن ایسا قدم اٹھاتی تو میں اس کی ٹانگیں توڑ کر ایک کونے میں ڈال دیتا۔''

بہر حال بیلا کے جانے سے امی تو بالکل ہی ٹوٹ گئی تھیں اور میرے لئے بھی اس وقت تو ابا نے سارے دروازے بند کر دیئے تھے۔ کالج جانے سے بھی منع کر دیا تھا لیکن پھر کچھ دنوں بعد تائی جی کے کہنے پر انہوں نے مجھے کالج جانے کی اجازت دے دی تو اسی وقت میں نے سمجھ لیا تھا کہ اگر اپنی زندگی میں کچھ بننا ہے تو سب سے زیادہ مجھے تائی جی کو خوش رکھنا اور ان کی جی حضوری کرنی ہو گی۔ شروع میں بیلا نے مجھے یہی بات سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تھا کہ

تمہیں تب پتا چلے گا جب ہر کام کے لئے تائی جی کی طرف دیکھنا پڑے گا اور یہی ہو رہا تھا۔

☆

بی اے کر کے میں دو سال گھر بیٹھی رہی تھی اس دوران میرے لئے کافی پرپوزل آئے تھے، لیکن کہیں بات نہیں بنی۔ بس ایک آدھ کو ہی ادھر سے انکار ہوا تھا۔ باقی سب بیلا کی داستان دہرا کر منع کر گئے تھے۔ مجھے نہیں معلوم، بیلا کی کہانی وہاں تک کیسے پہنچی تھی۔ بہر حال امی بہت فکر مند تھیں اور مجھے گھر کے گھٹے ہوئے اور سازشی ماحول سے وحشت ہونے لگی تھی۔ جب ہی میں نے تائی جی کے ذریعے ابا سے کوئی کورس کرنے کی اجازت لی پھر اسی طرح جاب بھی کرنے لگی جبکہ میری ڈور ابھی بھی تائی جی کے ہاتھوں میں تھی۔ یہ نہیں تھا کہ میں کوئی کمزور بزدل لڑکی تھی۔ حقیقتاً مجھ میں بیلا جیسا یا شاید اس سے زیادہ حوصلہ تھا۔ چاہتی تو ایک جھٹکے سے تائی جی کے ہاتھوں سے اپنی ڈور کھینچ کر اپنے معاملات میں خود مختاری کا اعلان کر دیتی لیکن مجھے امی کا خیال تھا۔ جو بیلا کی غلطی کی سزا اب تک بھگت رہی تھیں۔ گو کہ اسے گئے ہوئے چار سال ہو گئے تھے اور پتا نہیں کیسے اس نے اپنا دل پتھر کر لیا تھا کہ آنا تو دور کی بات، کبھی فون بھی نہیں کیا تھا جبکہ میں شروع میں تو بہت شدت سے منتظر رہتی تھی کہ وہ کم از کم مجھے ضرور بتائے گی کہ یہاں سے نکل کر وہ کہاں گئی اور پھر حماد کے ساتھ شادی کیسے ہوئی اور پتا نہیں ہوئی بھی یا نہیں۔

پہلے مجھے یہی دھڑکا لگا رہتا تھا کیونکہ میں نے بہت سے واقعات سنے اور پڑھے بھی تھے کہ گھر سے اس طرح نکلی ہوئی اور لڑکیوں کا آگے کیا انجام ہوتا ہے۔ اس لئے میں اور شاید امی بھی لاشعوری طور پر منتظر رہتی تھیں کہ وہ دھکے کھاتی ہوئی آخر پلٹ کر یہیں آئے گی۔ لیکن وہ جیسے کہہ کر گئی تھی کہ اب اس گھر سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ تو یہاں بھی اس نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا لیکن اس سے ہمارا رشتہ اٹوٹ تھا۔ میں اگر اسے گالیاں دیتی تھی تو اس کے لئے دعا بھی ضرور کرتی تھی کہ وہ جہاں ہو خیریت سے ہو اور خوش ہو۔

☆

رات میں بیلا کو سوچتے ہوئے بہت دیر سے سوئی تھی، جب ہی صبح معمول کے مطابق آنکھ نہیں کھلی اور امی نے بھی نو بجے اٹھایا تھا۔ میں گھڑی دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

''امی! مجھے آفس جانا تھا۔''

''میں سمجھی، آج نہیں جاؤ گی، اتنی بے خبر سو رہی تھیں۔ میں نے سات بجے ایک دوبار پکارا تھا۔ کیا رات دیر تک ادھر بیٹھی رہی تھیں؟'' امی نے بتا کر پوچھا تو میں دوبارہ لیٹتے ہوئے بولی۔

''نہیں۔ زیادہ دیر تو نہیں ہوئی تھی۔''

''اچھا، تو اب اٹھ جاؤ۔'' امی نے لیٹنے پر ٹوکا۔

''کیا کروں گی اٹھ کر۔ آفس کی تو چھٹی ہو گئی۔ ابا چلے گئے کیا.....؟''

''ہاں!'' امی ہاں کہہ کر جانے لگیں تو میں نے اٹھ کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''بیٹھیں ناں۔ کہاں جا رہی ہیں؟''

''تمہارے لئے ناشتہ بنا دوں۔''

''مجھے جب کرنا ہوگا، خود بنا لوں گی۔ آپ بیٹھیں ناں۔''

میرے اصرار پر وہ شاید تھکی تھیں۔ جب ہی بیٹھ کر بغور میرا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

''کیا بات ہے؟''

''پریشان کیوں ہو گئیں۔ میں تو یونہی آپ کے ساتھ باتیں کرنا چاہ رہی تھی لیکن آپ کو شاید خاموش رہنے کی عادت ہو گئی ہے۔''

''ہاں۔ سارا دن کون ہوتا ہے جس کے ساتھ بولوں۔ جب سے تم نوکری سے لگی ہو، میں بالکل اکیلی ہو گئی ہوں۔'' انہوں نے کہا تو میں نے فوراً پوچھا۔

''چھوڑ دوں نوکری؟''

''نہیں۔ گھر میں بیٹھ کر طعنے سننے سے اچھا ہے۔ کام سے لگی رہو۔''

''اس کا مطلب ہے، آپ سارا دن طعنے سنتی ہیں۔'' میں نے ان کی بات پکڑی تو دکھ سے بولیں۔

''جب نصیب میں یہی ہے تو کیا کروں۔''

''کوئی نصیب میں نہیں لکھا۔ سب بیلا کا کیا دھرا ہے خود تو آرام سے ہو گی اور ہم.....''

''اللہ کرے آرام سے ہو۔''

امی نے کہا تو میں ایک دم خاموش ہو کر انہیں دیکھے گئی۔ تب ہی برآمدے سے شمی نے پکارا تھا۔

''جیا! تمہارے آفس سے فون ہے۔''

''آفس سے۔''

میں چونکنے کے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور بہت عجلت میں چپلوں میں پیر پھنساتی

ہوئی کمرے سے نکل کر ٹیلی فون کے پاس آئی تو شمنی ریسیور مجھے تھما کر بھی وہیں کھڑی ہوگئی۔ جس پر میں بہت جز بز ہوئی اور بہت محتاط ہو کر ہیلو کہا تو دوسری طرف سے احسن پوچھنے لگا۔

''آج چھٹی کس خوشی میں......؟''

''سوری سر! میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے اس لئے میں نہیں آسکی۔'' میں نے شمنی پر یہ ہی ظاہر کیا کہ جیسے باس کا فون ہو اور ادھر وہ چیخ پڑا۔

''دماغ پر بھی اثر ہوگیا ہے کیا؟''

''جی سر......!''

''مذاق چھوڑو جیہا! یہ بتاؤ کیوں نہیں آئیں۔''

''میں کل ضرور آؤں گی سر!'' میری ساری توجہ ادھر تھی لیکن نظریں شمنی پر۔

''سنو۔ کیا ہوگیا ہے تمہیں۔ کوئی مسئلہ ہے کیا؟''

اب وہ سنجیدہ ہو کر پوچھ رہا تھا۔

''میں آجاؤں؟''

''نو سر! میں نے کہا ناں میں کل ضرور آؤں گی اور وہ پرابلم وہیں ڈسکس کر لیں گے...... او کے۔''

میں نے بظاہر بہت اعتماد سے کہہ کر فون بند کر دیا پھر انجان بن کر شمنی سے پوچھا۔

''تمہیں فون کرنا ہے؟''

''نہیں۔ ہاں۔'' وہ واقعی گڑ بڑا گئی تھی۔

''کر لو۔'' میں اندر ہی اندر محظوظ ہوتی صحن میں لگے واش بیسن پر جا کر منہ ہاتھ دھونے لگی پھر وہاں سے کچن کا رخ کیا اور چائے کا پانی رکھ کر سلائس گرم کر رہی تھی کہ شمنی آ کر پوچھنے لگی۔

''تمہاری طبیعت کو کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں۔ اصل میں رات تائی جی کے ساتھ باتوں میں دیر ہوگئی تھی اس لئے صبح آنکھ نہیں کھلی۔ لیکن باس سے تو یہ نہیں کہہ سکتی تھی ناں۔'' میں نے اپنی مصروفیت ترک کئے بغیر کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

''تمہارے باس بہت سخت ہیں کیا؟''

''ہاں اور صرف ہمارے نہیں سب ایسے ہوتے ہیں۔ خوفناک شکلیں، اوپر سے کرخت

لہجے، پیشانی پر اتنے بل ہوتے ہیں کہ شمار نہیں کئے جاسکتے۔''

باس کا نقشہ کھینچتے ہوئے میری نظروں میں اچانک ہی اپنے باس کا وجیہہ سراپا آن سمایا تو میں ایک دم خاموش ہوگئی۔

''توبہ۔ میں تو جاب نہیں کروں گی۔'' شمنی نے کہا تو میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیوں......؟''

''مجھے کوئی شوق نہیں خوفناک شکلیں دیکھنے کا۔''

وہ کہہ کر چلی گئی تو میں نے ہنستے ہوئے سر جھٹکا پھر وہیں کھڑے کھڑے ناشتہ کر کے برتن بھی دھو ڈالے۔ اس کے بعد فوراً کرنے کو کوئی کام نہیں تھا اس لئے میں امی سے کہہ کر تائی جی کے پاس چلی آئی۔ کیونکہ میری ڈوران کے ہاتھوں میں تھی اور مجھے انہیں خوش رکھنے کے ساتھ ساتھ یہ اطمینان بھی دلانا پڑتا تھا کہ میں ان کے مشورے کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتی یعنی ان کی خوشامد ضروری تھی۔ مصلحت کا تقاضا یہی تھا۔

بہر حال خود پر جبر کر کے میں بہت دیر ان کے پاس بیٹھی اور ان کے منہ سے ثریا بھابھی کی برائیاں سنتی رہی۔ درمیان میں کتنی بار میں نے موضوع بدلنے کی کوشش کی لیکن وہ پھر اسی پر آجاتیں۔ خدا خدا کر کے کھانا پکانے کا وقت ہوا تو میری جان چھوٹی لیکن آگے امی ناراض بیٹھی تھیں۔

''باپ کی طرح تمہارا بھی وہیں دل لگتا ہے۔''

''توبہ کریں۔ میرا تو انہیں دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔'' میں نے فوراً کہا تو امی نے پھر ٹوکا۔

''پھر کیوں جاتی ہو؟''

''مجبوری ہے۔ نہیں جاؤں گی تو وہ ابا کو بہکا کر ہر روز یہاں فساد ڈلوائیں گی۔'' میں نے کہہ کر بات بدل دی۔

''کھانے میں کیا پکنا ہے، جلدی بتائیں۔''

''سبزی گوشت رکھا ہے جو دل چاہے بنالو۔''

''میں سب بنالیتی ہوں۔ دو دن آپ کو کھانا پکانے سے فرصت مل جائے گی۔''

میں کہتی ہوئی کچن میں آگئی تو کام کے ساتھ ساتھ میری سوچیں بھی بدلتی رہیں اور آخر میں احسن پر آ کر تھم گئی تھیں۔

☆

''وہ فون پر میری باتوں سے پتا نہیں کیا سمجھا تھا جو اگلے دن سیدھا میرے پاس چلا آیا اور چھوٹتے ہی پوچھنے لگا۔''

''کل کیا مسئلہ تھا؟''

''میرے ساتھ میری کزن کھڑی تھی۔'' میں نے سمجھ کر ہمیشہ کی طرح سکون سے جواب دیا۔

''تو......؟''

''تو ظاہر ہے، میں اس کے سامنے تم سے بات نہیں کر سکتی تھی۔''

''کیوں...... ڈرتی ہو؟'' وہ میرے سکون سے جانے کیوں چڑتا تھا اور اکسانے کی کوشش بھی کرتا۔

''ہاں!'' میرے اعتراف پر وہ جھنجلا گیا۔

''کیوں؟''

''تم کوئی اور بات نہیں کر سکتے۔'' میں نے ٹوکا تو وہ کچھ دیر بعد بولا۔

''نہیں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم اتنی بزدل کیوں ہو؟''

''تو جان لو میں بزدل نہیں، بہت بہادر ہوں۔'' میں نے زور دے کر کہا تو وہ ہنسنے لگا۔ پھر ایک دم میری آنکھوں میں جھانک کر پوچھنے لگا۔

''میرے لئے اسٹینڈ لے سکتی ہو۔''

''ہاں! اگر میں چاہوں۔''

''کیوں نہیں چاہتی؟'' اس نے فوراً ٹوکا۔

''وجہ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ مجھے اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنا اچھا نہیں لگتا اور نہ میں والدین کے فیصلوں کو چیلنج کرنا پسند کرتی ہوں۔ تم پلیز مجھ سے ایسی کوئی توقع مت رکھو اور نہ مجھے اکسانے کی کوشش کرو۔''

میں بہت سکون سے ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی کہ وہ ٹیبل پر ہاتھ مار کر بولا۔

''بس کرو، میں تمہاری تقریر سننے نہیں آیا۔''

''تمہیں آنا ہی نہیں چاہئے جب تک تمہارے پرپوزل کا فیصلہ نہیں ہو جاتا۔'' میں نے کہہ کر سر جھکا لیا۔

''ٹھیک کہتی ہو۔ مجھے واقعی پہلے فیصلے کا انتظار کرنا چاہئے جو اگر میرے حق میں ہو گیا تو۔''

وہ رک کر مجھے دیکھنے لگا تھا لیکن میں نے سر اونچا نہیں کیا تو وہ بھی بات ادھوری چھوڑ کر میرے کمرے سے نکل گیا تھا۔

اور اس کے بعد جب بھی وہ میرے کمرے میں آیا صرف آفیشل کام ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات ہی نہیں کرتا تھا۔ جس پر مجھے اطمینان ہونا چاہئے تھا لیکن اس کے برعکس عجیب سا لگنے لگا۔ اس کے اجنبی انداز پر اپنے آپ جھنجلانے لگتی اور شاید اسے متوجہ کرنے کی خاطر ہی میں جان بوجھ کر غلطیاں کرنے لگی تھی اور اس وقت مجھے کچھ اور نہیں سوجھا تو کھانسنے چلی گئی۔

''پانی۔'' اس نے گلاس میرے سامنے رکھ دیا تھا۔

''تھینک یو۔'' میں نے دو گھونٹ لے کر اسے دیکھا لیکن وہ ٹیبل پر پھیلی شیٹ پر جھک گیا تھا۔

میرا دل چاہا بقیہ پانی اس کے سر پر انڈیل دوں اور جب اس پر عمل نہیں کر سکی تو جھنجلانے لگی۔ وہ اگر مجھے دیکھ نہیں رہا تھا تو بھی محسوس ضرور کر رہا تھا۔ اس کے بعد متوجہ نہیں ہوا اور قدرے توقف سے ایک ڈیزائن پر پینسل سے مارک کر کے کہنے لگا۔

''اسے کمپیوٹر پر لگا دیں۔''

''اور......''

''بس یہ ہی۔'' وہ کہہ کر چلا گیا تو میں کتنی دیر اس کے پیچھے دیکھتی رہی پھر کمپیوٹر آن کر دیا لیکن کام میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ بڑی مشکل سے جو کام وہ دے گیا تھا اسے مکمل کر پائی۔ اس کے بعد گھڑی دیکھنے لگی۔ حالانکہ ابھی صرف گیارہ بجے تھے اور میں یوں اس پر نظریں جمائے بیٹھی تھی جیسے یہاں سے نکلنے میں چند سیکنڈز باقی ہوں۔ تب ہی میرے دروازے پر ہلکی ہلکی دستک ہونے لگی۔ پہلے تو میں سمجھی نہیں کہ یہ کیسی آواز ہے جب غور کیا تب بھی الجھ کر بولی۔

''یس۔ کم ان......''

دوسری طرف جیسے سنا ہی نہیں گیا اور دستک ہنوز جاری رہی تب مجھے اٹھنا پڑا اور جیسے ہی دروازہ کھولا، ایک چھوٹا سا بچہ میرے پیروں میں آن گرا جو غالباً دروازے کے ساتھ پیٹھ لگا کر آگے پیچھے جھول رہا تھا۔ میں پہلے اچھل کر پیچھے ہٹی پھر بچہ دیکھ کر حیران تو ہوئی ہی لیکن فوراً اسے بازوؤں میں بھی اٹھا لیا تو بچہ جو گرنے سے ُ سا رویا تھا میری شکل دیکھ کر رونے لگا۔

''ارے رے۔'' میں اسے کندھے سے لگا کر چپ کرانے لگی لیکن وہ اور مچل گیا تب ہی باس غالباً اس کی آواز سن کر بھاگ آئے تھے اور مجھے ان کو دیکھ کر احساس ہوا کہ یہ گھر نہیں

آفس ہے۔

''یہ......'' باس نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ میں گھبرا کر بول پڑی۔

''پتا نہیں کس کا ہے۔''

''میرا ہے۔'' انہوں نے بچے کو لینے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا تو بوکھلاہٹ میں، میں بجائے بچہ انہیں دینے کے دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''سعد! سعد بیٹا!'' انہوں نے چٹکی بجا کر بچے کو پکارا تو ان کی آواز سنتے ہی بچے نے فوراً متوجہ ہو کر ان کی طرف بازو پھیلا دیئے۔

''تائی بوائے۔'' انہوں نے اسے لے کر سینے سے لگا لیا پھر جاتے جاتے بولے تھے۔

''اگر ڈیزائن تیار ہو گیا ہے تو لے آئیں۔''

''جی سر!''

میں جلدی میں سارے ڈیزائن سمیٹ کر ان کے پاس لے گئی تو مجھے بیٹھنے کا اشارہ کر کے وہ انہیں دیکھنے میں لگ گئے اور میں ان کے چہرے کے تاثرات دیکھنے لگی جو ہر ڈیزائن کے ساتھ بدل رہے تھے یعنی کہیں پسندیدگی اور کہیں ناپسندیدگی اور اسی حساب سے میں بھی کہیں خوش ہو رہی تھی کہیں مایوس۔ تب ہی ان کا بچہ قریب آ کر میری کلائی پر بندھی گھڑی سے کھیلنے لگا۔ تو میں نہ صرف اس کی طرف متوجہ ہوئی بلکہ اسے پیار کرنے اور گدگدانے میں باس کی طرف سے میرا دھیان بالکل ہی ہٹ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد جب انہوں نے پکارا تب میں چونک کر سیدھی ہو بیٹھی۔

''یس سر۔''

''یہ آپ مسٹر احسن کو دکھا دیں۔'' انہوں نے چند ڈیزائن میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا تو میں انہیں دیکھنے کے بعد بولی۔

''سر! یہ میں انہیں دکھا چکی ہوں، لیکن شاید انہیں پسند نہیں آئے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں خود ڈسکس کر لوں گا۔''

''میں جاؤں سر؟'' میں نے پوچھا اور ان کے اثبات میں سر ہلانے پر کھڑی ہوئی تو بچہ میری طرف بازو پھیلا کر مچل گیا اور اس سے پہلے کہ وہ اسے ٹوکتے یا اپنے پاس بلاتے میں اسے اٹھا کر بولی۔

''سر! یہ میرے پاس ہے۔''

''تنگ کرے تو لے آیئے گا۔'' انہوں نے گویا اجازت دے دی۔

اور میری ٹیبل پر یوں بھی اس وقت کوئی کام نہیں تھا۔ جب ہی میں بہت اطمینان سے سعد کے ساتھ مصروف ہو گئی۔ اس کا ایک ایک چیز پر انگلی رکھ کر پوچھنا کہ یہ کیا ہے اور معصوم سی ہنسی مجھے بہت اچھی لگ رہی تھی۔ میں اس کی حرکتوں پر حیران بھی ہو رہی تھی کیونکہ قریب سے اتنا چھوٹا بچہ میں پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ گو کہ گھر میں ثریا بھابھی کا بیٹا تھا لیکن وہ اس کے معاملے میں اتنی وہمی تھیں کہ زیادہ تر اسے اپنے کمرے میں ہی بند رکھتی تھیں۔ میری یا کسی کی بھی گود میں دینے سے کتراتی تھیں اس لئے میں اور امی خود ہی محتاط رہتی تھیں۔

میرا سارا دن سعد کے ساتھ بہت اچھا گزرا تھا۔ پانچ بجے جب میں آفس سے نکلنے لگی تو میرا دل چاہا اسے بھی ساتھ لیتی جاؤں اور وہ بھی مجھے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ تب باس میرے ساتھ باہر نکلے اور پہلے وہ اسے لے کر رخصت ہوئے پھر میں اپنے روٹ کی وین دیکھ کر سوار ہوئی تب راستے میں مجھے خیال آیا کہ باس بچے کو آفس کیوں لے آئے تھے یعنی اس کی ممی کہاں ہیں۔

''شاید اس کی ممی نہیں ہیں۔'' اس خیال کے ساتھ ہی میری ساری ہمدردیاں سعد کے ساتھ ہو گئیں۔

''بے چارہ معصوم بچہ۔ ماں کی آغوش سے محروم ہو گیا۔ اف اللہ میاں کو ترس بھی نہیں آیا۔ اتنے سے بچے کی ماں لے لی۔''

میں انہی سوچوں میں کڑھتی ہوئی افسردہ سی گھر آئی تو آگے احسن کی اماں موجود تھیں۔

''السلام علیکم۔'' میں سلام کر کے الٹے پیروں واپس مڑنے لگی تھی کہ انہوں نے پکار لیا۔

''ادھر آؤ بیٹی! میں تمہارے انتظار میں بیٹھی ہوں۔''

''جی!'' میں نے امی کو دیکھا اور ان کے اشارے پر احسن کی اماں کے پاس آ بیٹھی تو وہ غالباً بات کرنے کی غرض سے پوچھنے لگیں۔

''دفتر سے آ رہی ہو؟''

''جی۔''

''احسن بھی تو وہیں ہوتا ہے تمہارے ساتھ۔''

انہوں نے سادگی میں کہا تھا اور میں امی کی موجودگی کے باعث پریشان ہو گئی لیکن بولی سہولت سے تھی۔

''پتا نہیں، میں نہیں جانتی۔''

''لیکن وہ تو تمہیں جانتا ہے اور اسی کے کہنے پر تو میں یہاں آئی ہوں۔'' انہوں نے کہا تو میں انجان بن گئی۔

''اچھا!''

''ہاں۔ آج چوتھی بار آئی ہوں۔'' وہ کہہ کر امی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ ''بہن! آپ نے کیا سوچا ہے؟''

''اس کے ابا آجائیں، ان سے پوچھئے گا۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' امی نے اپنی طرف سے معذوری ظاہر کر دی تو وہ پوچھنے لگیں۔

''کب تک آئیں گے اس کے ابا؟''

''آتے ہوں گے۔''

امی نے کہا تو میں ابا کے آنے کے خیال سے فوراً اٹھ کر اپنے کمرے میں آ تو گئی لیکن کسی طرح اپنا دھیان ادھر اُدھر نہیں کر سکی، اور بس یہی سوچتی رہی کہ پتا نہیں ابا نے کیا سوچا ہے اور انہیں کیا جواب دیں گے، گو کہ ہر دو صورتوں میں مجھے خاموشی سے سر جھکانا تھا پھر بھی میں جاننا چاہتی تھی کیونکہ احسن کی ناراضی نے مجھے بہت دل برداشتہ کر دیا تھا اور مجھے لگ رہا تھا کہ میں زیادہ دن اس کے سامنے خود کو انجان اور پرسکون ظاہر نہیں کر سکوں گی اور میں اس کے سامنے بکھرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ میری عزت نفس یہ گوارا نہیں کر رہی تھی کہ میں اس کے سامنے بیلا کا مسئلہ رکھ کر صفائیاں پیش کروں۔ اس کے بعد یا تو وہ مجھ سے ہمدردی جتائے، احسان کرے مجھ پر یا دھتکار کر چلتا بنے۔ نہیں ......

اس کے برعکس جیسا کہ میں نے پہلے مقام پر ہی اسے سمجھا دیا تھا کہ میں اپنے والدین کے فیصلے کو قبول کروں گی تو میں چاہتی تھی کہ اس سے پہلے کہ بیلا کی کہانی اس تک پہنچے ابا فیصلہ سنا دیں۔ آر یا پار۔ میرا بھرم نہ ٹوٹے اور اس وقت سے رات سونے تک میں نے امی کی باتوں سے، چہرے سے یہ جاننے کی بہت کوشش کی کہ ابا نے میرے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے لیکن مجھے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

☆

آج تیسرے دن بھی باس کا بچہ سعد میرے پاس تھا۔ جس کی وجہ سے میں کوئی کام نہیں کر پا رہی تھی۔ جہاں اس کی طرف سے توجہ ہٹتی وہ مچلنے لگتا۔ آخر میں نے سارا کام ایک

طرف رکھ کر سعد کو اپنے سامنے ٹیبل پر بٹھا لیا اور پیپر ویٹ گھما کر اسے بہلانے لگی تو کچھ دیر وہ اس میں خوش ہوتا رہا پھر وہ ہی نہیں میں بھی اکتا گئی تھی اور کسی دوسری چیز کی تلاش میں، دراز کھولی تھی کہ احسن آ گیا اور بہت خاموشی سے بیٹھ کر کچھ دیر سعد کو دیکھتا رہا پھر میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔

''تو اب تمہاری یہ ڈیوٹی ہے۔''

''اچھی ہے۔'' میں قصداً مسکرائی تو اس نے خدشہ ظاہر کیا۔

''کہیں مستقل گلے نہ پڑ جائے۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے پوچھا تو بات بدل گیا۔

''باس اسے کیوں لے کر آتے ہیں؟''

''پتا نہیں۔ میں خود ہی سوچتی رہتی ہوں کہ شاید اس کی ممی۔'' میری بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ وہ بول پڑا

''سب کے لئے سوچ سکتی ہو تم، ایک میرے لئے نہیں۔''

''تمہارے لئے۔'' میں نے کچھ دیر اسے دیکھنے کے بعد پوچھا۔ ''کیا سوچوں؟''

''یہی کہ میرے بارے میں تمہارے گھر والوں نے کیا سوچا ہے۔ آخر تمہارے ابا اتنی پس و پیش کیوں کر رہے ہیں۔ کیا چاہتے ہیں وہ؟'' وہ زچ ہو کر بول رہا تھا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا تو پوچھنے لگا۔

''تمہارے گھر میں کون کون ہے؟''

''کیوں؟''

''میں جاننا چاہتا ہوں تاکہ اپنے طور پر سمجھ سکوں کہ تمہارے ابا کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔'' اس نے کہا تو میں ذرا سا ہنس کر بولی۔

''میرے ابا کے ساتھ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ انہیں صرف میری شادی کرنی ہے۔''

''اور بہن ...... بھائی؟'' اس نے حیران ہو کر دیکھا تھا۔

''نہیں اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے ان پر۔ تم بتاؤ اس روز تمہاری اماں آئی تھیں، انہیں کیا جواب دیا ابا نے؟'' میں نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

''پہلے کہا تھا سوچیں گے اور اس روز کہا اپنے بڑوں سے مشورہ کریں گے۔ کون ہے تمہارے ہاں بڑا۔ دادا یا تایا وغیرہ؟'' اس نے بھی جواب کے ساتھ پوچھا۔

''دادا، تایا تو نہیں ہیں تائی جی ہیں۔'' میں نے بتایا تو وہ حیرت سے بولا۔

''تمہارے ابا ان سے مشورہ کریں گے؟''

''کیوں۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟'' میرے ٹوکنے پر وہ جھنجھلا گیا۔

''حیرت مجھے تم پر ہے جو بڑی سعادت مند بن رہی ہو۔ صاف کیوں نہیں کہتیں کہ تمہیں مجھ سے محبت ہی نہیں ہے۔ بے وقوف بنا رہی ہو مجھے۔''

''کیا واقعی تمہیں ایسا لگتا ہے؟'' میرے لہجے میں جانے کیا تھا کہ وہ ایک دم خاموش ہو گیا۔ پھر براہ راست میری آنکھوں میں دیکھ کر بولا تھا۔

''سچ بتاؤں۔ مجھے کیا لگتا ہے؟''

میرا دل یکبارگی بہت زور سے دھڑکا تھا پھر بھی میں نے اثبات میں سر ہلا دیا تو اس نے پہلے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی پھر دونوں بازو سینے پر باندھ کر بڑے آرام سے میری شخصیت پر چڑھے خول پر ضرب لگائی تھی۔

''تمہارے اندر خوف ہے۔ کسی رسوائی کا۔''

''نہیں۔'' مجھے اپنا لہجہ کمزور لگا تو میں نے گھبرا کر سعد کو چھیڑ دیا یعنی اس کے ہاتھ سے سنہری پین لے لیا جس پر وہ مچلنے لگا۔

''اسے کیوں رلا دیا؟'' اس نے ٹوکا لیکن میں ان سنی کر کے کھڑی ہو گئی اور سعد کو اٹھا کر بولی۔

''چلو، تمہیں تمہارے باپ کے پاس چھوڑ آؤں۔''

''جلدی آنا۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔'' وہ یقیناً میری کیفیت بھانپ گیا تھا اور میں اسی بات سے ڈرتی تھی۔ جب ہی فوراً وہاں سے نکل کر باس کے کمرے میں آئی تو وہ فون پر جانے کس سے بات کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر بیٹھنے کا اشارہ کر دیا۔

میں نے بیٹھتے ہی ٹیبل سے بسکٹ کا پیکٹ اٹھا لیا اور کھول کر سعد کو کھلانے کے ساتھ بلا ارادہ ان کی باتیں سننے لگی تھی۔

''جیسا تم چاہتی ہو، سب کچھ ویسا ہی ہوگا۔''

''ہاں بس تم سارا سامان منگوا لو۔ اس کے بعد تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''ڈونٹ وری یار۔ میں ہوں نا۔''

''سعد بہت آرام سے ہے۔''

''او کے۔ میں ابھی آتا ہوں۔'' وہ فون رکھ کر سعد کو دیکھنے لگے پھر مجھ سے بولے۔

''یہ بہت جلدی آپ سے مانوس ہو گیا ہے۔''

''جی۔'' میں یہی کہہ سکی۔ تو وہ خاموش ہو کر کچھ دیر جانے کیا سوچتے رہے پھر اپنے آپ بولنے لگے تھے۔

''کل سعد کی برتھ ڈے ہے اور اس کی ممی بہت پریشان ہو رہی ہیں۔ اصل میں ان کی ٹانگ پر پلاسٹر چڑھا ہوا ہے ورنہ وہ سارے انتظام خود کر لیتیں۔ اب چل نہیں سکتیں تو جھنجھلا رہی ہیں۔ اگر آج کی تاریخ میں سارے کام ان کی مرضی کے مطابق نہیں ہوئے تو ......''

وہ پریشان ہو رہے تھے اور میں جو توجہ سے ان کی باتیں سننے لگی تھی بلا ارادہ کہہ گئی۔

''سر! میں آپ کی کوئی مدد کر سکتی ہوں؟''

''آپ۔'' انہوں نے چونک کر مجھے دیکھا پھر یکلخت ان کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔'' ہاں آپ نے سعد کو بہلا لیا ہے، یقیناً اس کی ممی کو بھی۔ آئی مین وہ آپ کے کام سے ضرور مطمئن ہوں گی۔''

میں خاموشی سے دیکھنے لگی کہ وہ کیا کام بتاتے ہیں اور انہوں نے پہلے اپنے ڈرائیور کو بلوایا پھر مجھ سے کہنے لگے۔

''آپ سعد کو لے کر گھر چلی جائیں وہاں اس کی ممی آپ کو بتائیں گی' کہ وہ برتھ ڈے پارٹی کے لئے کیسی ڈیکوریشن چاہتی ہیں اور پلیز آپ ان کی کسی بات کا برا نہیں مانئے گا۔''

''جی!'' میں کچھ کشمکش و پیچ میں پڑ گئی کیونکہ یہ خیال نہیں آیا تھا کہ وہ مجھے اپنے گھر بھی بھیج سکتے ہیں اور وہ مجھے اسی حساب سے کہنے لگے۔

''آپ کو دوبارہ آفس آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہیں سے اپنے گھر چلی جایئے گا، بلکہ ڈرائیور چھوڑ آئے گا۔''

''جی!'' میں نے سعد کو لئے ہوئے اپنے کمرے سے بیگ اٹھایا پھر ڈرائیور کے پیچھے باہر نکل آئی اور شکر کیا کہ احسن موجود نہیں تھا۔ ورنہ وہ ضرور ٹوکتا کیونکہ میرے چہرے سے گھبراہٹ صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ تمام راستہ بھی میں یہی سوچتی رہی کہ اگر ابا یا تائی جی کو معلوم ہو گیا کہ میں آفس سے کہیں اور گئی تھی تو یقیناً مجھے پھر گھر بٹھا دیا جائے گا۔

جب ڈرائیور نے گاڑی روکی اور اتر کر میری طرف کا دروازہ کھولا تو میں چونکی اور پھر سعد کی ممی کو سوچ کر پریشان ہو گئی کہ جانے وہ کس مزاج کی خاتون ہیں اور میرے ساتھ ان کا رویہ پتا نہیں کیا ہوگا۔

"زیادہ بک بک کریں گی تو اسی وقت گھر چلی جاؤں گی۔ میں ان کی نوکر تھوڑی ہوں۔"

میں نے خود کو تسلی دی اور لاؤنج میں رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی تو اپنے گھر میں آ کر سعد مچلنے لگا۔

"مما! مما!"

میں نے اسے گود سے اتار دیا اور اس کے پیچھے چلتے ہوئے بیڈ روم میں داخل ہوتے ہی میرے منہ سے زوردار چیخ نکلی تھی۔

"بیلا!"

"جیہ......!" بیلا نے حیران ہو کر مجھے دیکھا اور اٹھنے کی کوشش کرنے لگی تھی کہ میں بھاگ کر اس کے اوپر جا گری اور رونے کے ساتھ اسے گالیاں بھی دینے لگی تھی۔

"کمینی۔" الو کی پٹھی، اچھا ہوا، تیری ٹانگ ٹوٹ گئی۔"

بیلا آنسوؤں کے ساتھ ہنسے جا رہی تھی جبکہ سعد اس صورت حال سے گھبرا کر رونے لگا تھا لیکن مجھے اپنے رونے میں اس کی آواز سنائی ہی نہیں دی۔ تب بیلا نے زور سے میرے بازو میں چٹکی کاٹی۔

"میرے بچے کو دیکھو۔"

"تمہارا بچہ......" میں نے بازو سہلاتے ہوئے بیلا کو دیکھا پھر ایک دم اچھل کر کھڑی ہوئی اور سعد کو بازوؤں میں بھر کر کھلکھلانے لگی تھی۔

"میں بھی کہوں، یہ مجھے اتنا اپنا اپنا کیوں لگتا ہے۔"

سچ بیلا! یہ تمہارا بیٹا ہے۔ ایک ہی ہے؟ میں نے سعد کے پھولے گالوں پر چٹاچٹ پیار کرتے ہوئے پوچھا تو وہ ہنس کر بولی۔

"فی الحال ایک ہی ہے۔"

"کتنے سال کا ہے؟"

"دو۔" اس نے بتایا تو میں حیران ہوئی۔

"دو۔ پھر یہ بولتا کیوں نہیں؟"

"اب بولنا شروع کیا ہے۔"

"لیکن ثریا بھابھی کا بیٹا تو اس سے چھوٹا ہے اور وہ بہت بولتا ہے۔" میں نے کہا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"یہ اپنے باپ پر گیا ہے، کم گو......"

"کہاں ہے اس کا باپ......؟" میں بھول ہی گئی تھی کہ میں یہاں کیسے اور کس سلسلے میں آئی تھی۔

"آفس......" بیلا بتا کر چونکی۔ "ہائیں سعد بھی تو وہیں تھا۔"

"میرے ساتھ آیا ہے۔" میں بھی اس کی طرح بتا کر چونکی تھی پھر سمجھ کر بولی۔

"میں اس کے باپ کے آفس میں جاب کرتی ہوں۔ ابھی انہوں نے ہی مجھے یہاں بھیجا ہے کہ میں اس کی برتھ ڈے پارٹی کا انتظام کر دوں۔"

"اچھا ہاں۔ ابھی حماد کا فون آیا تھا، بتا رہے تھے انہوں نے تمہیں بھیجا ہے۔" اس نے کہا پھر بہت سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔ "تائی جی مر گئیں کیا؟"

"اللہ نہ کرے۔" میں نے بے اختیار کہا تو اس کی سنجیدگی میں حیرت بھی شامل ہو گئی۔

"پھر تم جاب کیسے کر رہی ہو؟"

"کیوں؟" میں اس کا مطلب سمجھ کر بھی انجان بن گئی تو اس بار اس نے تائی جی والا سوال کچھ اس طرح گھما دیا۔

"ابا تو زندہ ہیں ناں؟"

"اللہ کا شکر ہے۔" تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔" میں نے برا مان کر ٹوکا۔

"میں ایسی ہی باتیں سوچ سکتی ہوں۔ کیونکہ مجھے یقین ہے، ان چار سالوں میں وہاں کچھ بھی نہیں بدلا ہو گا۔ ابا اسی طرح تائی جی کے غلام ہوں گے اور جب وہ ان کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے تو تم......"

"میں بھی نہیں کر سکتی۔" میں نے کہا تو اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔

"پھر......؟"

"پھر یہ کہ میں تائی جی کی مرضی حاصل کر لیتی ہوں۔ ان کے سامنے معصوم مسکین بنی رہتی ہوں۔ ان کی ہاں میں ہاں ملاتی ہوں اور یوں ظاہر کرتی ہوں جیسے میں اپنا سب سے بڑا ہمدرد اور بہی خواہ انہیں ہی سمجھتی ہوں وغیرہ وغیرہ۔"

میں نے یوں بتایا جیسے بیلا میری چالاکی کو سراہے گی لیکن وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

"پکی بے غیرت ہو۔"

''کیوں۔ بے غیرتی کی کیا بات ہے۔''

''شرم نہیں آتی تمہیں۔ جس عورت نے ہماری ماں کو گھر تو گھر اس کی اولاد کے معاملے میں بھی بے دخل کر دیا ہے، تم اس کی خوشامد کرتی ہو۔'' بیلا باقاعدہ مجھے ڈانٹنے لگی تھی۔

''مجبوری ہے، خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ تم اپنی سناؤ۔'' میں نے بات کا رخ اس کی طرف موڑا تو اس نے پہلے گہری سانس کھینچ کر گویا خود کو تائی جی کے شکنجے سے آزاد کیا پھر مسکرا کر بولی۔

''کیا سناؤں۔ مزے میں گزر رہی ہے۔''

''وہ تو میں دیکھ رہی ہوں۔ مجھے اس وقت سے بتاؤ جب تم گھر سے نکلی تھیں تو آگے تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا۔''

میں اپنی گود میں سوئے سعد کو اس کے برابر لٹا کر یوں بیٹھ گئی جیسے اب وہ مجھے طویل داستان سنائے گی لیکن وہ بڑے آرام سے بولی تھی۔

''کچھ نہیں، ہونا کیا تھا۔ میں سیدھی حماد کے گھر آ گئی تھی اس کے ممی ڈیڈ کو سارے حالات بتائے تو انہوں نے اسی وقت چار آدمی بلا کر میرا حماد کے ساتھ نکاح پڑھوا دیا تھا۔ زندگی میں بظاہر کوئی کمی نہیں ہے لیکن یہ میں جانتی ہوں، میری خوشی مکمل نہیں ہے۔ زندگی میں والدین کی کمی تو محسوس ہوتی ہے۔''

''ماشاء اللہ۔ کیا بات ہے تمہاری۔ خود تو ہنسی خوشی رہنے لگیں اور پیچھے ہمارے لئے عذاب چھوڑ آئیں۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جو تائی جی امی کو تمہارا طعنہ نہ دیتی ہوں۔ میں الگ تمہاری وجہ سے ریجیکٹ ہو رہی ہوں لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے البتہ امی ...... انہیں یہ غم دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے کہ میں کبھی اپنے گھر کی نہیں ہو سکوں گی۔''

''میں اسے ملامت نہیں کرنا چاہتی تھی جب ہی سیدھے سادے انداز میں بتایا تو وہ تاسف سے بولی۔''

''ہاں۔ تائی جی کے ہوتے تو یہ واقعی ناممکن ہے۔''

تب ہی حماد آ گئے اور مجھے اطمینان سے بیٹھے دیکھ کر حیرت سے بولے۔

''آپ نے ابھی تک کچھ نہیں کیا۔''

''حماد! یہ جیہ ہے۔'' مجھ سے پہلے بیلا بول پڑی۔

''جیہ۔ میری بہن۔''

''تمہارا مطلب ہے۔'' حماد مجھے دیکھنے لگے۔

''ہاں مجھے تو جیسے معلوم تھا۔''

''کیوں میں اتنا ذکر کرتی ہوں اس کا، پھر بھی آپ نے نہیں پہچانا۔''

''اب پہچان لیتا ہوں۔'' حماد میرے سامنے آ بیٹھے اور بغور مجھے دیکھتے ہوئے بولے۔

''تو تم جیہ ہو۔ میری پیاری بیوی کی پیاری بہن۔ مجھے تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ خاص طور پر اپنے گھر میں دیکھ کر زیادہ خوش ہوں۔''

''تھینک یو۔ مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ آپ دونوں خوش ہیں۔'' میں نے شکریہ کے ساتھ کہا پھر اچانک خیال آنے پر پوچھا تھا۔ ''آپ کے ممی ڈیڈی کہاں ہیں؟''

''وہ امریکہ گئے ہوئے ہیں۔ وہاں میری بڑی سسٹر ہیں ان کے پاس۔'' وہ بتا کر پوچھنے لگے۔ ''تمہیں یاد ہیں میرے ممی ڈیڈی؟''

''جی وہ آئے تھے ہمارے ہاں۔''

''ہاں، بیلا کو ان کا مایوس لوٹنا اچھا نہیں لگا تھا جب ہی خود چل کر آ گئی۔'' انہوں نے شرارت سے بیلا کو دیکھا پھر پوچھنے لگے۔

''کچھ کھانا دانا بھی کھلایا جیہ کو یا یونہی باتوں سے پیٹ بھر رہی ہو۔''

''آپ آ گئے ہیں ناں۔'' آپ کھلائیں گے۔ میں تو چل نہیں سکی۔ بیلا نے کہا تو مجھے اب خیال آیا۔

''بیلا! تمہاری ٹانگ کے ساتھ کیا حادثہ ہوا؟''

''واش روم میں پھسل گئی تھی۔'' معمولی فریکچر ہے پھر بھی دو ہفتے لگیں گے۔

''مجھے بتائیں حماد بھائی! کچن کہاں ہے۔ میں بنا دیتی ہوں۔''

انہوں نے دروازہ کھول کر وہیں سے کچن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو میں کمرے سے نکل آئی۔

اور پھر شام تک میں وہیں رہی اور میں نے بیلا کو اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ سعد کی برتھ ڈے اس کی ٹانگ کا پلاسٹر اترنے کے بعد ہی ہو گی۔ حماد بھائی بھی یہی چاہتے تھے۔ لیکن بیلا جانے کیوں بضد تھی بہرحال اس نے میری بات مان لی تھی۔ پھر اگلے روز آنے کا کہہ کر میں نے اس سے اجازت لی تو حماد بھائی خود مجھے گھر تک ڈراپ کر گئے تھے۔ حالانکہ میں نے بہت منع کیا تھا کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں ابا نہ دیکھ لیں لیکن شکر ہے، اس وقت تک ابا آفس سے نہیں لوٹے

تھے۔ پھر بھی میں پہلے سیدھی اپنے کمرے میں گئی اور منہ ہاتھ دھونے کے بعد امی کے پاس آئی تو وہ روزانہ کی طرح میری خیریت سے واپسی پر شکر کر رہی تھیں۔ پتا نہیں ان کا سارا دن کیسے گزرتا تھا، بہرحال میں اس وقت بیلا سے مل کر خوش تھی جب ہی امی کو سلام کرنے کے ساتھ ان سے لپٹ گئی اور ان کے کان میں بولی۔

''بڑی اچھی خبر ہے امی۔''

''کیا؟'' وہ مجھے خود سے الگ کر کے میرا چہرہ دیکھنے لگیں تو میں خوش ہو کر بولی۔

''بیلا اپنے گھر میں بہت خوش ہے۔''

''بیلا!'' امی کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔

''ہاں امی! آج میری اچانک اس سے ملاقات ہو گئی۔ وہ حماد بھائی کے ساتھ بہت خوش ہے۔ اس کا ایک بیٹا بھی ہے سعد۔ ماشاء اللہ بہت پیارا ہے۔''

خوشی سے جہاں میری آواز کھنک رہی تھی وہاں آنکھوں سے آنسو بھی چھلک رہے تھے اور امی گھبرا گھبرا کر کبھی مجھے دیکھتیں کبھی دروازے سے باہر نظر ڈالتیں۔ آخر انہوں نے میرے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''مت نام لو اس کا۔ تمہارے ابا نے سن لیا تو زبان کھینچ لیں گے تمہاری۔''

''امی!'' میں نے اپنے ہونٹوں سے ان کا ہاتھ ہٹا کر پوچھا۔ ''آپ کو خوشی نہیں ہوئی۔''

''آنسو پونچھ کر کچن میں جاؤ۔''

امی میری بات کا جواب دینے کے بجائے ٹوک کر الماری کھول کر کھڑی ہو گئیں تو میں دوپٹے سے چہرہ صاف کرتے ہوئے ان کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

پھر رات میں سب کاموں سے فارغ ہو کر جب میں معمول کے مطابق تائی جی کے کمرے میں حاضری دینے گئی تو پہلی بار میں نے خود سے بیلا کا ذکر چھیڑ دیا۔

''تائی جی! کبھی کبھی مجھے خیال آتا ہے پتا نہیں بیلا کہاں ہو گی؟'' میں نے کہا تو تائی زہرخند شروع ہو گئی تھیں۔

''رل رہی ہو گی کہیں۔ ارے ایسی لڑکیوں کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔ جس کے لئے گھر چھوڑ کر گئی تھی، اس نے بھی دھتکار دیا ہو گا۔ غیرت والی تو تھی نہیں جو کہیں ڈوب مرتی۔ پتا نہیں کہاں کہاں منہ کالا کر رہی ہو گی۔''

''میں بھی یہی سوچتی ہوں۔'' میں نے دل ہی دل میں ہنستے ہوئے کہا۔

''اچھا ہوا، دفعان ہوئی۔ یہاں رہتی تو تمہیں اور شینی کو بھی خراب کرتی۔''

''ارے ہاں تائی جی! وہ شینی جاب کے لئے کہہ رہی تھی۔''

میں نے موضوع بدل دیا اور پھر کچھ اِدھر اُدھر باتوں کے بعد ان کے پاس سے اٹھ آئی تھی۔

☆

اگلے دن میں وقت سے بہت پہلے آفس پہنچ گئی کیونکہ مجھے بیلا کے پاس جانے کی جلدی تھی۔ کل اس کے ساتھ یہی طے ہوا تھا کہ حماد بھائی مجھے ڈرائیور کے ساتھ گھر بھجوا دیں گے، لیکن یہ میں بھول ہی گئی کہ حماد بھائی دس بجے آفس آتے تھے اور ان کے آنے تک میں نے سوچا کچھ کام ہی کر لوں، لیکن اسی وقت احسن آ گیا اور میرے سامنے بیٹھ کر بہت چبھتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' میں نے کچھ دیر نظر انداز کرنے کے بعد آخر ٹوک دیا تو وہ مزید پیشانی پر شکنیں ڈال کر بولا۔

''تم بتاؤ۔''

''کیا بتاؤں؟'' میں نے سکون سے اسے دیکھا تھا۔

''کل کہاں گئی تھیں؟'' اس کا لہجہ بھی چبھتا ہوا تھا۔

''باس کے گھر۔'' میں ہنوز پرسکون تھی

''کیوں......؟''

''کچھ کام تھا۔''

''تمہیں؟''

''نہیں انہیں۔''

''کیا کام؟'' وہ اب مشکوک ہو گیا تھا، جس پر میں سلگ گئی۔

''تم ایسے سوال کیوں کر رہے ہو؟''

''میری بات کا جواب دو۔''

''نہیں دے رہی۔'' میں نے چڑ کر کہا تو وہ طنز سے بولا۔

''تمہارے پاس جواب ہی نہیں ہے۔''

''میرے پاس جواب ہے یا نہیں۔ تمہیں میں مزید اطلاع دے رہی ہوں کہ ابھی میں

پھر باس کے گھر جاؤں گی۔"

میں نے چبا چبا کر کہا تو اس نے فوراً ہونٹ بھینچ کر غالباً خود کو کیوں کہنے سے روکا تھا۔

پھر اسی طرح اٹھ کر جانے لگا کہ اسی وقت حماد بھائی دروازہ کھول کر بولے تھے۔

"ہیلو جیہ! تم تیار ہو۔"

"جی......" میں کھڑی ہوگئی۔

"جاؤ۔ میں نے ڈرائیور سے کہہ دیا ہے۔"

وہ کہہ کر چلے گئے تو میں نے یونہی دراز کھول لی اور اس میں ہاتھ مارتے ہوئے انتظار کرنے لگی کہ احسن کچھ کہے گا، لیکن وہ کچھ بولا نہ ہی وہاں سے گیا جس سے مجھے الجھن ہونے لگی تھی۔ ناچار بیگ اٹھا کر اس کے سامنے ہی باہر نکل آئی تو مزید مجھ پر جھنجھلاہٹ بھی سوار ہوگئی تھی۔

بیلا شدت سے میری منتظر تھی۔ چھوٹتے ہی پوچھنے لگی۔

"ہاں......" میں اسے مایوس نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے جھوٹ بول کر فوراً سعد کو اٹھا لیا تو وہ میرا دوپٹہ کھینچ کر بولی۔

"ادھر میرے پاس بیٹھو ناں اور مجھے بتاؤ، میرا سن کر امی کی کیا کیفیت ہوئی؟"

"رونے لگیں خوشی سے۔" میں آرام سے بیٹھ کر بتانے لگی۔ "پھر تم سے ملنے کو بے چین ہوگئیں، لیکن بے چاری مجبور ہیں۔ تم جانتی ہو ابا کو اور ان ہی کے ڈر سے وہ تمہارا نام بھی نہیں لیتیں۔ لیکن پھر بھی کہہ رہی تھیں کہ کبھی موقع ملا تو تمہارے پاس ضرور آئیں گی۔"

"ایمان سے میرا بھی بہت دل چاہتا ہے۔" بیلا نے کہا تو مجھے غصہ آ گیا۔

"کیا دل چاہتا ہے۔ چار سالوں میں کبھی فون تو کیا نہیں اور دل چاہتا ہے۔"

"فون نہیں کروں گی۔" اس نے ابھی بھی منع کیا۔

"کیوں......؟"

"کیونکہ میں نے قسم کھائی تھی کہ میں خود سے کوئی رابطہ نہیں کروں گی، جب تک ابا کو خود احساس نہیں ہوگا اور وہ میرے پاس آئیں گے، میں اس گھر سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا۔"

"یہ تو تم بھول جاؤ کہ ابا کو کبھی احساس ہوگا، اگر ہونا ہوتا تو جب تم نے گھر چھوڑا تھا، اسی وقت ہو جاتا اور پھر وہ میرے معاملے میں بھی نرم پڑ جاتے لیکن وہ ابھی بھی ویسے ہی ہیں۔"

میں نے کہا تو وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ "میں بھی ان ہی کی بیٹی ہوں۔ میں ان کی

مرضی پر سر جھکا دیتی اگر یہ واقعی ان کی مرضی ہوتی لیکن وہ تو تائی جی کی زبان بولتے ہیں۔ اس وقت بھی انہوں نے حماد کو ناپسند نہیں کیا تھا بلکہ تائی جی کے کہنے پر منع کیا تھا۔ البتہ امی کا خیال آتا ہے لیکن پھر میں سوچتی ہوں کہ اگر میں ان کی خاطر اس وقت عدنان سے شادی کر لیتی تب امی اور دکھی ہوتیں۔ اب کم از کم انہیں یہ اطمینان تو مل جائے گا کہ میں خوش ہوں۔ ہے ناں۔"

وہ آخر میں میرا ہاتھ ہلا کر مسکرائی تھی، پھر پوچھنے لگی۔

"عدنان کی شادی ہوگئی؟"

"نہیں۔ وہ یہاں نہیں ہوتے۔ دو سال پہلے کویت چلے گئے تھے۔ اب سن رہی ہوں، آنے والے ہیں اور شاید اب تائی جی ان کی شادی کر دیں۔"

میں نے بتایا تو وہ فوراً پوچھنے لگی۔

"تمہارے ساتھ کرنے کا تو نہیں سوچ رہیں؟"

"اللہ نہ کرے جو انہیں کبھی یہ خیال آئے۔" میں نے دہل کر کہا تو وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

"اور اگر آ گیا تو کیا کرو گی۔"

"پتا نہیں۔" میں اچانک آزردگی میں گھر گئی تھی۔

"تمہیں کوئی اور پسند ہے کیا؟" وہ اب نرمی سے پوچھ رہی تھی جب ہی میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تو وہ میرا ہاتھ دبا کر مسکرائی۔

"تمہارے آنسو بتا رہے ہیں، کوئی ہے۔ کون ہے؟"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا وہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہوگئی۔ جب میں نے آنسو صاف کر لئے تب اصرار سے پوچھنے لگی۔

"بتاؤ ناں۔ کون ہے؟"

"احسن۔" میں نظریں جھکائے بتانے لگی۔ "حماد بھائی کے آفس ہی میں ہوتا ہے۔ ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ وہ اپنی اماں کو بھی بھیج چکا ہے، لیکن ادھر ابا نے ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا بلکہ تائی جی ہی فیصلہ کریں گی۔"

"جو تمہارے حق میں نہیں ہو سکتا۔" بیلا نے فوراً کہا پھر قدرے توقف سے پوچھنے لگی۔

"یہ بتاؤ، تم نے کیا سوچا ہے۔"

"کچھ نہیں۔ میں کچھ نہیں سوچ سکتی۔" میں نے بے بسی سے کہا تو وہ ڈانٹنے لگی۔

''پاگل مت بنو۔ جب پتا ہے کہ تائی جی تمہارا بھلا نہیں چاہتیں تو پھر تمہیں خود سوچنا ہے۔مظلوم بن کر سر جھکا دینے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا،تمہاری اپنی زندگی خراب ہوگی۔ سمجھیں۔''

''بس خاموش رہو۔ جب میں نے ہر قسم کے حالات سے سمجھوتا کرنے کا سوچ لیا ہے تو تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے ناراضی سے کہا تو اس نے گہری سانس کی صورت مجھ پر تاسف کا اظہار کیا تھا۔

☆

چھٹی کا دن تھا۔ ناشتے کے بعد ابا تائی جی کے پورشن میں چلے گئے تب امی میرے پاس آکر بیلا کے بارے میں پوچھنے لگیں۔ میں نے انہیں وہی پہلی ملاقات کا احوال تفصیل سے سنا دیا۔ البتہ یہ نہیں بتایا کہ میں اس کے گھر گئی تھی اور نہ یہ کہ میں حماد بھائی کے آفس میں کام کرتی ہوں۔ اس کے برعکس سرراہ ملاقات ظاہر کی اور زیادہ اس بات پر زور دیا کہ وہ اپنی زندگی میں بہت خوش اور مطمئن ہے۔جس سے ظاہر ہے امی کو مطمئن ہی ہونا تھا اور کتنی بار ان کے منہ سے شکر کے الفاظ نکلے تھے۔اس کے بعد میری فکر کرتے ہوئے کہنے لگیں۔

''پتا نہیں تمہارے باپ نے تمہارے بارے میں کیا سوچا ہے۔کل بھی احسن کی اماں آئی تھیں۔ کچھ دیر میرے پاس بیٹھیں پھر تمہاری تائی جی کے پاس چلی گئیں۔''

''تائی جی کے پاس؟'' میں پریشان ہوگئی اور گو کہ میں طے کر چکی تھی کہ اس معاملے میں کچھ نہیں بولوں گی لیکن امی نے بات ہی ایسی کی تھی کہ مجھے کہنا پڑا۔

''آپ نے کیوں جانے دیا انہیں؟''

''خود ہی کہہ رہی تھیں کہ آپ کے میاں اگر اپنی بھاوج کی بات مانتے ہیں تو میں ان ہی کے سامنے دامن پھیلا لیتی ہوں۔'' امی نے کہا تو میں نے الجھ کر پوچھا۔

''انہیں کس نے بتایا کہ ابا بھاوج کی بات مانتے ہیں۔''

''خود تمہارے ابا نے اس روز کہا تھا کہ وہ بھاوج سے مشورہ کر کے جواب دیں گے۔ جب ہی کل وہ ادھر ہی چلی گئیں۔اب وہاں پتا نہیں کیا باتیں ہوئیں۔''

امی تشویش سے بولیں تو مجھے انہیں تسلی دینی پڑی۔

''آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔ جو قسمت میں لکھا ہوگا وہی ہوگا۔''

''پتا نہیں قسمت میں کیا لکھا ہے۔'' امی نے گہری آہ کھینچی پھر اٹھتے ہوئے بولیں۔

''تم تو آج کپڑے بدلو گی۔ میں کھانا بنا لیتی ہوں۔''

''آپ رہنے دیں میں کرلوں گی سب۔''

میں بھی سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی، لیکن کسی طرح خود کو یہ کہہ کر نہیں بہلا سکی کہ جو قسمت میں ہوگا، وہی ہوگا۔ اس کے برعکس یہ خیال زور آور تھا کہ تائی جی نے ضرور میرے بارے میں کچھ الٹا سیدھا کہا ہوگا اور یہ تو کل احسن ہی سے معلوم ہوسکتا تھا اور کل کوئی بہت دور نہیں تھی، لیکن وقت بھی جیسے ٹھہر سا گیا تھا۔

میں سارے کاموں سے فارغ ہوگئی۔ یہاں تک کہ اگلے دن کے کپڑے بھی استری کر لئے لیکن سورج کا سفر تمام نہیں ہو رہا تھا۔ عجیب سی بے کلی جس میں پریشانی بھی شامل تھی اور اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میں جو اتنے آرام سے احسن سے کہہ دیتی ہوں کہ میرے والدین جو فیصلہ کریں گے، مجھے اسی پر سر جھکانا ہے تو یہ کتنا مشکل ہے۔

اس وقت میرا دل بھی یہی چاہ رہا تھا کہ میں بیلا کی طرح ابا کے مقابل جا کھڑی ہوں اور گو کہ مجھ میں اتنا حوصلہ تھا لیکن امی کو چھوڑ کر خوش نہیں رہ سکتی تھی۔

شاید میرے اندر بیلا کی طرح کا یقین نہیں تھا۔ اس کے برعکس ہزار ہا اندیشے تھے۔

کچھ دیر کے لئے میں امی سے نظریں چرا کر سوچتی رہی۔

''ہوگا کیا۔ میں سیدھی احسن کے پاس چلی جاؤں گی اور ہم شادی کر کے ہنسی خوشی رہنے لگیں گے۔''

''ہنسی خوشی .....'' میرا دل ڈوبنے لگا تھا جس سے میں مزید خائف ہوگئی۔ حالانکہ مجھے جتنا اپنے جذبوں پر یقین تھا، اسی قدر احسن کی محبت پر لیکن میں، میں صرف سوچ سکتی تھی عمل کرنا میرے اختیار میں نہیں تھا کیونکہ میں زیادہ دیر امی کی طرف سے نظریں نہیں چرا سکتی تھی۔ اس لئے اس رات میں بس یہی دعا کرتی رہی کہ اللہ تائی جی کے دل میں ہمارے لئے رحم ڈال دے۔ لیکن تائی جی کے دل پر تو گویا مہر لگ چکی تھی جو انہوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ ..... ان کی بیٹی بھی موجود ہے اور میرے بارے میں حسن کی اماں سے جانے کیا کچھ کہہ ڈالا کہ اگلے روز وہ مجھ سے بہت متنفر اور اکھڑا اکھڑا سا تھا۔

ایک دو بار میں نے اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی، لیکن جس طرح اس نے [illegible] سے دیکھا اس سے پہلے مجھے غصہ آیا پھر دکھ [illegible] بات کا تھا کہ جو کچھ تائی جی [illegible] اس نے یقین کر لیا تھا۔ مجھ سے پوچھنے کی ضرورت ہی [illegible]۔ تبھی کہ آیا سچ کیا ہے اور اس بات نے مجھے اتنا دلبرداشتہ کیا کہ میں اسی وقت جاب چھوڑنے کا سوچ کر حماد بھائی کے پاس چلی آئی۔

''میں گھر جارہی ہوں۔'' میں نے کہا تو وہ گھڑی دیکھ کر بولے۔

''بس ابھی ڈرائیور آنے والا ہے۔''

''میں اپنے گھر جانے کی بات کررہی ہوں اور آئندہ یہاں کبھی نہیں آؤں گی۔'' میں نے زور دے کر کہا تو وہ چونک کر دیکھنے لگے۔

''خیریت......؟''

''بس میں جاب چھوڑ رہی ہوں۔''

''بیٹھ جاؤ اور آرام سے بتاؤ کیا ہوا ہے۔''

وہ اپنا کام چھوڑ کر یوں بیٹھ گئے جیسے میری پوری داستان سننے کو تیار ہوں اور مجھے کچھ نہیں سنانا تھا، جب ہی روٹھے لہجے میں بولی۔

''میرا یہاں سے دل اچاٹ ہوگیا ہے۔''

''اچھا۔ ابھی تو تم بیلا کے پاس جاؤ، اس کے بعد جب تمہارا دل چاہے آجانا۔'' انہوں نے کہہ کر بیل کا بٹن دبایا اور پیئن کے آنے پر پوچھنے لگے۔

''گاڑی آگئی؟''

''جی سر!'' انہوں نے پیئن کا جواب سن کر اسے جانے کا اشارہ کیا پھر مجھ سے بولے۔

''جاؤ، بیلا تمہارا انتظار کررہی ہوگی اور ہاں اسے بتا دینا کہ تم جاب چھوڑ رہی ہو۔ ساتھ وجہ بھی بتانا۔''

''کوئی وجہ نہیں ہے۔'' میں کہہ کر ان کے کمرے سے نکل آئی اور بیگ لینے کے لئے اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو وہاں احسن کو دیکھ کر اب میری پیشانی پر بل پڑ گئے، لیکن میں کچھ بولی نہیں خاموشی سے اپنا بیگ لے کر واپس پلٹی تھی کہ وہ میرے سامنے آگیا۔

''کہاں جارہی ہو؟''

''تمہیں کیا، میں کہیں بھی جاؤں۔'' میں نے تڑخ کر کہا تو وہ طنز سے بولا۔

''بہت اونچا اڑنے لگی ہو۔''

''میری پرواز ہمیشہ سے ایسی ہے۔'' میں نے کہہ کر قدم آگے بڑھایا تو وہ فوراً دروازہ بند کرکے اس کے ساتھ لگ کر کھڑا ہوگیا اور بہت چبھتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

''تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ یہ آفس ہے۔'' میں نے جھنجلا کر کہا تو وہ جتا کر بولا۔

''تم بھی تو بھول جاتی ہو کہ گھر سے آفس آئی تھیں پھر یہاں سے کہیں اور جانے کا

مطلب۔ کیا تمہارے گھر والوں کو معلوم ہے۔''

''ہاں!'' میں نظریں چرا گئی۔

''جھوٹ بولتی ہو تم اور تم نے مجھ سے بھی جھوٹ بولا کہ تم اپنے والد کی واحد ذمہ داری ہو، جبکہ تمہاری بہن......'' وہ جانے کیا کہتا کہ میں بول پڑی۔

''میری بہن کی شادی ہوچکی ہے۔''

''ایک اور جھوٹ۔'' اس نے کہا تو میں غصے سے بولی۔

''ہاں۔ میری ہر بات جھوٹ ہے، یہ بھی کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ سب جھوٹ تھا۔ سب جھوٹ ہے۔''

''اور سچ کیا ہے؟''

''وہی جو تم جان گئے ہو اور اب پلیز میرے سامنے سے ہٹ جاؤ ورنہ......'' وہ میری دھمکی سے پہلے ہی ایک طرف ہٹ گیا تو میں فوراً دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی اور اب میرا بیلا کے پاس جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ کوئی مجبوری تھی نہیں تھی پھر بھی پتا نہیں کیوں میں اس کے پاس آگئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' بیلا نے میری شکل دیکھتے ہی ٹوکا۔ ''کسی سے لڑ کر آرہی ہو۔''

''ہاں اور اب میں تم سے لڑوں گی۔ تم بہت بری ہو بیلا۔''

میں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی تو وہ مجھے گلے لگانے کو آگے بڑھی لیکن میں نے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے۔

''تم میری بہن نہیں ہو۔ تم انتہائی خودغرض ہو۔'' گھر سے نکلتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچا کہ تمہاری غلطی کی سزا مجھے بھگتنی پڑے گی۔

''کیا ہوا۔ تائی جی نے احسن کو ریجیکٹ کردیا۔''

''بیلا نے سمجھ کر کہا۔''

''وہ ریجیکٹ نہیں کرتیں، مجھے ریجیکٹ کرواتی ہیں۔ تمہاری داستان سنا کر اور اس سے پہلے مجھے افسوس نہیں ہوتا تھا لیکن احسن......'' میں پھر رو پڑی تو وہ افسوس سے بولی۔

''چہ چہ۔ اس شخص کے لئے رو رہی ہو جس کی محبت پانی کے بلبلے جیسی تھی۔'' پھر مجھے کھینچ کر اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے کہنے لگی۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ تم خود احسن کو سارے حالات بتا دو۔ لیکن تم نے میری بات

نہیں مانی۔ اب دیکھو تائی جی پتا نہیں کس انداز سے اور کیا کیا کہا ہے کہ اس نے تمہیں ریجیکٹ کر دیا اور افسوس تو ایا پر ہے جو ابھی بھی نہیں سمجھ رہے۔ خیر چھوڑو، یہ بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں۔ اگر کہو تو میں احسن سے بات کروں۔"

"نہیں۔" میں نے فوراً منع کیا۔ "اگر تم نے ایسی کوئی کوشش کی تو پھر ساری زندگی میری صورت کو ترستی رہو گی۔"

"کیوں منع کر رہی ہو؟"

"بس کر رہی ہوں۔" میری ضد پر وہ کندھے اچکا کر بولی۔

"تمہاری مرضی۔" پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "چلو جا کر منہ ہاتھ دھوؤ میں کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔"

"سعد کہاں ہے......؟" مجھے واش روم کی طرف جاتے ہوئے اچانک سعد کا خیال آیا تھا۔

"اسے حنا اپنے ساتھ لے گئی ہے۔"

"یہ حنا کون ہے؟"

"پڑوس میں رہتی ہے۔"

"اچھا، تم سعد کو لے آؤ۔" میں کہہ کر واش روم میں بند ہو گئی۔

پھر سارا دن وقفے وقفے سے بیلا مجھے منانے کی کوشش کرتی رہی کہ میں اسے احسن سے بات کرنے دوں لیکن مجھے بھی ضد ہو گئی تھی۔ میں اپنی اس بات پر اڑی رہی تو آخر وہ مایوس ہو کر بولی تھی۔

"چلو جانے دو اسے۔ اب میں تمہارے لئے اچھا سا لڑکا دیکھوں گی۔"

☆

کل میں حماد بھائی سے کہہ کر آئی تھی کہ میں جاب چھوڑ رہی ہوں اور ابھی میرا آفس جانے کو دل بھی نہیں چاہ رہا تھا، اس لئے میں دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن نیند آ کے نہیں دی۔ تب میں جھنجھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی گو کہ آٹھ بج چکے تھے پھر بھی میں تیار ہو گئی۔ اس کے بعد آرام سے ناشتہ کیا کیونکہ اب دیر ہونے پر سرزنش کا ڈر نہیں تھا۔ اس لئے میں اطمینان سے نو بجے گھر سے نکلی تھی اور جب آفس پہنچی تو پہلے حماد بھائی کے کمرے میں جھانک کر انہیں سلام کیا تو وہ تحکم سے بولے۔

"اندر آؤ۔"

"جی!" میں ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی تو ڈانٹ کر بولے۔

"یہ تمہارے آنے کا وقت ہے۔ دس بج رہے ہیں۔"

"سوری، میں تو آنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ پھر خیال آیا گھر بیٹھ کر کیا کروں گی۔" میں نے کہا تو وہ تاسف سے بولے۔

"تو تم گھر کے کاموں سے بچنے کے لئے جاب کرتی ہو۔"

"جی نہیں۔ میں کام چور نہیں ہوں۔ یہاں سے جا کر کھانا پکاتی ہوں۔"

"ماشاء اللہ اب ذرا یہاں کے کام بھی دیکھ لو۔ وہ کیا نام ہے ان کا۔ مسٹر احسن کتنی دیر سے پریشان ہو رہے ہیں۔" انہوں نے کہا تو میں نے ٹھٹک کر پوچھا۔

"کیوں؟"

"ان کی فائل غالباً تمہارے پاس ہے اور ہاں مجھے کاٹن فیبرکس کے لئے جلدی کچھ اچھے ڈیزائن تیار کر کے دو۔"

میں ان کا حکم سن کر اپنے روم میں آ گئی اور پہلے احسن کی فائل تلاش کر کے سامنے ٹیبل پر رکھی تا کہ آئے تو اسے دیکھتے ہی لے کر چلتا بنے کیونکہ کل کی تلخ کلامی کے بعد اب میں اس سے بالکل بھی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ یوں بھی فیصلہ ہو چکا تھا اور میں اس سے پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ میں کوئی احتجاج نہیں کروں گی اور اب تو شاید وہ مجھے اکسائے گا بھی نہیں کیونکہ تائی جی نے بیلا کے بارے میں بتا کر اسے بھی متنفر کر دیا تھا اور مجھے دکھ اسی بات کا تھا کہ محبت کے پہلے امتحان میں ہی وہ ناکام ہو گیا تھا۔ بہرحال کچھ دیر بعد وہ آ گیا اور پہلی نظر میں اپنی فائل دیکھ کر اٹھا بھی لی لیکن پھر جانے کیا ہوا کہ جاتے جاتے پلٹ آیا تھا۔

"سنو۔ میں اپنے کل کے رویے پر تم سے معافی مانگتا ہوں۔"

اس نے میرے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا تو میں بہت خاموش نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"آئی ایم سوری۔ مجھے تم سے اس طرح بات کرنے کا کوئی حق نہیں تھا اور نہ ہی میں تمہارے کسی عمل پر تمہیں سرزنش کرنے کا حق رکھتا ہوں۔"

میں ابھی بھی خاموش رہی یوں بھی اس نے کوئی جواب طلب بات نہیں کی تھی۔ وہ شاید مجھے بلوانا چاہتا تھا جب ہی قدرے رک کر پوچھنے لگا۔

"تم ناراض ہو؟"

''میں نے نفی میں سر ہلا دیا تو وہ قصداً ذرا سا مسکرایا پھر کہنے لگا۔''

''تمہیں کسی بات کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ میں نے تم سے پوچھا کہ تمہارے والدین نے میرے بارے میں کیا سوچا۔ تم نے لاعلمی کا اظہار کر دیا اور وجہ یہ بتائی کہ تمہیں کیونکہ ہر حال میں اپنے والدین کے فیصلے پر سر جھکانا ہے اس لئے تم جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتیں۔''

''یہی سچ ہے۔'' وہ ابھی کچھ اور بھی کہتا لیکن میں بے اختیار بول پڑی تھی۔

''نہیں یہ سچ نہیں ہے۔ سچ یہ ہے کہ تمہارے والدین کے پاس فیصلے کا اختیار ہی نہیں ہے بلکہ فیصلہ ایک بالکل اجنبی شخص کو کرنا ہوتا ہے۔'' اس نے یقین سے کہا تو میں نے ناگواری سے ٹوکا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟''

''تم بہت اچھی طرح جانتی ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ مزید سن لو کہ تمہاری تائی جی نے تمہارے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار ہماری طرف منتقل کر دیا ہے۔ اب بتاؤ کیا چاہتی ہو تم......؟''

''اس نے بات ختم کر کے بڑے آرام سے دونوں بازو سینے پر لپیٹ لئے تھے، یوں جیسے بڑا سخی ہو اور بھیک میں مجھے میری اوقات سے زیادہ نوازنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ یہی میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ مجھے دھتکارے یا مجھ پر احسان کرے پھر بقیہ زندگی جتاتا بھی رہے اور یہ تو بعد کی بات تھی جبکہ وہ ابھی مجھے ہرٹ کر رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اسے کیا جواب دوں تو پوچھ لیا۔''

''تائی جی نے تمہاری اماں سے کیا کہا ہے؟''

''انہیں چھوڑو، وہ جو بھی کہیں مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ میں تمہاری مرضی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے خاصی بے نیازی دکھا کر کہا۔

''میری مرضی......'' میں بلا ارادہ اسے دیکھے گئی۔

''ہاں۔ جلدی بتاؤ۔'' اس نے ٹیبل پر بازو رکھ کر میری آنکھوں میں جھانکا تو میں چونک کر بولی۔

''سوری۔ میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ میرا مطلب ہے سوچ کر بتاؤں گی۔''

''تمہیں کیا سوچنا ہے۔ بس یہ بتا دو۔ شادی کب طے کروں؟'' اس نے کہا تو میں قصداً مسکرا کر بولی۔

''میں ہامی بھروں گی تو طے کرو گے نا؟''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ اچھلا تھا اور میں یک لخت پرسکون ہو گئی۔

''دیکھو احسن! جب تک معاملہ میرے اور تمہارے والدین کے درمیان تھا، میں خاموش تھی اور میں خاموش ہی رہتی اگر جو بات ان کے درمیان طے ہوتی یا اگر تمہارے پاس اختیار آ ہی گیا تھا تو تم میری مرضی نہ معلوم کرتے۔ اب تو تمہیں انتظار کرنا پڑے گا، میں ہر پہلو سے سوچنے کے بعد ہی تمہیں اپنی مرضی بتاؤں گی۔''

''ٹھیک ہے سوچ لو۔ میں تمہیں ایک ہفتہ دے رہا ہوں۔''

''وہ سٹپٹا کر بولا تھا۔ پھر غالباً اس کا مقصد مجھے یہ باور کرانا تھا کہ میرے پاس ہامی بھرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں جو کہنے لگا۔''

''ویسے تمہاری بہن نے اچھا نہیں کیا۔ وہ اگر کسی کو پسند کرتی تھی تو اس سے شادی کرنے کے لئے ماں باپ کو فورس کرتی۔ گھر سے بھاگنا تو عقل مندی نہیں ہے۔''

''معاف کرنا احسن! میری بہن گھر سے بھاگی نہیں تھی، بتا کر گئی تھی۔ بہرحال یہ اس کا معاملہ ہے۔'' تمہیں اس پر تبصرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

''میں نے سہولت سے ٹوکا تو وہ کندھا اچکا کر بولا۔''

''ہاں واقعی۔ مجھے اس پر تبصرہ نہیں کرنا چاہئے لیکن میں تمہیں تو سمجھا سکتا ہوں۔''

''مجھے کیا سمجھاؤ گے؟'' میں کسی طرح اپنی ناگواری چھپا نہیں سکی۔

''تم بہت جلدی برا مان جاتی ہو۔'' اس نے ہنس کر کہا تو میں بمشکل ضبط سے بولی۔

''نہیں سمجھاؤ۔ کیا سمجھانا چاہتے ہو۔''

''میں تمہیں باس کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ پتا نہیں انہوں نے اپنی بیوی کے متعلق تم سے کیا کہا ہے جبکہ سچ یہ ہے کہ ان کی بیوی موجود ہے۔ تم کسی دھوکے میں نہ آنا میرا مطلب ہے۔

''میں تمہارا مطلب سمجھ گئی ہوں۔''

''ہاں۔ ویسے تم خود سمجھدار ہو۔'' وہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم غالباً یہ فائل لینے آئے تھے۔'' میں نے فائل اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دی۔

''اوہ ہاں۔ تھینک یو۔'' وہ فائل لے کر چلا گیا تو میں فوراً سر جھٹک کر کام میں مصروف ہو گئی۔ کیونکہ میں اس کی کسی بات کو سوچنا نہیں چاہتی تھی اور واقعی حیرت انگیز طور پر میں نے اس

وقت بہت خوبصورت ڈیزائن تیار کر لئے تھے پھر انہیں لے کر حماد بھائی کے پاس گئی تو وہ فون پر بیلا سے بات کر رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی اس سے بولے۔

’’لو جیہ آ گئی۔ تم خود اس سے بات کر لو۔‘‘ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ریسیور مجھے تھما دیا۔

’’السلام علیکم۔‘‘ میں نے سلام کیا تو بیلا خوش ہو کر بولی۔

’’جیتی رہو، جیتی رہو۔‘‘

’’ہاں جی رہی ہوں، تمہاری دعا ہے۔ اب آگے بولو کیا بات ہے۔‘‘

’’اصل بات تو جب تم یہاں آؤ گی تب بتاؤں گی اور تمہیں چار بجے آنا ہے۔‘‘ اس نے کہا تو میں نے صاف منع کر دیا۔

’’میں روز روز نہیں آ سکتی۔ ہفتے میں ایک دن مقرر کر لو۔‘‘

’’ٹھیک ہے، آج آؤ گی تو اس وقت مقرر کر لیں گے۔‘‘

’’نہیں۔ اب میں ایک ہفتے بعد ہی آؤں گی۔‘‘ یہ میری سند نہیں تھی بلکہ شدید ناراضی تھی کیونکہ اس کی وجہ سے احسن نے مجھے ہرٹ کرنے کی کوشش کی تھی۔

’’بکومت۔ میں حماد سے کہہ رہی ہوں۔ تمہیں ابھی بھجوا دیں۔‘‘

’’زبردستی ہے کیا۔ میں نہیں آ رہی۔‘‘ میں نے فون پٹخ دیا تو حماد بھائی حیرت سے مجھے دیکھنے لگے۔

’’کیا ہوا؟‘‘

’’سمجھا کے رکھیں اسے۔ مجھ پر رعب نہ جمایا کرے۔‘‘ میں ان پر بگڑ گئی تو وہ ہاتھ اٹھا کر بولے۔

’’آرام سے۔ باہر تک آواز گئی تو سب جمع ہو جائیں گے۔‘‘

’’میں جا رہی ہوں۔‘‘ میں روٹھے لہجے میں کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ پوچھنے لگے۔

’’بیلا کے پاس۔‘‘

’’نہیں۔ آپ بھی منع کر دیں اسے۔ یہاں کام کا حرج ہوتا ہے۔‘‘

’’اچھی بات ہے، تم جاؤ اپنی سیٹ پر۔‘‘

انہوں نے کہا تو میں ایسے ہی روٹھی ہوئی اپنے روم میں آ گئی اور کچھ دیر فائلوں کو ترتیب دینے میں لگی رہی پھر کمپیوٹر آن کر کے گیمز کا فولڈر کھول لیا لیکن میرا دھیان بار بار بیلا کی طرف

جا رہا تھا کہ اس نے کیا بات بتانے کے لئے مجھے چار بجے آنے کو کہا تھا۔ اب پتا نہیں واقعی کوئی بات تھی یا مجھے بلانے کا بہانا تھا۔ میں نے متجسس ہونے کے باوجود اس کے پاس جانے کا نہیں سوچا اور سیدھی گھر آ گئی تھی۔

☆

یونہی کتنے دن گزر گئے میں نے احسن سے کہا تھا کہ میں ہر پہلو سے سوچنے کے بعد ہی اسے اپنی مرضی بتاؤں گی اور واقعی میں نے بہت سوچا تھا پھر بھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکی تھی، جبکہ احسن شدت سے منتظر تھا۔ اس کی باتوں سے ہی لگ رہا تھا کہ میرے ہامی بھرتے ہی وہ اپنی اماں کو بھیج کر صرف بات ہی نہیں شادی بھی طے کروا دے گا۔ کاش وہ یہ اقدام میرے علم میں لائے بغیر کرتا تو میں اسے دیوتا مان کر اس کے سامنے سر جھکا دیتی لیکن مجھ پر جتا کر اس نے مجھے تو ہرٹ کیا ہی تھا، خود بھی میرے دل کی مسند سے اتر گیا تھا۔ پھر بھی میں اس کے بارے میں سوچ رہی تھی تو میرے پیش نظر میں امی کی پریشانیاں تھیں اور تائی جی کو ان کے مقصد میں ناکام کرنے کا خیال تھا۔ جو گزشتہ چار سالوں سے بیلا کی داستان سنا کر مجھے ریجیکٹ کروا رہی تھیں اور اب میں صرف ان پر جتانے کی خاطر ریجیکٹ نہیں ہونا چاہتی تھی لیکن میں اپنے دل کا کیا کرتی جو احسن کی رفاقت قبول کرنے پر تیار ہی نہیں ہو رہا تھا جبکہ احسن یوں اترایا پھر رہا تھا۔ جیسے میں منع کر ہی نہیں سکتی۔ اس وقت بھی وہ میرے پاس آیا تو اسی انداز میں پوچھنے لگا۔

’’ہاں بھئی! کیا سوچا ہے تم نے ......؟‘‘

’’ابھی تک تو کچھ نہیں۔‘‘ یہی تو میرا کمال تھا کہ میں اپنی اندرونی کیفیت ظاہر نہیں ہونے دیتی تھی۔

’’کیا مطلب؟ ایک سے دو ہفتے ہو چکے ہیں اور تم ابھی تک سوچ رہی ہو۔‘‘ اس نے تیز ہو کر کہا تو میں مزید چڑانے کو سکون سے بولی۔

’’ظاہر ہے۔ میری زندگی کا معاملہ ہے۔‘‘

’’ہاں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم سوچنے میں زندگی گزار دو۔‘‘ وہ میرے سکون سے ہمیشہ پریشان ہو جاتا تھا۔

’’نہیں۔ بس کچھ دن صبر کرو۔ میں اپنی بہن سے مشورہ کر لوں پھر تمہیں بتاؤں گی۔‘‘ میں نے کہا تو وہ ناگواری سے پوچھنے لگا۔

"تمہاری بہن۔ وہ کہاں ہے؟"

"یہیں اسی شہر میں۔" میں نے قصداً بے نیازی برتی۔

"تم اس سے ملتی ہو......؟" اس کی پیشانی پر مزید شکنوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔

"کیوں نہیں ملوں گی۔ میری بہن ہے اور میری سب سے زیادہ انڈرسٹینڈنگ اسی کے ساتھ ہے۔"

میں نے کہا تو وہ زچ ہو کر بولا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن وہ تمہیں کوئی اچھا مشورہ کیسے دے سکتی ہے میرا مطلب ہے جب اس نے گھر سے نکلتے ہوئے تمہارے بارے میں نہیں سوچا تھا کہ اس کی رسوائیوں کا خمیازہ تمہیں بھگتنا پڑے گا تو اب تم اس سے اچھی توقع کیوں رکھ رہی ہو۔"

"کیونکہ میں اسے حق بجانب سمجھتی ہوں۔ اس نے جو کیا ٹھیک کیا اور تمہیں اس سے بحث نہیں ہونی چاہئے۔ تم صرف اپنا سوچو۔" میں نے سنجیدگی سے ٹوکا تو وہ کرسی پر ڈھے گیا۔

"میں اپنا ہی سوچ رہا ہوں، لیکن تم پتا نہیں کیا سوچے بیٹھی ہو۔ پہلے ماں باپ کو اختیار تھا پھر تائی جی آ گئیں اور اب بہن ......اس کے بعد کس سے مشورہ کرو گی؟"

"تم سے......" میں مذاق میں کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی

"کہاں جا رہی ہو؟" اس نے فوراً پوچھا۔

"باس کے پاس پھر وہیں سے چلی جاؤں گی۔" میں نے بتایا تو اس نے پھر طنز کیا۔

"ان کے گھر۔"

"ہاں۔ اب کیوں کا سوال نہیں اٹھانا۔" میں نے کہا تو وہ ہنوز اسی انداز میں بولا۔

"نہیں۔ اب میں ایسا کوئی سوال نہیں اٹھاؤں گا جس کا تمہارے پاس جواب نہ ہو۔"

"ایسا کوئی سوال نہیں جس کا میرے پاس جواب نہ ہو۔ یہ اور بات کہ میں جواب دینا نہیں چاہتی۔ بہرحال تم اپنی غلط فہمی دور کر لو۔ باس کی بیوی بیلا، میری بہن ہے اور میں اسی کے پاس جا رہی ہوں۔"

میں اپنی بات ختم کرتے ہی کمرے سے نکل آئی کیونکہ میں اس کا ردعمل نہیں دیکھنا چاہتی۔

☆

"میں نے ساری صورت حال بتا کر بیلا کو دیکھا تو اس نے ایک لمحہ سوچنے کا توقف نہیں کیا اور فوراً بولی تھی۔"

"بس تم منع کر دو۔ کوئی ضرورت نہیں ایسے شخص سے شادی کرنے کی جو محبت میں بھی احسان کرنا چاہتا ہے۔ مزید ساری زندگی جتاتا بھی رہے گا۔"

"تمہاری بات ٹھیک ہے لیکن اس کے بعد بھی تو یہی ہو گا۔" میں نے مایوسی سے کہا تو وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی پھر پوچھنے لگی۔

"کیا تم واقعی احسن سے محبت کرتی ہو؟"

"محبت۔" میں دیکھ کے گویا ہوئی۔ "نہیں بیلا! محبت نہیں ہے بلکہ میں تمہیں بتاؤں جب وہ مجھے ہرٹ کر رہا تھا تو میرا دل چاہا میں اسے شوٹ کر دوں یا اس سے اتنی دور چلی جاؤں کہ وہ دوبارہ کبھی مجھے نظر نہ آئے۔ لیکن پھر مجھے امی کا خیال آتا ہے، وہ میرے لئے بہت پریشان ہیں اور چاہتی ہیں کہ میں جلدی اپنے گھر کی ہو جاؤں۔"

"ٹھیک ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم اپنی زندگی خراب کر لو۔"

"وہ تو ہونا ہی ہے۔ احسن نہ سہی کوئی اور، جو بھی آئے گا وہ ایسی ہی باتیں کرے گا۔"

میں اس وقت بہت دل برداشتہ ہو رہی تھی جس پر بیلا ڈانٹ کر بولی۔

"پاگل ہو تم۔ فضول میں احسن کی باتوں کو دل پر لے رہی ہو۔ دفع کرو اسے اور امی سے کہہ کر میرے پاس آ جاؤ۔ پھر دیکھنا کتنی اچھی جگہ تمہاری شادی ہوتی ہے۔"

"بس رہنے دو۔"

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ دیکھو اگر تم چاہتی ہو کہ کوئی تم پر احسان نہ کرے تو یہ اسی صورت ممکن ہے۔ کیونکہ یہاں تائی جی نہیں ہیں جو میری داستان سنا کر تمہیں رد کروائیں گی۔" بیلا مجھے سمجھا کر کہنے لگی۔ "تم نے گھر سے نکلنے کے بعد پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اس لئے تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ پیچھے امی پر کیا گزری۔ اپنے گھر میں مجرموں کی طرح رہتی ہیں۔"

"جب میں وہاں تھی وہ تب بھی ایسے ہی رہتی تھیں۔ تم خواہ مخواہ مجھے الزام نہ دو۔ انہیں شوق ہے جلنے کڑھنے کا اور تم بھی ان ہی پر گئی ہو۔ تائی جی کی خوشامد کر کے سمجھتی ہو تم نے جینے کا ڈھنگ سیکھ لیا۔ ہونہہ، میں ایسی زندگی پر لعنت بھیجتی ہوں۔"

"وہ الٹا مجھے لتاڑنے لگی تھی۔ جس پر میں غصے سے کچھ بولی تو نہیں لیکن اسی وقت اس کے گھر سے نکل آئی تھی اور کیونکہ یہ آفس سے آنے کا ٹائم نہیں تھا۔ اس لئے امی مجھے آتا دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔"

"کیا ہوا، اتنی جلدی کیسے آ گئیں؟"

''بس آفس میں کچھ کام نہیں تھا اس لئے آ گئی۔''

''میں نے سرسری انداز میں جواب دیا تو پوچھنے لگیں۔''

''کھانا کھاؤ گی؟''

''نہیں۔ ابھی بھوک نہیں ہے۔ آپ کیا کر رہی تھیں؟'' میں نے جواب کے ساتھ پوچھا۔

''بس ابھی نماز سے فارغ ہوئی ہوں۔ اس سے پہلے تمہاری تائی جی آئی تھیں۔''

انہوں نے بتایا تو میں حیران ہوئی۔

''تائی جی یہاں آئی تھیں......؟''

''کیسے؟''

''یہ میں نے نہیں پوچھا اور پوچھتی تو وہ کون سا بتا دیتیں۔ ویسے ان کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ لڑکی دیکھ چکی ہیں۔ جب ہی کہہ رہی تھیں اس کے آتے ہی شادی کر دیں گی۔''

''اچھا۔ مجھ سے ذکر نہیں کیا انہوں نے حالانکہ رات میں بہت دیر تک ان کے پاس بیٹھی تھی۔''

''میں نے رات تائی جی سے ہونے والی باتیں سوچتے ہوئے کہا۔ تو امی بھی حیرت سے بولیں۔''

''اور مجھے خاص طور سے بتا گئی ہیں۔''

''چلیں کہیں تو انہوں نے آپ کو کچھ سمجھا۔'' میں کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تو امی روک کر پوچھنے لگیں۔

''سنو۔ وہ احسن کی اماں نہیں آئیں؟''

''تائی جی کے پاس جانے کے بعد کون آتا ہے، آپ ان کا انتظار مت کریں۔'' میں نے بظاہر سیدھے سادھے انداز میں کہا تو امی آہ بھر کر بولیں۔

''پتا نہیں تمہارا باپ یہ بات کب سمجھے گا۔''

''شاید ان کے نہ سمجھنے میں ہماری بہتری ہو گی۔''

''میں کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔''

''اور اس رات میں جان بوجھ کر تائی جی کے پاس نہیں گئی۔ شہنی بلانے آئی تو بھی میں نے سر درد کا بہانا کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگلی صبح ابا نے مجھے آفس جانے سے منع کر دیا۔''

''بس۔ اب تمہیں نوکری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''ابا کا حتمی انداز تھا اور میں بیلا کی طرح کیوں کہنے کے بجائے واپس اپنے کمرے میں آ گئی اور کتنی دیر اپنے آپ میں کڑھتی رہی پھر ابا کے جاتے ہی امی کے پاس آ کر ان سے پوچھنے لگی۔''

''کیوں۔ کیوں۔ منع کیا ہے ابا نے آفس جانے سے؟''

''انہوں نے تمہاری شادی طے کر دی ہے۔'' امی نے بجائے خوشی کے دکھ سے کہا تو میں ٹھٹک گئی۔

''میری شادی!''

''ہاں۔ عدنان کے ساتھ۔'' گویا وہ یہ نہیں چاہتی تھیں اور چاہتی تو میں بھی نہیں تھی لیکن یہ ابا اور تائی جی کا فیصلہ تھا، جس پر امی تو کچھ بول ہی نہیں سکتی تھیں اور میری مجبوری امی تھیں پھر بھی میں نے کہنا چاہا۔

''اگر آپ نہیں چاہتیں تو میں......''

''بس خاموش ہو جاؤ......'' امی نے فوراً میرے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا پھر بے چاری میری سیدھی سادھی ماں مجھے تسلی دینے لگی۔

''عدنان برا نہیں ہے پھر تین سالوں سے باہر ہے کافی بدل گیا ہوگا۔ اللہ کرے شادی کر کے تمہیں بھی اپنے ساتھ لے کر یہاں سے چلا جائے۔ اچھا ہے دور رہو گی تو خوش رہو گی۔ بیلا بھی تو خوش ہے نا۔''

''میں نے چپ چاپ سر جھکا دیا۔ کیونکہ یہ تو اسی روز طے ہو گیا تھا جس روز بیلا یہاں سے گئی تھی اور میں اسے بتانے کے لئے ہی لابی میں آ کر اس کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ پھر مجھے کتنا انتظار کرنا پڑا۔ ادھر وہ پتا نہیں کیا کر رہی تھی۔ جب ریسیور اٹھایا تو اس کی آواز میں جھنجلاہٹ تھی۔''

''واش روم میں تھیں کیا......؟'' میں نے ٹوکا۔

''تو یہ تم ہو۔ کہاں......آفس سے بات کر رہی ہو۔''

''اس نے پوچھا۔''

''نہیں۔ آج سے میرا آفس جانا بند ہو گیا ہے تم حماد بھائی کو بتا دینا'' میں نے کہا تو وہ طنز سے بولی۔

''کیا بتاؤں حماد کو۔ تائی جی نے بند کروا دیا۔''

''نہیں ابا نے۔'' میں نے کہا تو وہ جل کر بولی۔

''ایک ہی بات ہے۔''

''اچھا خیر اور سنو۔ میری شادی ہو رہی ہے۔'' میں نے مزید اطلاع دی تو اس نے فوراً پوچھا۔

''احسن کے ساتھ۔''

''نہیں۔ عدنان کے ساتھ۔'' میرے سکون سے کہنے پر وہ بری طرح تلملا گئی۔

''مر کیوں نہیں جاتیں تم۔ بے غیرت۔ اسی لئے تائی جی کی خوشامد میں لگی ہوئی تھی تمہیں اگر ان کی بہو بننے کا اتنا شوق تھا تو درمیان میں یہ سارے چکر چلانے کی کیا ضرورت تھی اور میرے پاس کیا سوچ کر روتی ہوئی آئی تھیں۔''

''اب نہیں آؤں گی۔'' بہت ضبط کے باوجود میری آواز بھرا گئی۔ تو وہ مزید تپ کر بولی۔

''ساری زندگی ایسے ہی روتی رہو گی تم۔''

''دعا نہیں دے سکتیں تو بددعا کیوں دیتی ہو۔''

''میری بددعا سے نہیں اپنی حماقت سے روؤ گی۔''

''اس نے کہہ کر فون پٹخ دیا تھا۔ جس سے میں اور بددل ہو گئی کم از کم تسلی کے دو بول ہی کہہ دیتی۔ ایک تو میں اس کے کئے کی سزا بھگت رہی ہوں۔ دوسرے وہ الزام بھی میرے ہی سر رکھتی ہے۔''

''آئندہ میں اس سے کبھی کوئی تعلق نہیں رکھوں گی۔''

''میں نے سوچا اور ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتی ہوئی اپنے کمرے میں جانے لگی تھی کہ فون کی بیل پر واپس پلٹ کر ریسیور اٹھا لیا۔''

''ہیلو!''

''آج آفس کیوں نہیں آئیں۔'' دوسری طرف احسن نے چھوٹتے ہی پوچھا تو میں سنبھل کر بولی۔

''میری مرضی۔''

''ہاں ظاہر ہے تم پابند تھوڑی ہو۔ آؤ نہ آؤ۔'' اس نے کہا تو میں تائید کے ساتھ بولی۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو اور میں تمہیں بتا دوں کہ میں نے جاب چھوڑ دی ہے۔''

''اچھا کیا۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ تم۔''

دل سے اُس کا رشتہ
دل سے اُس کا رشتہ

''تمہارے چاہنے سے نہیں احسن۔'' میں نے ٹوکا تو وہ غالباً ٹھٹکا تھا۔

''پھر......؟''

''پھر یہ کہ میری شادی ہو رہی ہے میرے تایا زاد کے ساتھ۔'' میں نے بڑے آرام سے بتایا تھا۔

''ک۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟ دیکھو تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ میں آج ہی اماں کو بھیجتا ہوں۔ سنو، سن رہی ہو ناں؟'' وہ بوکھلاہٹ یا پریشانی میں بے ربط بولنے لگا تھا۔

''بس جتنا سنا چکے ہو وہی بہت ہے۔ مزید کچھ مت سناؤ۔'' میں نے ٹوک دیا۔

''نہیں، میں تمہیں یہ غلطی نہیں کرنے دوں گا۔ تم اپنی تائی جی کو نہیں جانتیں وہ بہت چالاک ہیں۔ انہوں نے تمہارے خلاف میری اماں کو ورغلانے کی بہت کوشش کی ہے۔ تم سوچ نہیں سکتیں کتنے گھناؤنے الزام لگائے ہیں انہوں نے تم پر، تمہاری بہن پر۔ میری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو پھر تمہاری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔''

''وہ بولے جا رہا تھا پھر میری طویل خاموشی محسوس کر کے چند لمحے رک کر پوچھنے لگا۔''

''سنو، کیا تمہارے ساتھ زبردستی کی جا رہی ہے؟''

''نہیں۔ یہ میرا اپنا فیصلہ ہے۔'' میں نے کہا تو وہ چیخ پڑا۔

''غلط کہہ رہی ہو۔ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔''

''نہیں احسن۔ اگر محبت ہوتی تو اس وقت تمہیں ہمیشہ کے لئے خدا حافظ کہتے ہوئے میرا دل ضرور روتا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ اس کے برعکس میں اپنے فیصلے پر اگر خوش نہیں تو ناخوش بھی نہیں ہوں اور تم پلیز اب مجھے فون مت کرنا۔ خدا حافظ۔''

''میں نے اسے مزید کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ فون رکھ کر اپنے کمرے میں آ گئی اور کتنی دیر اپنے دل کو ٹٹولتی رہی کہ شاید کوئی پچھتاوا، کوئی ملال...... لیکن اس وقت مجھے کچھ بھی محسوس نہیں ہوا اطمینان بھی نہیں تھا۔ بس ہلکا سا خوف جو شاید آنے والے دنوں کا تھا اور یہ تو ہونا ہی تھا۔''

☆

پھر اگلے روز ہی تائی جی نے 'قاعدہ مجھے پیلا جوڑا پہنا کر مایوں بٹھا دیا تو اس وقت میں نے دیکھا۔ امی خوش نظر آ رہی تھیں اور [illegible] یا چاہئے تھا ان ہی کی خاطر تو میں نے سر جھکایا تھا۔ وہ اگر خوش ہوتی تھیں تو مجھے بھی کوئی دکھ نہیں تھا۔ البتہ میں الجھ ضرور رہی تھی کہ تائی جی نے کیسے آناً فاناً سارے معاملات طے کر لئے تھے۔ یعنی پہلے تو انہوں نے کبھی ایسا ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا۔ پھر بقول

احسن انہوں نے مجھ پر گھناؤنے الزام بھی لگائے تھے پھر کیسے مجھے بہو بنانے پر تیار ہو گئیں۔

''یہ سب نصیب کی باتیں ہیں۔'' رات میں امی میرے پاس آ کر بیٹھیں تو کہنے لگیں۔

''ہم پتا نہیں کیا کچھ سوچتے ہیں لیکن نصیب کا لکھا ہی پورا ہوتا ہے تمہاری تائی جی نے تمہارے لئے سارے دروازے بند کئے، اپنا دروازہ بند نہیں کر سکیں۔''

''آپ خوش ہیں۔'' میں نے امی کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا جو اچانک تاریک ہو گیا تھا۔

''مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ تم اپنے گھر کی ہو جاؤ گی۔'' امی نظریں چرا کر بولیں پھر قدرے توقف سے اپنے آپ صفائی پیش کرنے لگیں۔

''کیا کروں کہیں بات بنتی ہی نہیں تھی۔ احسن کی اماں بھی جواب دے گئی تھیں اور اس کا تمہارے باپ کو بھی افسوس تھا۔ تب تمہاری تائی جی نے کہا۔ فکر کیوں کرتے ہو۔ رشتہ گھر میں موجود ہے۔ یوں دونوں میں بات طے ہو گئی۔ پرسوں عدنان آ رہا ہے اور اسی روز تمہاری مہندی رکھی ہے۔''

''مجھ میں اب امی کا چہرہ دیکھنے کا حوصلہ نہیں تھا جب ہی میں اپنے پیر کے انگوٹھے کا ناخن کھرچنے میں لگی رہی۔''

''تمہارا باپ بہت خوش ہے۔'' امی کہے جا رہی تھیں۔

''بار بار مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ بھابی کو ہمارا کتنا خیال ہے اور جیہ سے تو انہیں شروع سے بہت محبت ہے جب ہی تو جیہ کا دل بھی وہیں لگتا ہے۔ اب دیکھو عدنان تمہیں یہاں رکھے یا اپنے ساتھ لے جائے گا، اللہ کرے اپنے ساتھ لے جائے۔''

''مجھے نیند آ رہی ہے۔''

''میں ان کی باتوں سے اکتا کر بولی تو وہ فوراً کھڑی ہو گئیں شاید انہیں خدشہ تھا کہ کہیں مجھے بہلاتے بہلاتے وہ رو نہ پڑیں۔ اس لئے جیسے منتظر تھیں فوراً اٹھ کر چلی گئیں۔''

''اور میں اپنے ہاتھ کی لکیروں میں اپنا نصیب ڈھونڈتے ڈھونڈتے سو گئی تھی۔''

''اگلے دن صبح ہی سے گھر میں چہل پہل شروع ہو گئی تھی۔ سب سے زیادہ شہنی کی آواز تھی جو محلے کی لڑکیوں کو اکٹھا کر کے غالباً مہندی کی تقریب کا انتظام کر رہی تھی۔ میں اپنے کمرے میں بیٹھی مختلف آوازیں سنتی رہی۔ اس کے باوجود جانے کیوں مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ میرے لئے ہو رہا ہے۔ میرے تن پر سجا پیلا جوڑا اور ابٹن کی بھینی بھینی مہک بھی میرے احساسات کو نہیں جھنجھوڑ پا رہی تھی۔ اس کے برعکس یوں لگ رہا تھا جیسے میرے ساتھ کوئی مذاق ہو رہا ہو۔''

''یہ مذاق نہیں ہے۔ میرے نصیب کا لکھا پورا ہو رہا ہے۔'' میں نے خود کو یقین دلانے کی سعی کی تھی لیکن مجھے کامیابی نہیں ہوئی اور ہوتی بھی کیسے جب میرے نصیب میں یہ تھا ہی نہیں۔ میرے نصیب میں تو اس سے بھی بھیانک مذاق تھا۔ اگلے روز عین اس وقت جب میری ہتھیلیوں پر مہندی رنگ چھوڑ گئی تھی۔ عدنان برآمدے میں کھڑا چلا رہا تھا۔

''آپ نے یہ سوچا کیسے کہ میں جیہ کے ساتھ شادی کر لوں گا ہرگز نہیں۔ آپ کو مجھے بتانا چاہئے تھا اگر کوئی اور لڑکی نہیں مل رہی تھی تو میں آتا ہی نہ......''

''گھر کی بات ہو یا باہر کی۔ میں کوئی قربانی نہیں دے سکتا۔''

''بند کرواؤ یہ ڈھولک۔ یہاں کوئی شادی وادی نہیں ہو رہی۔ شہنی!''

''وہ غالباً اس کمرے میں گیا تھا جہاں ڈھولک بج رہی تھی اور مجھے نہیں معلوم۔ برآمدے میں کھڑے ابا اور امی کی کیا حالت تھی اور جانے تائی جی ان سے کیا کہتی ہوئی گئی تھیں۔ میں کچھ دیر بند دروازے کو دیکھتی رہی، پھر بہت آرام سے اٹھ کر الماری سے اپنا ایک سادہ سا سوٹ نکالا اور واش روم میں بند ہو گئی۔''

''دو دن سے گھر میں ڈھولک بج رہی تھی اور اب موت کا سناٹا تھا۔ میں کپڑے بدل کر واپس کمرے میں آئی تو یوں تھا جیسے برسوں سے یہاں کوئی آواز نہیں گونجی۔ پتا نہیں امی کہاں تھیں۔ میں کتنی دیر ان کا انتظار کرتی رہی۔ پھر مجھے بھوک ستانے لگی تو میں خود ہی کمرے سے نکل کر سیدھی کچن میں آ گئی اور ابھی روٹی کا برتن کھولا تھا کہ امی آ گئیں۔ غالباً انہوں نے مجھے ادھر آتے ہوئے دیکھا تھا جب ہی آ گئی تھیں۔''

''مجھے کھانے کا خیال ہی نہیں رہا تم جاؤ کمرے میں، میں وہیں لے کر آتی ہوں۔''

''امی مجھ سے نظریں چرا کر بول رہی تھیں۔ مجھے حقیقتاً ان پر بہت ترس آیا۔''

''آپ نے کھا لیا؟''

''نہیں۔''

''چلیں۔ میں لے کر آتی ہوں۔'' میں نے کہا تو جانے کیوں وہ گھبرا سی گئیں۔

''نہیں۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ ادھر تمہارے ابا......''

''ابا......!'' میں نے چونک کر دیکھا۔ ''کیا ہوا ابا کو......؟''

''کچھ نہیں۔ بس وہ روئے جا رہے ہیں۔''

''ابا رو رہے ہیں کیوں؟ میرے ساتھ تو ایک عرصے سے یہی ہو رہا ہے۔ وہ اب کیوں

رو رہے ہیں۔"

"میرے لہجے میں حیرت کے ساتھ طنز بھی سمٹ آیا تھا۔"

"اور وہ تائی جی کہاں ہیں۔ ان کے پاس جا کر رو دیں۔ وہ ایسے موقع پر تسلیاں دینے میں بہت ماہر ہو چکی ہیں۔"

"امی نے بس ایک نظر مجھے دیکھا پھر پلٹ کر جانے لگیں کہ میں نے روک لیا۔"

"سنیں امی! مجھے کوئی افسوس نہیں ہے بلکہ یوں لگ رہا ہے جیسے دل پر ایک بوجھ آن گرا تھا اس سے آزاد ہو گئی ہوں۔ ابا سے کہہ دیجئے میرے ساتھ اب تک جو ہوتا رہا وہ بے شک غلط تھا لیکن آج جو ہوا یہ بہت اچھا ہے۔ میں خوش ہوں کہ میرا نصیب اتنا برا نہیں ہے۔"

"آخر میں، میں قصداً مسکرائی پھر گھوم کر سالن گرم کرنے میں لگ گئی۔"

"امی اسی خاموشی سے چلی گئی تھیں۔ میں نے وہیں بیٹھ کر کھانا کھایا اس کے بعد چائے کا کپ لے کر اپنے کمرے میں آ گئی اور چائے پینے کے ساتھ ساتھ ادھر ادھر بکھری مہندی اور پھولوں کی پتیاں سمیٹتے ہوئے ان کی بھینی بھینی خوشبو اچانک میرے احساسات کو جھنجھوڑنے لگی تھی اور یہ واقعی حیرت کی بات تھی کہ ہتھیلیوں پر سج کر مہندی نے میرے اندر کوئی ہلچل نہیں مچائی تھی جواب میں محسوس کر رہی تھی۔ بڑا خوبصورت احساس تھا۔ میں نے چائے کا کپ خالی کر کے ایک طرف رکھ دیا پھر فرش پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھوں میں مہندی اور پھول سمیٹ کر ان کی خوشبو اپنے اندر اتاری پھر بے اختیار اوپر اچھال کر انہیں پھر سے بکھرتے ہوئے دیکھ کر میں خوش ہو رہی تھی کہ اسی وقت بنا دستک دیئے بلکہ دروازہ دھکیل کر عدنان اندر آ گیا اور اس سے پہلے کہ میں ٹوکتی حیرت سے بولا۔"

"تم ہنس رہی ہو......"

"کیوں ہنسنے پر پابندی ہے کیا......؟" میں نے اٹھتے ہوئے پوچھا تو وہ ان سنی کر کے اسی حیرت سے بولا۔

"میرا تو خیال تھا۔ تم رو رہی ہو گی۔"

"کیوں؟" میں نے اسے بوکھلا دیا تھا۔

"ظاہر ہے۔ تمہاری شادی ہو رہی تھی اور اب نہیں ہو رہی۔"

"آپ کی بھی تو ہو رہی تھی اور اب نہیں ہو رہی۔" میں نے محظوظ ہو کر اسی کے انداز میں کہا تو وہ تپ کر بولا۔

"میری بات چھوڑو۔ میں مرد ہوں۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"میں نے اعتماد سے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ جز بز ہو کر نظروں کا زاویہ بدل گیا پھر محض اپنا ہاتھ اوپر رکھنے کی خاطر بولا تھا۔"

"مجھے افسوس ہے۔ تمہارا مستقبل تاریک ہو گیا۔"

"نہ نہ۔ آپ کو افسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے عدنان بھائی۔ مجھے تاریکیوں میں شمع جلانی آتی ہے۔"

"تو اب تک اندھیرے میں کیوں کھڑی ہو۔" اس نے طنز کیا تو میں بہت ضبط سے جتا کر بولی۔

"ابا کا انتظار کر رہی تھی۔ شکر ہے وہ آ گئے ہیں۔ اب اندھیرا نہیں ہو گا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ سمجھ کر تلملایا تھا۔

"میں نے تو آپ کی کسی بات کا مطلب نہیں پوچھا لیکن یہ ضرور پوچھوں گی کہ آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟"

"میں ٹوک کر سوالیہ نشان بن گئی تو اسے جیسے اپنی آمد کا مقصد یاد آ گیا فوراً مصالحانہ انداز اختیار کر کے بولا۔"

"میں تم سے کچھ مذاکرات کرنے آیا ہوں۔"

"کس سلسلے میں؟" میں اندر ہی اندر ٹھٹکی تھی۔

"شادی۔ میرا مطلب ہے یہ شادی ہو سکتی ہے اسی طرح جیسے طے کی گئی ہے اگر جو تم......"

"وہ ایک لحظہ کو ہچکچایا تھا پھر فوراً سنبھل کر بولا۔"

"اگر تم یہ پورشن میرے نام کر دو۔"

"مجھے اس کی سوچ اور لالچ پر جتنا افسوس ہوتا کم تھا۔ لیکن میں نے فوراً اظہار نہیں کیا اور بظاہر سادگی سے بولی تھی۔"

"یہ تو ابا کے نام ہے۔"

"ہاں میں چاہتا ہوں کہ چچا جان وہ میرے نام کر دیں۔ چچا جان نے کہا ہے کہ وہ نکاح میں تمہارے نام لکھ دیں گے۔" وہ میری سادگی سمجھ کر اپنے تئیں مجھے اعتماد میں لے رہا تھا۔

"تمہارے نام۔" میں قصداً سوچنے لگ گئی۔

"ہاں ایک ہی بات ہے میں صرف اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تم۔ میرا مطلب ہے اگر

کبھی بیلا آگئی تو وہ تم سے اتھیا لے گی کیونکہ وہ بہت چالاک ہے۔ میرے نام ہوگا تو...... دیکھو، اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ تمہیں اپنے ہاتھوں کی مہندی چھپانی نہیں پڑے گی۔''

''وہ مسلسل مجھے رام کرنے میں لگا ہوا تھا اور میری نظریں اپنی سرخ ہتھیلیوں پر جم گئیں جہاں ساری لکیریں واضح ہوگئی تھیں گو کہ میں دست شناس نہیں تھی پھر بھی مجھے لگ رہا تھا کہ میری قسمت کے اندھیرے چھٹ رہے تھے۔''

''تمہارے ہاتھوں پر مہندی بہت خوبصورت لگ رہی ہے۔''

''عدنان نے آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے میرے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھنے چاہے تھے لیکن میں فوراً پیچھے ہٹ گئی پھر اسے دیکھ کر بولی۔''

''میرے ہاتھوں میں مہندی واقعی اچھی لگ رہی ہے لیکن یہ تمہارے نام کی نہیں ہے۔''

''پھر......؟'' اس کی پیشانی پر ہلکی سی لکیر ابھری تھی۔

''جس کے نام کی ہوگی وہ آجائے گا۔ آج نہیں تو کل۔'' میرے مسکرانے پر وہ سلگ کر بولا۔

''کسی خوش فہمی میں مت رہو۔ اگر اس طے شدہ تاریخ پر تمہاری شادی نہیں ہوئی تو پھر سمجھو، کبھی نہیں ہوگی۔''

''نہ سہی، زندگی کا دوسرا نام شادی تو نہیں ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ابھی تمہاری اصلیت دیکھ کر مجھے شادی سے ہی نفرت ہوگئی ہے۔ جاؤ اپنی ماں سے کہو، میں نے تمہیں ریجیکٹ کر دیا ہے۔''

''میں بے نیازی سے کہتی اچانک غصے میں آگئی تھی۔ تو وہ دانت پیس کر بولا۔''

''تم مجھے ریجیکٹ کرو گی۔''

''ہاں ایک بار نہیں، ہزار بار۔ میں تمہیں ریجیکٹ کرتی ہوں۔ میں تمہیں ریجیکٹ کرتی ہوں۔''

''میں چیختی ہوئی اس کی طرف بڑھ رہی تھی اور اس طرح وہ الٹے پیروں پیچھے ہٹتا ہوا کمرے سے نکل گیا تو میں نے چاہا کہ دروازہ زور سے بند کر دوں لیکن سامنے ابا کو کھڑے دیکھ کر میرا ہاتھ وہیں رک گیا اور میں واپس پلٹنا چاہتی تھی۔ لیکن پھر اچانک ہی بھاگ کر ابا کے سینے سے جا لگی۔ میرے آنسو اچانک بہہ نکلے تھے۔''

''روتی کیوں ہو۔ میں ہوں نا۔'' ابا میرا سر تھپکنے لگے۔ پھر مجھے کمرے میں چھوڑ کر جاتے جاتے بولے تھے۔

''تم نے بیلا کی طرح صحیح فیصلہ کیا ہے۔''

''ابا......!'' میں رونا بھول کر ان کے پیچھے دیکھے گئی۔ حیرت کے ساتھ خوشی بھی ہو رہی تھی کہ ابا کی زبان پر بیلا کا نام آیا تھا اور میرا دل چاہا۔ میں ابھی اسے بتاؤں لیکن بہت رات ہو گئی تھی۔ مجبوراً میں نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کرلیا اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

''صبح بہت دن چڑھ آیا تھا جب شور سے میری آنکھ کھلی۔ کچھ دیر میں سمجھنے کی کوشش کرتی رہی پھر جیسے ہی ذہن بیدار ہوا میں فوراً اٹھ کر کمرے سے نکل کر آئی تو آگے تائی جی برآمدے میں کھڑی امی پر چلا رہی تھیں۔''

''تمہیں خود شوق ہے بدنامیاں گلے ڈالنے کا۔ ایک بیٹی کو بھگایا۔ دوسری کو بھی اسی راہ لگاؤ گی۔ ارے اپنا نہیں تو کچھ ہمارا خیال کرو۔ میری شہنی عزت سے رخصت ہو جائے پھر جو مرضی کرتی پھرنا۔''

''بس تائی جی!'' میں اچانک نہیں بلکہ ان کی ساری بات سننے کے بعد ہی ان کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔ ''آپ نے ہمارا خیال کرلیا۔ ہم آپ کا خیال کریں گے۔ اب آپ جائیں اپنی جگہ پر۔''

''ہائیں تم۔ تم مجھ سے مخاطب ہو؟'' ان کے دیدے پھٹ گئے تھے۔

''جی ہاں آپ سے۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ سے بدتمیزی نہ کروں تو آئندہ اپنی زبان کنٹرول میں رکھیے گا۔ میں مزید اپنی ماں کی بے عزتی برداشت نہیں کروں گی۔'' میں نے سکون سے انہیں وارننگ دی تھی۔

''ارے بے عزتی اس کی ہوتی ہے جس کی کوئی عزت ہو۔ تمہارے ماں باپ کی عزت تو وہ پہلے ہی نیلام کرگئی ہے۔ رہی سہی کسر تم پوری کردو۔''

''تائی جی بکتی جھکتی چلی گئیں۔ تو میں نے امی کے ساتھ ان کے کمرے میں آکر پوچھا۔''

''کیا ہوا تھا؟''

''پتا نہیں، اپنے آپ آکر بولنے لگیں۔ جیسے تمہارے ابا کے جانے کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ ادھر وہ نکلے ادھر یہ آن موجود ہوئیں۔''

''رات عدنان کیا کہہ رہا تھا؟'' امی نے بتا کر پوچھا تو میں سر جھٹک کر بولی۔

''وہ بھی ایسے ہی بکواس کر رہا تھا۔''

''پتا تو چلے۔''

''چھوڑیں۔ یہ بتائیں۔ آپ نے ناشتہ کر لیا؟''

''ہاں۔ تمہارے لئے پراٹھا بنا دیا ہے۔ جاؤ ...... ٹھنڈا ہو جائے گا۔'' امی نے میرے ناشتے کے خیال سے مزید نہیں کریدا۔

''اچھی بات ہے۔'' میں ان کے کمرے سے نکل آئی اور آنگن میں لگے واش بیسن پر منہ ہاتھ دھوتے ہوئے مجھے ایک دم بیلا کا خیال آیا تو میں تولیہ کھینچتی ہوئی لابی میں آ کر اس کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔

''ہیلو!'' خلاف توقع اس نے پہلی بیل پر ہی ریسیور اٹھایا تھا۔

''السلام علیکم مسز بیلا حماد۔'' میں نے قدرے شوخی سے کہا تو وہ اچھل کر بولنے لگی۔

''ارے تمہاری شادی ہو گئی۔''

''میں نے تمہیں مسز کہا ہے اپنے آپ کو نہیں۔''

''میں نے ٹوکا تو وہ جھنجھلا کر بولی۔''

''پتا ہے۔ میں تمہاری شادی کا پوچھ رہی ہوں۔''

''تمہیں کیا لگ رہا ہے؟'' میں نے پوچھا تو وہ یقین سے بولی۔

''نہیں ہو سکتی۔''

''ظاہر ہے۔ تمہارا بویا میں کاٹ رہی ہوں۔'' میں اس کے یقین سے جڑ کر بولی تو وہ پہلے زور سے ہنسی پھر کہنے لگی۔

''یہ کریڈٹ مجھے نہیں، اسے جاتا ہے۔''

''اسے کسے؟''

''تمہارے عاشق کو۔''

''ہائیں! میرا کون عاشق پیدا ہو گیا؟'' میری حیرت پر وہ عادت کے مطابق ڈانٹنے لگی۔

''معصوم بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ احسن کو نہیں جانتیں کیا۔''

''نام مت لو اس کا۔'' میں نے فوراً ٹوکا۔

''ارے وہ تمہارے نام کی تسبیح پڑھ رہا ہے اور تم اس کا نام نہیں سننا چاہتیں۔''

''تم نے کہاں دیکھ لیا اسے؟''

''وہ تین دن سے میرے گھر آ رہا ہے گھنٹوں، بیٹھا گڑگڑاتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ اس کی شادی کرا دوں اگر تم اسے نہیں ملیں تو وہ مر جائے گا وغیرہ وغیرہ۔'' بیلا نے بتایا تو میں چڑ کر بولی۔

''بکواس نہیں کرو۔''

''یہ بکواس نہیں ہے جیا! میں سچ کہہ رہی ہوں۔ تم ایک بار اس سے مل کر سارے گلے شکوے دور کر لو۔'' بیلا ایک دم سنجیدہ ہو گئی تھی پھر بھی میں نے منع کر دیا۔

''نہیں، مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''ایسا مت کرو جیا! وہ سچ مچ تم سے بہت محبت کرتا ہے اور اگر اس نے تم سے کچھ الٹا سیدھا کہہ دیا ہے تو اس میں اس کا قصور نہیں ہے۔ تائی جی نے جس انداز سے تمہاری کردار کشی کی ہے۔ اس سے اچھے سے اچھا شخص بدگمان ہو سکتا ہے۔ پھر احسن کی بدگمانی تو بہت تھوڑی دیر کی تھی اور اس پر بھی وہ شرمندہ ہے۔ معاف کر دو اسے۔ بھول جاؤ پچھلی ساری باتیں۔''

''بیلا بہت دھیرج سے سمجھا رہی تھی۔ میں چاہتے ہوئے بھی اسے ٹوک نہیں سکی اور چپ چاپ سننے لگی۔''

''دیکھو۔ اگر تمہاری شادی نہیں ہوئی تو صرف اس لئے کہ آسمانوں پر تمہارا جوڑا عدنان یا کسی اور کے ساتھ نہیں لکھا گیا اور میں یہ نہیں کہتی کہ ضرور احسن ہی کے ساتھ لکھا ہو گا لیکن آزمانے میں کیا حرج ہے اپنا نصیب آزما دیکھو۔ ہو سکتا ہے ابا مان جائیں۔''

''رات، ابا تمہیں یاد کر رہے تھے۔'' میں نے اس کی ساری باتوں کے جواب میں کہا تو وہ اچھل کر بولی۔

''کیا۔ ابا مجھے یاد کر رہے تھے۔''

''ہاں، تم آ جاؤ حماد بھائی کے ساتھ۔'' میں نے کہا تو وہ فوراً پوچھنے لگی۔

''احسن کو بھی لے آؤں؟''

''تمہاری مرضی۔'' میں بے اختیار بولی تو اس نے شوخی سے پوچھا۔

''اور تمہاری مرضی کیا ہے؟''

''میں اپنا نصیب آزمانا چاہتی ہوں۔''

''ضرور ضرور ......'' بیلا یوں کھلکھلا رہی تھی جیسے اس نے میرے نصیب میں جھانک کر دیکھ لیا ہو۔ اس کی ہنسی تو یہی بتا رہی تھی کہ میرے نصیب کے اندھیرے چھٹ گئے ہیں۔

اس جہد مسلسل میں

"آج چھٹی کا دن تھا اور یوں بھی اس کا کسی دوست وغیرہ کے ساتھ بھی کوئی پروگرام نہیں تھا اس لئے وہ اطمینان سے سوتا رہا۔ اماں نے ایک دوبار اس کے کمرے میں جھانک کر دیکھا لیکن اٹھایا نہیں، جانتی تھیں کہ جو وقت وہ طے کرکے سویا ہوگا، اسی وقت پر خود ہی اٹھ جائے گا اور وہ گیارہ بجے اٹھا۔ شاور لینے کے بعد آکر برآمدے میں بیٹھا اور ابھی اخبار اٹھا کر گھٹنوں پر پھیلایا ہی تھا کہ ندا آگئی۔"

"بعد سلام عرض ہے کہ یہ ساری خبریں باسی ہو چکی ہیں۔" ندا اس کے بائیں طرف کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولی تو وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔

"ابھی اٹھے ہو؟" اس نے ایسی ہی مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا تو وہ بھنویں اچکا کر بولی۔

"بڑے نواب ہو گئے ہو؟"

"ہو گیا ہوں سے کیا مطلب؟" میں پیدائشی نواب ہوں۔ وہ گردن اکڑا کر بولا تو وہ ذرا سا ہنسی پھر ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"خالہ جان کہاں ہیں؟"

"اماں۔" اس نے بتانے کے بجائے اماں کو پکار لیا تو کچن سے ان کی آواز آئی۔

"آرہی ہوں بیٹا ناشتہ لے کر آرہی ہوں۔"

"کیا مطلب؟ خالہ جان خود ناشتہ بنارہی ہیں اور وہ بوا کہاں ہے؟"

"اماں آئیں تو انہی سے پوچھ لینا، مجھے کچھ خبر نہیں۔" اس کے جھنجھلا کر کہنے پر وہ کندھے اچکا کر بولی۔

"کمال ہے، ساری دنیا کی خبر رکھنے والا اپنے گھر سے اتنا بے خبر۔" پھر معاً خیال آنے پر قدرے اس کی طرف جھک کر سرگوشی میں بولی۔

"سنو، وہ تمہاری ڈاکومنٹری فلم کا کیا ہوا؟"

"خاموش، اماں آرہی ہیں۔" وہ اسی کے انداز میں کہہ کر پیچھے ہٹ گیا تب ہی اماں ناشتہ لے کر آگئیں۔ تو وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"السلام علیکم خالہ جان!"

"جیتی رہو بیٹی! تم کب آئیں امی کو بھی لے آتیں۔"

"آج تو ابو گھر پر ہیں امی کہاں آسکتی تھیں پھر کسی دن لے کر آؤں گی۔" اس نے امی کے نہ آنے کی جو ترجیح پیش کی، اس پر وہ پوچھنے لگا۔

"کیوں خالو جی منع کرتے ہیں کیا؟"

"نہیں بیٹا! اور کیوں منع کریں گے۔" اس کے بجائے اماں کہنے لگیں۔ "اصل میں مرد گھر پر ہو تو بیوی اپنے آپ ہی پابند ہو جاتی ہے۔"

"سن لیا۔" اس نے کہا تو وہ لاپروائی سے بولا۔

"میرا تو سن لینا کافی ہے، البتہ تم گرہ میں باندھ لو۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ مجھے شوہر بننا ہے جب کہ تمہیں بیوی۔"

"کبھی کبھی زبان یونہی پھسل جاتی ہے، حالانکہ اس نے اپنے اور اس کے حوالے سے نہیں کہا تھا نہ ہی اس کے ذہن میں ایسی کوئی بات تھی۔ اس کا مقصد صرف یہ جتانا تھا کہ میں مرد ہوں۔ تم عورت لیکن جس نہج پر بات چل رہی تھی، اسی حساب سے جملہ اس کی زبان سے پھسلا اور احساس اس وقت ہوا جب ندا کو نظریں چراتے اور اماں کو مسکراتے دیکھا پہلے تو ذرا سا ٹپٹا گیا پھر فوراً اپنی بات کا اثر زائل کرنے کی غرض سے کہنے لگا۔"

"اماں! خالہ جان سے کہیں، اس کی شادی کر دیں تاکہ چھٹی کے دن یہ ہمیں تنگ کرنے کے بجائے اپنے گھر آرام سے بیٹھا کرے۔"

"ہائیں ہائیں۔" اماں نے فوراً ٹوکا......"اس کے آنے سے تو رونق ہو جاتی ہے۔"

"اچھا......!" وہ شریر انداز میں ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔ "مجھے تو وحشت ٹپکتی نظر آرہی ہے۔"

"اور مجھے خباثت۔" اس کے چہرے کو دیکھ کر وہ جس برجستگی سے بولی اس پر وہ بے ساختہ ہنسا پھر پوچھنے لگا۔

"ویسے صبح ہی صبح تمہاری آمد کس سلسلے میں ہوئی ہے۔"

''میں خالہ جان سے ملنے آئی تھی اور اب جارہی ہوں۔'' وہ روٹھے لہجے میں کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اماں نے پہلے اسے روکا پھر اس پر بگڑنے لگیں۔

''دماغ خراب ہے تمہارا۔ ذرا دیر کو بچی آئی تمہیں وہ بھی ناگوار گزرتا ہے۔ ارے احسان مانو اس کا، تم سے زیادہ خیال رکھتی ہے میرا، تم تو چار چار دن گھر سے غائب رہتے ہو۔''

''اماں! اماں......!'' وہ پریشان ہوگیا۔ ''میں مذاق کررہا ہوں اس سے۔ آپ سچ سچ خفا ہونے لگیں۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے ایسا مذاق کرنے کی۔''

''اچھا میری توبہ! اور بی بی! تم بھی مجھے معاف کردو۔''

''وہ باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولا اور وہ تو خود اس اچانک صورت حال سے پریشان ہوگئی تھی فوراً ہنس پڑی پھر دوبارہ بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔''

''آج تمہارا کہیں جانے وانے کا پروگرام نہیں ہے؟''

''ہاں کیوں نہیں، چلو تمہیں سمندر کی سیر کرالاؤں۔''

''اس نے اچانک ہی پروگرام بنالیا اور فوراً ہی کھڑا بھی ہوگیا پھر اماں کہتی رہ گئیں کہ دوپہر کا کھانا کھا کر اطمینان سے جانا لیکن اس پر دھن سوار ہو چکی تھی۔ ایک نہیں سنی، اس کی کلائی تھام کر جس رفتار سے چلا تو اس بیچاری کو بھاگنا پڑا تھا۔''

''چھٹی کے باعث ساحل پر بے حد رونق تھی لیکن وہ اس سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا تھا، اس لئے لوگوں کے ہجوم سے دور اسے ایک پرسکون گوشے میں لے آیا تو وہ احتجاج کرتے ہوئے بولی۔''

''یہاں بیٹھ کر کیا ہم اپنے آباؤ اجداد کو یاد کریں گے؟''

''یاد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تمہیں ان کے پاس پہنچا سکتا ہوں۔''

''نہیں، بس یاد کرلینا کافی ہے۔'' وہ اس کا جواب سمجھ کر جلدی سے بولی۔

''اچھا دیکھو، اب ذرا سنجیدہ ہو جاؤ۔'' وہ ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھتے ہوئے بولا اور اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ بیٹھ گئی تب کہنے لگا۔ میں صرف تمہیں لینے آیا ہوں اور میری واپسی تک تم کسی سے کچھ نہیں کہو گی۔''

''لگتا ہے، اس بار کسی خاص مہم پہ جارہے ہو۔'' اس نے فوراً قیاس آرائی کی تو وہ اثبات میں سر ہلا کر بولا۔

''ہاں، کشمیر جارہا ہوں۔''

''کیا؟'' اسے جیسے اپنی سماعتوں پر دھوکا ہوا اور وہ چڑ کر بولا۔

''اونچا سننے لگی ہو کیا؟ کشمیر، جسے مقبوضہ کہتے ہوئے رگوں میں لہو، یوں جوش مارتا ہے کہ سب کچھ تہس نہس کردینے کو دل چاہتا ہے۔''

''خدا کے لئے عمر! وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر چیخی۔ اپنا نہیں تو خالہ جان کا خیال کرو، اگر انہیں معلوم ہوگیا تو۔''

''انہیں معلوم نہیں ہونا چاہئے سمجھیں تم۔'' وہ زور دے کر بولا۔

''میں تو سمجھ گئی لیکن تم جانتے ہو، زیادہ دن ہو جانے کی صورت میں خالہ جان خود تمہارے آفس فون کرکے معلوم کرتی ہیں کہ تم کہاں ہو؟ کب آؤ گے؟ وغیرہ وغیرہ۔''

''اس نے اپنی طرف سے اطمینان دلانے کے ساتھ ہی دوسرا خدشہ ظاہر کیا تو وہ کہنے لگا۔''

''آفس میں، میں سب کو منع کردوں گا کہ اماں کو کوئی یہ نہیں بتائے گا کہ میں کہاں ہوں، اس کے باوجود بھی میں سمجھتا ہوں کسی سے انجانے میں غلطی ہوسکتی ہے، اسی لئے میں نے تمہیں بتایا ہے اور اب میں چاہتا ہوں کہ میری واپسی تک تم اماں کے پاس رہو۔''

''اس سے کیا ہوگا، میں خالہ جان کو تمہارے آفس فون کرنے سے منع تو نہیں کرسکتی۔''

''وہ اس کی پوری بات سن کر بولی۔''

''یار! تم اتنی کند ذہن، میڈیکل میں کیسے پہنچ گئیں۔''

''جناب! دو مہینے بعد میرا ہاؤس جاب شروع ہونے والا ہے۔'' اس کے اترانے پر وہ زچ ہو کر بولا۔

''میں جانتا ہوں لیکن اس وقت خدا کے لئے تم میری بات سنجیدگی سے سنو۔''

''میں پوری سنجیدگی سے سن رہی تھی، تم ہی نے درمیان میں۔''

''اچھا چھوڑو، ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم اماں کے پاس رہنا اور جب بھی وہ میرے آفس فون کرنے کا ارادہ ظاہر کریں، تم فوراً اپنی خدمات پیش کردینا بلکہ میرا خیال ہے، وہ تم ہی سے کہیں گی کہ آفس فون کرکے معلوم کرو، میں کہاں ہوں۔ کب آؤں گا وغیرہ اور تم اپنی طرف سے اماں کو کچھ بھی کہہ کر مطمئن کردینا۔''

''اس بار وہ روانی سے بولا تاکہ درمیان میں کوئی اور بات نہ ہو اور جب خاموش ہوا تو

فوری طور پر وہ کچھ نہیں بولی۔ بلکہ لگ رہا تھا جیسے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ قدرے توقف سے وہ پوچھنے لگا۔

''کیا اب بھی نہیں سمجھیں؟''

''سمجھ تو سب گئی ہوں اور سب سنبھال بھی لوں گی لیکن تم نے یہ نہیں بتایا، کس سلسلے میں جا رہے ہو؟''

''وہاں کے تازہ ترین حالات کی فلم بنانی ہے۔ اس کے بعد۔''

''میں جانتی ہوں۔'' وہ فوراً ٹوک کر کہنے لگی۔

''عالمی عدالتوں میں ظلم و بربریت کے مناظر دکھا کر ان سے انصاف مانگا جائے گا، چھوڑ عمر! عالمی عدالتیں اندھی، بہری، گونگی تو نہیں ہیں۔ سب کچھ ان کے علم میں ہوتا ہے۔''

''یقیناً ہوتا ہے اور اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ہم یہ سوچ کر خاموش بیٹھ رہیں کہ وہ سب جانتے ہیں۔ ہمیں اپنے حق کے لئے آواز اٹھانی ہے، ہمارا مقصد ان مردہ ضمیروں کو جھنجھوڑنا ہے اور کبھی تو ہمیں اپنے مقصد میں کامیابی ہو گی۔''

''اس کے مایوس سے انداز پر وہ سمجھاتے ہوئے کہنے لگا۔''

''کشمیری بذات خود بہت غیور قوم ہے لیکن ان کی آواز کو باہر نکلنے کا راستہ نہیں دیا جاتا اور بحیثیت مسلمان میں سمجھتا ہوں ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اور کچھ نہیں تو کم از کم اتنا تو کریں کہ ان کی آواز عالمی منصفوں تک پہنچا دیں اور ہم دنیا کے منصفوں کو اس وقت تک جھنجھوڑتے رہیں گے، جب تک کشمیریوں کو ان کا حق خود ارادیت نہیں مل جاتا۔''

''لیکن عمر! وہاں کے حالات بہت خراب ہیں۔ تم کیسے جاؤ گے۔'' وہ اچانک پریشان نظر آنے لگی۔

''جیسے ایک بار پہلے گیا تھا۔'' اس کا انداز سرسری تھا پھر اسے پریشان دیکھ کر کہنے لگا۔ اس بارے میں تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میرا جانا اور وہاں رہنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

''سچ کہہ رہے ہو؟'' اس کی آنکھوں میں ہلکی سی خوف کی پرچھائیں دیکھ کر وہ ہنس پڑا۔

''تمہارا دل تو اتنا چھوٹا سا ہے، پھر تم ڈاکٹر کیسے بن گئیں؟''

''ایسے۔'' اس نے مٹھی میں گیلی ریت بھر کر اس کے منہ پر دے ماری اور اس سے پہلے کہ وہ جوابی کارروائی کرتا، فوراً کھڑی ہو گئی پھر مزید اسے دھکا دے کر آگے چل پڑی تو وہ

رومال سے ہاتھ منہ صاف کرتا ہوا اس کے پیچھے آ کر بولا۔

''کسی دن تم سچ مچ میرے ہاتھ سے ضائع ہو جاؤں گی۔''

''اس سے پہلے تم مجھے کسی اچھے سے ہوٹل میں کھانا کھلاؤ دو سخت بھوک لگی ہے۔''

''نہیں۔ کھانا گھر پہ کھائیں گے۔'' اماں انتظار کر رہی ہوں گی۔

''اسے مجبوراً اس کی بات رد کرنا پڑی، کیونکہ جانتا تھا کہ چھٹی کے دن اماں اس کے لئے خاص اپنے ہاتھ سے کھانا بناتی ہیں اور اگر اس نے ادھر اُدھر کھا لیا تو وہ سخت ناراض ہوں گی۔''

☆

''اماں کو اس نے دو روز پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ آفس ٹور پر اسلام آباد جائے گا اور ابھی جب اس کا جانا کنفرم ہو گیا تو وہ جنید سے ساری معلومات لے کر سب سے پہلے ندا کو لینے پہنچ گیا۔ وہ اسے دیکھتے ہی سمجھ گئی کہ کس مقصد کے لئے آیا ہے اور بالکل بے اختیار ہو کر گنگنانے لگی۔''

میرے وطن تیری جنت میں آئیں گے ایک دن

''وہ ٹپٹایا اور اس بری طرح سے گھورا کہ وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔''

''تم پر اعتماد کر کے شاید میں نے غلطی کی ہے۔'' وہ قریب آ کر سرگوشی میں بولا جس پر وہ تلملائی ضرور لیکن بولی آرام سے۔

''یہ تو وقت بتائے گا۔''

''بہر حال چل رہی ہو؟''

''تم کب جا رہے ہو؟''

''آج رات میں۔'' پھر خالہ کو آتے دیکھ کر کہنے لگا۔

''نہیں۔ تم خاموش رہو، خالہ سے میں خود ہی بات کروں گا، السلام علیکم خالہ۔''

''وعلیکم السلام، کیسے ہو بیٹا؟''

''دعا ہے آپ کی۔''

''کھڑے کیوں ہو، بیٹھو ناں اور اماں کیسی ہیں، کتنے دنوں سے میں سوچ رہی ہوں ان کے پاس جانے کا۔'' خالہ عادت کے مطابق بات سے بات نکالتی گئیں۔ ''پہلے تمہارے خالو کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اب حرا کو بخار آ گیا ہے۔ آؤں گی کسی دن۔''

"جی ضرور۔" وہ اپنی جگہ جز بز ہو کر بولا پھر ندا کو دیکھا تو وہ ہنسی روک کر بولی۔

"میں چائے لاتی ہوں۔"

"نہیں، چائے رہنے دو۔" اس نے منع کیا اور اس سے پہلے کہ خالہ سبب پوچھتیں، ان سے کہنے لگا۔

"میں ندا کو لینے آیا ہوں اگر آپ اجازت دیں تو ندا کچھ دن اماں کے پاس رہ لے کیونکہ میں اسلام آباد جا رہا ہوں۔"

"اسلام آباد جا رہے ہو، کیوں؟" خالہ کو سوال ضرور کرنا تھا۔

"بس کچھ کام ہے، پھر میں لے جاؤں ندا کو؟"

"ندا سے پوچھ لو، جانا چاہے تو لے جاؤ۔"

"گویا خالہ کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ وہ اسے دیکھنے لگا تو وہ "ہاں چلتی ہوں" کہتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد جیسے ہی بیگ لے کر آئی، وہ فوراً کھڑا ہو گیا اور خالہ سے اجازت لے کر باہر نکل آیا۔ پھر راستے میں اس سے کہنے لگا۔

"دیکھو، تمہیں جو بات پوچھنی ہو یہیں پوچھ لو، اماں کے سامنے کوئی ایسی بات نہیں کرنا جو انہیں شبے میں مبتلا کرے۔"

"میں صرف یہ پوچھنا چاہوں گی کہ اگر تم وہاں شہید ہو گئے تو یہاں ہمیں کیسے پتہ چلے گا۔"

"وہ ہرگز اتنی سادہ نہیں تھی جتنی سادہ بن کر پوچھ رہی تھی۔"

"میں وہاں لڑنے مرنے نہیں جا رہا سمجھیں تم، پھر بھی اگر میں مر مرا گیا تو فکر مت کرو، تم تک اطلاع پہنچ جائے گی۔" اس کے دانت پیسنے کے باوجود وہ مزید تنگ کرنے سے باز نہیں آئی۔

"صرف اطلاع، میرا مطلب ہے تمہاری ڈیڈ باڈی۔"

"اس نے بیچ سڑک پر گاڑی روک دی اور اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔"

"کیا چاہتی ہو تم!"

"میں چاہتی ہوں کہ تم زندہ سلامت واپس آؤ۔" اس کے کڑے تیوروں سے گھبرا کر وہ فوراً بولا پھر پیچھے ٹریفک جام ہونے کا اشارہ کیا تو اس نے گاڑی آگے بڑھا دی اور بقیہ رستہ قصداً پیشانی پر بل ڈالے رکھے تا کہ وہ اسی طرح خاموش بیٹھی رہے اور واقعی وہ کچھ نہیں

بولی تھی۔

"گھر آ کر بھی وہ اس سے کچھ دور دور رہا، البتہ رات کے کھانے پر اچھے موڈ میں اماں سے اور اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا اس کے بعد کمرے میں آ کر اپنا بیگ چیک کرنے لگا۔ جنید نے کہا تھا کہ وہ ٹھیک دس بجے اسے لینے آئے گا۔ اس نے گھڑی دیکھی، ساڑھے آٹھ ہو رہے تھے اور اماں تو عشاء کی نماز پڑھتے ہی سو جاتی تھیں۔ البتہ جب اسے شہر سے باہر کہیں جانا ہوتا تو پھر اسے رخصت کر کے ہی سوتی تھیں لیکن آج وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے جانے تک وہ جاگتی رہیں۔ اس لئے جیسے ہی وہ نماز سے فارغ ہوئیں، وہ ان سے کہنے لگا۔"

"اماں! اتنی دیر تک بیٹھ کر کیا کریں گی۔ آپ جائیں آرام سے ندا ہے ناں۔ مجھے کچھ ضرورت ہو گی تو اس سے کہہ دوں گا۔"

"آؤ گے کب؟" اماں نے اس کی بات نظر انداز کر کے پوچھا۔

"آ جاؤں گا چار پانچ روز میں، اگر اس سے زیادہ دن لگ گئے تو فون کر دوں گا۔"

"اس نے انہیں اطمینان دلایا۔ پھر انہیں سونے کا کہہ کر برآمدے میں آیا تو ندا سرگوشی میں پوچھنے لگی۔"

"کیا واقعی چار پانچ روز میں آ جاؤ گے؟"

"نہیں، مجھے بہت زیادہ دن بھی لگ سکتے ہیں۔"

"پھر اماں سے جھوٹ کیوں بولا؟"

"اور کیا کہتا؟" وہ اسے لے کر اپنے کمرے میں آ گیا، پھر کہنے لگا "میں نے فون کرنے کو بھی کہا ہے لیکن یہ بہت مشکل ہے اور اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے، اماں کو کسی بھی طرح مطمئن کر دینا۔"

"اور مجھے کون مطمئن کرے گا۔" اس نے سوچا۔

"سمجھ رہی ہو ناں؟"

"اب بس بھی کرو، کوئی اتنی نادان نہیں ہوں میں۔" وہ اپنی کیفیت چھپانے کی کوشش میں جھنجلا سی گئی۔

"اچھا چلو، موڈ نہیں خراب کرو بلکہ ایسا کرو، چائے بنا لاؤ اور اماں کو بھی دیکھ لینا سو گئی ہیں یا نہیں۔"

"وہ اس کی بات پر عمل کرنے کے بجائے خاموش کھڑی دیکھتی رہی جانے کیا تھا اس

کی نظروں میں کہ وہ اپنی بات دہراتے دہراتے رہ گیا تھا۔''

☆

''بارہ مولا تک اسے کسی خاص دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ شاید اس لئے بھی کہ وہ ایک بار پہلے یہاں تک آچکا تھا اور راستوں سے واقفیت کی بناء پر وہ آرام سے عبداللہ کے گھر پہنچ گیا۔ گھر سے ملحق عبداللہ کی ڈسپنسری تھی اور پچھلی بار جب وہ آیا تھا تو اپنی ڈسپنسری میں اس کی عباد سے جان پہچان ہوئی تھی۔ جو چند روزہ قیام کے دوران دوستی کی حد میں داخل ہو گئی تھی۔ شروع میں عباد نے اسے یہی بتایا تھا کہ وہ ہر قسم کی خانہ جنگی سے الگ تھلگ رہنے والا ایک عام سا بندہ ہے اپنے کام سے کام رکھتا ہے اور بس۔''

''پھر جب اس نے اپنے بارے میں ایمانداری سے بتایا کہ وہ پاکستان سے آیا ہے اور اس کا تعلق کسی تنظیم سے نہیں بلکہ ایک ایسے ادارے سے ہے جو پرامن طریقے سے کشمیریوں کی آواز دنیا بھر میں پہنچانا چاہتا ہے تب عباد نے اپنے بارے میں تو کچھ زیادہ نہیں بتایا البتہ اس کی رہنمائی کا وعدہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ اسے جب جس چیز کی ضرورت پڑے گی وہ اسے فراہم کرے گا اور اس کی مدد سے اس وقت وہ وہاں کے حالات قلم بند کرنے میں کامیاب ہو سکا تھا اور ابھی بھی اسی مقصد سے اس کے پاس آیا تھا۔''

''بہرحال عباد اسے دیکھ کر خوش تو ہوا لیکن اس کے انداز میں وہ گرم جوشی نہیں تھی جو پچھلی بار وقت رخصت اس نے محسوس کی تھی اور فوری طور پر وہ اسے اپنا وہم سمجھ کر سر جھٹک گیا تھا لیکن پھر عباد کی باتوں نے جہاں یہ سمجھایا کہ یہ اس کا وہم نہیں ہے، وہاں اس کی مجبوری بھی سمجھ میں آ گئی تھی وہ کہہ رہا تھا۔''

''تمہیں اندازہ تو ہو گیا ہو گا کہ اب حالات پہلے سے بہت زیادہ خراب ہو چکے ہیں ایک عام معصوم شہری پر بھی بھارتی شبہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ میری ڈسپنسری پر گزشتہ چھ ماہ سے ان ہی کتوں کا قبضہ ہے سوچو ذرا میرے بھائی زخموں سے تڑپتے ہیں اور ذلیل مجھے ان کی مرہم پٹی تک نہیں کرنے دیتے۔''

''بولتے ہوئے عباد کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا جیسے اس کا بس نہ چل رہا ہو کیا کر ڈالے اور...... وہ اس کی کیفیت اچھی طرح سمجھ رہا تھا لیکن اس کے پاس کہنے کے لئے تسلی کے دو بول بھی نہیں تھے، کتنی دیر بعد حالات کو سمجھتے ہوئے وہ کہنے لگا۔''

''میری یہاں آمد تمہارے لئے مسئلہ بن سکتی ہے۔ عباد! میں کہیں اور چلا جاتا ہوں۔''

''عباد نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ وہ باہر سے آتی آوازیں سننے میں لگ گیا تھا۔ اس کی تقلید میں وہ بھی سننے کی کوشش کرنے لگا تو قدرے توقف سے عباد نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور خود اٹھ کر باہر چلا گیا۔ کچھ دیر تک وہ اسی طرح بیٹھا رہا پھر چٹائی پر تکیہ کھینچ کر لیٹا اور اپنی اگلی منزل کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ خوفزدہ نہیں تھا کیونکہ اس کے پاس دو تین ملکوں کے سفارتی و صحافتی کارڈز موجود تھے جنہیں وہ ضرورت کے مطابق استعمال کر سکتا تھا۔ البتہ اس کی یہاں موجودگی عباد کے لئے مسئلہ بن سکتی تھی اور ایسا وہ نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے جلد سے جلد یہاں سے نکلنے کے بارے میں سوچنے لگا جس وقت عباد آیا وہ آنکھیں بند کئے لیٹا تھا۔''

''سو گئے کیا؟'' عباد نے قصداً آہستہ آواز میں پوچھا کہ اگر وہ سو رہا ہو تو اس کی نیند خراب نہ ہو، لیکن اس نے آنکھیں کھول دیں اور ذرا سا اونچا ہو کر دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔

''نہیں، بس یونہی لیٹ گیا تھا۔'' پھر پوچھنے لگا۔

''کون لوگ تھے؟''

''وہی بھارتی فوج کے۔'' موٹی سی گالی دے کر کہنے لگا۔ ''ان کے ایک سپاہی کو گولی لگی تھی وہی نکلوانے آئے تھے۔''

''تم سے میرا مطلب ہے تم......'' وہ کہنا چاہتا تھا کہ جب تم اپنے لوگوں کے کام نہیں آسکتے تو ان لوگوں کے لئے کیوں کرتے ہو، لیکن بات ابھی اس کے ہونٹوں میں تھی کہ عباد سمجھ کر کہنے لگا۔

''کرنا پڑتا ہے یار!'' اس طرح ہمیں ان کے بارے میں خاصی معلومات مل جاتی ہیں۔

''کیسی معلومات؟'' وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''ان کے پلان۔'' اکثر جب میں ان کے زخمیوں کی مرہم پٹی کر رہا ہوتا ہوں تو اس وقت غصے کے عالم میں یہ لوگ اپنے اگلے اقدام کے بارے میں باتیں کرتے ہیں۔'' عباد کی مبہم سی مسکراہٹ سے وہ سمجھ کر بولا۔''

''کیا انہیں تم پر شبہ نہیں ہوتا۔''

''ابھی تک تو نہیں ہوا۔ خیر یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ پہلے میں تمہارے لئے کھانا لے آؤں۔'' اچانک خیال آنے پر عباد اٹھ کر جانے لگا کہ اس نے روک دیا۔

''نہیں عباد! میرے پاس کھانے کا وقت نہیں ہے، اگر تم فارغ ہو تو مجھے سرینگر جانے والی بس میں بٹھا آؤ۔''

''اس وقت تم سرینگر جاؤ گے؟'' عباد نے پرسوچ انداز میں کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہاں میرا خیال ہے۔ پہلے مجھے اپنا کام کر لینا چاہئے۔ اس کے بعد اگر موقع ملا تو تمہارے پاس آؤں گا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔'' عباد کچھ الجھ کر اس کے بیگ کی طرف دیکھنے لگا۔

''فکر مت کرو، میرے پاس ایسا کوئی سامان نہیں ہے جو راستے میں مجھے کسی مشکل میں ڈال سکے۔'' وہ بیگ اٹھاتے ہوئے بولا۔

''کیمرہ وغیرہ؟''

''نہیں، یہ سب چیزیں مجھے وہیں سرینگر میں مل جائیں گی۔''

''اس کا اطمینان دیکھتے ہوئے عباد نے مزید سوال کا ارادہ ترک کر دیا۔ البتہ واپسی میں اسے اپنے ہاں آنے کو ضرور کہا اور وہ عدہ نہیں کر سکتا تھا اس لئے کوشش کا کہہ کر اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔''

☆

''جس وقت وہ سرینگر پہنچا، صبح کا اجالا نمودار ہو رہا تھا لیکن جانے کیوں اس اجالے میں وہ سرمستی نہیں تھی جو اسے اپنے گھر کے آنگن میں اترتے اجالے میں محسوس ہوتی تھی۔ حالانکہ چڑیاں اسی طرح چہچہا رہی تھیں۔ پھولوں پر شبنم کے قطرے بھی چمک رہے تھے۔ اس نے ایک عام سے ہوٹل میں بیٹھ کر ناشتہ کیا پھر جیب سے عبدالقادر کا ایڈریس نکال کر سواری کی تلاش میں نظریں دوڑاتا ہوا روڈ کراس کر کے دوسری طرف آ کھڑا ہوا۔ چاروں اور عجیب سی دحشت ٹپک رہی تھی۔ چہروں پر خوف، سہمی ہوئی نظریں۔''

''اسے بے طرح گھٹن کا احساس ہوا، دل چاہا کسی منہ زور گھوڑے کی طرح سرپٹ بھاگنا شروع کر دے اور اس جنت نظیر وادی کو کہیں بہت پیچھے چھوڑ جائے جہاں انسان اپنے سائے سے بھی ڈرتا ہے۔ معاً اپنے پیچھے آہٹ محسوس کر کے اس نے بے خیالی میں پلٹ کر دیکھا۔ دو [illegible] یاں سیاہ برقعوں میں ملبوس البتہ چہرے کھلے ہوئے تھے اور ہاتھوں میں کتابیں تھیں اس سے ذرا فاصلے پر کھڑی ہو گئیں۔ تو وہ ان پر سے نظریں ہٹا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا، کچھ دیر بعد ایک

بس آ کر رکی تو وہ جلدی سے اس میں سوار ہو گیا۔''

''عبدالقادر کو وہ ذاتی طور پر نہیں جانتا تھا۔ جنید نے اسے اس کا ایڈریس دینے کے ساتھ بتایا تھا کہ عبدالقادر ایک مقامی اخبار میں کام کرتا ہے اور وہی اس کی مدد کرے گا۔ بہرحال جس وقت وہ عبدالقادر کے پاس پہنچا، وہ اس کے انتظار میں بیٹھا تھا جس پر اسے تعجب ہوا اور وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکا۔''

''آپ کو میرے آنے کی اطلاع تھی؟''

''ہاں۔'' جواب میں عبدالقادر نے اختصار سے کام لیا پھر فوراً پوچھنے لگا۔ ''راستے میں کوئی پرابلم تو نہیں ہوئی۔''

''نہیں۔'' تبھی فون کی بیل پر عبدالقادر ادھر متوجہ ہو گیا اور ریسیور اٹھا کر سننے لگا تو اس نے ایک نظر میں اس کے آفس کا جائزہ لے ڈالا پھر جیسے ہی عبدالقادر کو دیکھا وہ بہت عجلت میں اٹھتے ہوئے اس سے بولا۔

''آؤ چلو۔'' وہ پوچھنا چاہتا تھا کہاں لیکن عبدالقادر تیزی سے کمرے سے نکل گیا تب اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ اس کے پیچھے بھاگ آیا۔ بائیک سٹارٹ کرنے سے پہلے عبدالقادر نے ایک بیگ اسے تھما دیا۔ پھر اسے پیچھے بٹھا کر اسپیڈ سے بائیک دوڑانے لگا۔

''خیریت تو ہے ناں؟'' بالآخر اس سے صبر نہیں ہوا، اس کا کندھا ہلا کر پوچھا تو وہ کہنے لگا۔

''یہاں خیریت کا لفظ ناپید ہے، بہرحال ایک بھارتی میجر مارا گیا ہے اور بدلے میں اب ان کے سپاہی شہریوں پر اندھا دھند فائرنگ کر رہے ہیں۔'' وہ جلدی سے بتا کر کہنے لگا ''دیکھو تم اپنا خیال رکھنا اور اس بیگ میں سودی کیمرہ ہے لیکن میرا خیال ہے تم کچھ نہیں کر سکو گے۔''

''نہیں میں۔'' وہ اسی قدر کہہ سکا یا شاید چیختی آوازوں میں اس کی آواز دب گئی تھی۔ لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔ عورتیں مرد سب بھارتی ایجنڈے کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ عبدالقادر نے بائیک روک دی اور فوراً اتر کر جیب سے چھوٹا سا کیمرہ نکالا اور اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔ حالانکہ ان حالات کا سامنا کرنے کے لئے وہ پہلے سے ذہنی طور پر تیار تھا اس کے باوجود فوراً عبدالقادر کے پیچھے قدم نہیں بڑھا سکا بلکہ بالکل غیر ارادی طور پر پنجوں پر اونچا ہو کر ہجوم سے آگے دیکھنے کی کوشش کرنے لگا اور بس اتنی سی دیر میں عبدالقادر جانے

کہاں سے کہاں نکل آیا۔

''اسے اس وقت پتا چلا جب فائرنگ سے لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ بھاگنا نہیں چاہتا تھا جب کہ یہاں رکنا بھی خطرناک تھا۔ اپنے حواس پر مکمل کنٹرول کے باعث اس کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ بہت ہوشیاری سے اس نے ادھر ادھر دیکھا اور گلی میں جو پہلا دروازہ کھلا نظر آیا۔ وہ بنا سوچے سمجھے پہلے اس میں داخل ہو گیا۔ اتفاق سے آنگن میں کوئی موجود نہیں تھا اور اس نے غور کیا تو اندر سے بھی کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ تب وہ بہت احتیاط سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر آیا تو اسے سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ چھت کے اطراف چار دیواری نہیں تھی۔ چند لمحے سوچنے کے بعد وہ وہیں آخری سیڑھی پر بیٹھ گیا اور بیگ میں سے کیمرہ نکال کر سیٹ کرنے لگا۔''

''اس کام میں اسے چند منٹ لگے۔ اس کے بعد وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا کتنی عجیب بات تھی کہ پچھلی بار وہ اس جنت نظیر وادی کے حسین و دلکش مناظر کی عکس بندی کے لئے آیا تھا اور اب اس کے سامنے انسانی لاشیں تھیں۔ سڑک پر یہاں سے وہاں تک سرخ خون جیسے اس کی رگوں میں جوش مار رہا تھا اگر اسے اپنے جذبات پر قابو نہ ہوتا تو وہ سب کچھ تہس نہس کر دینے کا عزم لے کر یہیں سے چھلانگ لگا دیتا۔ لیکن وہ ہمیشہ سے ایسا ہی تھا ہر قسم کے حالات میں اسے خود پر کنٹرول رہتا تھا۔''

''شاید اس کی اسی خوبی کے باعث اس کے ادارے نے اسے یہ ذمہ داری سونپی تھی۔ لیکن بہرحال وہ انسان تھا۔ سامنے کے روح فرسا منظر نے بالآخر اس کی آنکھیں دھندلا دیں اور ابھی کیمرہ نیچے رکھ کر وہ آنکھیں صاف کر ہی رہا تھا کہ عقب سے ''کون ہو تم؟'' اس آواز سے وہ یوں اچھلا کہ بہت کوشش کے باوجود نہ تو وہ اپنی جگہ پر جم سکا نہ ہی خود کو گرنے سے بچا سکا۔ سر کے بل تقریباً چودہ پندرہ سیڑھیاں لڑھکتا ہوا نیچے آیا تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، پھر بھی اس نے فوراً اٹھنے کی کوشش کی لیکن اگلے پل اس کا ذہن مکمل تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔

☆

''جس وقت اسے ہوش آیا وہ اسی جگہ ننگی زمین پر سیدھا لیٹا تھا۔ البتہ سر کے نیچے تکیہ اور بدن پر چادر تھی۔ کچھ دیر تک وہ خالی خالی نظروں سے آسمان کو تکتا رہا کیونکہ فوری طور پر کچھ یاد نہیں آیا تھا پھر جب دھیرے دھیرے ذہن بیدار ہوا تو آپ ہی آپ اس کی نظریں آسمان سے ہٹ کر سیڑھیوں پر جا ٹھہریں اور اپنے گرنے کا منظر یاد آتے ہی اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن

سر میں ایسی شدید ٹیسیں اٹھیں کہ اس نے بہت احتیاط سے اپنا سر دوبارہ تکیے پر رکھ دیا۔ انتہائی بے بسی کے عالم میں اس نے آنکھیں بند کر لیں اور ایک طرح سے اپنی ہمتیں یکجا کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد ہی اسے اپنے قریب آہٹ محسوس ہوئی تو وہ چونکا ضرور لیکن آنکھیں نہیں کھولیں بلکہ خود کو اس نئی صورت حال کا سامنا کرنے کے لئے تیار کرنے لگا۔''

''اے!'' معاً ایک خوبصورت آواز نے اس کی سماعتوں کو چھوا تو اس نے بے اختیار آنکھیں کھول دیں۔ کون کہتا ہے کہ چاند صرف آسمان پر جگمگاتا ہے وہ تو اسے بہت قریب دیکھ رہا تھا اتنا کہ ہاتھ بڑھا کر چھو سکتا تھا۔

''کون ہو تم؟'' اسے ایک ٹک دیکھتے پا کر وہ پیچھے ہٹ کر پوچھنے لگی تو اپنی محویت پر وہ دل ہی دل میں خود کو سرزنش کرتے ہوئے بولا۔

''انسان ہوں۔''

''وہ تو میں بھی دیکھ رہی ہوں کہاں سے آئے ہو؟''

''کہاں سے۔'' وہ قصداً سوچ میں پڑ گیا پھر اسے دیکھ کر بولا۔ ''پتا نہیں؟''

''دیکھو، مجھے چکر دینے کی کوشش مت کرو۔'' اس نے تنک کر وارننگ دی تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولا۔

''میں تو خود چکر میں ہوں۔ تمہیں کیا چکر دوں گا۔''

''بھارتی ہو؟'' جس زہریلے انداز میں اس نے پوچھا، اس سے اسے اطمینان ہو گیا کہ اس کی حقیقت جان کر وہ اس سے اچھا نہیں تو برا سلوک بھی نہیں کرے گی۔

''بتاتے کیوں نہیں بھارت سے آئے ہو کیا؟''

''اس کی پل بھر کی خاموشی پر اس نے دانت پیس کر پوچھا۔''

''نہیں، پاکستان سے۔'' وہ محض اس کے تاثرات دیکھنے کی خاطر اس پر نظریں جما کر بولا تو وہ کچھ مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی۔ پھر پہلے شش و پنج میں پڑی اس کے بعد پوچھنے لگی۔

''یہاں کیسے آئے؟''

''میں تمہیں سب کچھ سچ بتاؤں گا لیکن پلیز پہلے مجھے یہاں سے اٹھاؤ۔''

''وہ ذرا سا نرم پڑی تھی کہ اس نے فوراً احساس دلایا کہ اس وقت وہ ننگی زمین پر لیٹا ہے اور اسے احساس تو ہوا لیکن معذرت کرتے ہوئے بولی۔''

''سوری۔ میں تمہاری مدد نہیں کر سکتی، اگر اٹھ سکتے ہو تو خود ہی اٹھ جاؤ اور اندر کمرے

میں جا کر بیٹھو، میں تمہارے لئے دودھ لاتی ہوں۔''

''دودھ نہیں چاہئے۔''

''اس نے ٹوک کر کہا تو وہ خاموشی سے چلی گئی تب وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر آہستہ آہستہ اٹھا اور اسی طرح بمشکل خود کو گھسیٹتا ہوا اندر آ کر لیٹ گیا۔ پتا نہیں کہاں کہاں چوٹیں لگی تھیں۔ سر کے علاوہ ابھی چلتے ہوئے گھٹنے میں بھی تکلیف کا احساس ہو رہا تھا وہ اس کے آنے سے پہلے ہی اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنے بدن کو ادھر ادھر سے چھو کر دیکھنے لگا، تب ہی وہ چائے لے کر آ گئی اور اسے اپنی چوٹوں کو سہلاتے دیکھ کر کہنے لگی۔''

''شکر کرو زندہ بچ گئے ہو، زخموں کا کیا ہے بھر ہی جاتے ہیں لیکن اگر جان چلی جائے تو۔''

''اس کے دیکھنے پر ایک دم خاموش ہو گئی پھر چائے کا کپ اسے تھما کر دوسری چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔''

''اب تم فوراً اپنے بارے میں سچ سچ بتا دو ورنہ۔''

''ورنہ'' اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''ورنہ میں کچھ بھی کر سکتی ہوں۔''

''مثلاً؟'' وہ ہرگز اسے نہیں چھیڑ رہا تھا بلکہ شاید اس کا حوصلہ دیکھنا چاہتا تھا اور وہ غصے میں آ کر بولی۔

''مثلاً یہ کہ ایک تیز دھار خنجر تمہارے سینے میں اتار کر تمہیں یہیں دفن کر دوں گی۔ سمجھے تم۔''

''وہ بہت خاموش نظروں سے اسے دیکھنے لگا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر ذرا سی بھنویں اچکائیں۔ گویا اس کے حوصلے کو سراہا تھا پھر چائے کے ایک دو سپ لینے کے بعد کہنے لگا۔''

''میں واقعی پاکستان سے آیا ہوں اور گو کہ میں تمہارے حقوق کی باقاعدہ جنگ لڑنے نہیں آیا پھر بھی تم اسے جنگ کہہ سکتی ہو، ہمارا مقصد تمہارے حقوق کو دنیا سے تسلیم کروانا ہے۔''

''پھر اس کے مزید کسی سوال سے پہلے ہی پوچھنے لگا۔''

''تمہارے گھر میں اور کوئی نہیں ہے؟''

''سب ہیں، ماں باپ بھائی۔ کیا تمہیں ان کی آوازیں سنائی نہیں دے رہیں۔'' اس نے کہا تو وہ ایک دم خاموش ہو کر سننے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن کہیں کوئی آواز نہیں تھی تب بھٹکتی

ہوئی نظریں اس پر جا ٹھہریں، ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ ٹکائے وہ اپنے آپ بولنے لگی۔

''مجھے تو ہر پل ان کی آوازیں سنائی دیتی ہیں، کبھی اماں پکارتی ہیں، کبھی بابا اور بھائی تو یوں بھی میرے آگے پیچھے پھرتے ہیں، بہت پیار کرتے ہیں مجھ سے۔''

''اس کی آنکھوں کے پیمانے لبریز ہو کر چھلک رہے تھے اور وہ سناٹوں میں گھرا ایک ٹک اسے دیکھے گیا۔''

''دھیرے دھیرے شام اتر رہی تھی اور اب اسے یہ فکر ستا رہی تھی کہ یہاں سے کیسے جا سکے گا۔ کیونکہ فی الحال چلنے سے معذور تھا اور باہر ایک قیامت گزرنے کے بعد اب بالکل سناٹا چھایا تھا یعنی کسی سواری کا ملنا بھی ناممکن تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ وہ اس کے لئے کھانا لے کر آ گئی۔ ٹرے اس کے سامنے رکھ کر جانے لگی کہ وہ بے اختیار پکار کر بولا۔''

''سنو، میں کیا کروں؟''

''کیا مطلب؟ میں جانا چاہتا ہوں۔'' وہ کہاں کا سوال اٹھائے بغیر سہولت سے بولی۔

''ابھی تم کہیں نہیں جا سکتے کیونکہ کرفیو لگ چکا ہے۔''

''کیوں؟'' بلا ارادہ ہی اس کے منہ سے نکل گیا پھر فوراً سر جھٹک کر پوچھنے لگا۔ ''کب تک رہے گا؟''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' وہ اس کی بے نیازی پر جز بز ہو کر رہ گیا پھر کھانے پر نظر پڑی تو ایک دم سے بھوک بھی لگنے لگی۔ لیکن اس نے فوراً کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ کچھ عجیب سے احساس میں گھرنے لگا۔ مان نہ مان میں تیرا مہمان۔

''کھانا کھاؤ۔'' وہ جیسے اس کی کیفیت بھانپ کر بولی پھر فوراً کمرے سے نکل گئی تب کچھ اس کے کہنے سے اور زیادہ بھوک سے مجبور ہو کر وہ کھانے لگا۔

''پھر جب وہ کھانے کے برتن اٹھانے آئی تو اسے آرام سے سونے کی تاکید کرتی گئی۔ لیکن کھانے کے بعد اب اسے اپنے اندر کچھ توانائی محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ لیٹا اور یکسوئی سے حالات کا جائزہ لینے کے ساتھ آئندہ کا لائحہ عمل سوچنے لگا۔ اگر کوئی پریشانی کی بات تھی تو یہ کہ اگر کرفیو کا وقفہ طویل ہوا تو اس کا یہاں سے نکلنا مشکل ہو گا جب کہ وہ کم از کم اس گھر میں قیام کو طویل نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ اکیلی لڑکی جانے اپنی زندگی کی گاڑی کو کیسے کھینچ رہی تھی یہی سب سوچتے وہ سو گیا۔''

''صبح وہ معمول کے مطابق نہیں اٹھا اور پتا نہیں اس نے بھی اٹھایا کہ نہیں، اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب کھڑکی کے راستے سورج کی کرن براہ راست اس کے چہرے پر پڑی تو وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا اور بند دروازے کے اس طرف اس کی آہٹ سننے کی کوشش کرنے لگا کچھ دیر تک تو اسے صرف اپنی سانسوں کی آواز سنائی دیتی رہی پھر کمرے کا دروازہ باہر سے کھلنے کی آواز آئی تو وہ بے اختیار اسی طرف دیکھنے لگا اور وہ دروازہ کھول کر جانے کیوں دہلیز پر ہی رک گئی پھر وہیں سے بولی۔''

''منہ دھونے کے لئے تمہیں آنگن میں جانا پڑے گا۔ چل سکتے ہو؟''

''وہ جواب دینے کے بجائے بے اختیار اپنے گھٹنے چھو کر دیکھنے لگا پھر چار پائی سے اتر کر کھڑا ہوا تو گھٹنے میں تکلیف ہونے لگی لیکن اس نے ظاہر نہیں کی اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب پہنچا تو وہ سامنے سے ہٹ گئی۔''

''میں چل سکتا ہوں۔'' وہ کہتا ہوا نل پر آ کر منہ ہاتھ دھونے لگا پھر دوبارہ کمرے میں جانے کے بجائے برآمدے میں بیٹھ گیا تو کچھ دیر بعد وہ ناشتہ لے آئی۔

''مجھے افسوس ہے، میں کل سے تمہیں پریشان کر رہا ہوں۔'' وہ ایک بار پھر اسی احساس میں گھر کر بولا۔

''نہیں، تم ہمارے مہمان ہو اور مہمانوں کی آمد سے ہم پریشان نہیں ہوتے بلکہ مجھے افسوس ہے کہ میں ڈھنگ سے تمہاری خاطر مدارت نہیں کر سکتی۔'' اس کے بے تاثر لہجے میں بھی محرومی کا احساس چھپا ہوا تھا۔

''ارے یہ کیا کم ہے کہ تم نے مجھے پناہ دی، میرا یقین کیا۔'' وہ ابھی مزید اس کے احسان گنواتا کہ وہ ٹوک کر بولی۔

''ناشتہ کرو۔''

''تم نے کر لیا؟''

''ہاں، میں بہت جلدی اٹھنے کی عادی ہوں اور ناشتہ بھی اسی وقت کر لیتی ہوں۔'' پھر موضوع بدلتے ہوئے کہنے لگی۔

''باہر بہت خاموشی ہے۔ پتہ نہیں آج کسی وقت کرفیو کھلے گا کہ نہیں۔''

''میرے لئے تو بہت مشکل ہو جائے گی۔'' وہ اس کی بات سن کر پرسوچ انداز میں بولا تو قدرے توقف سے پوچھنے لگی۔

''تم یہاں کس کے پاس آئے ہو؟''

''عبدالقادر۔'' اس نے ابھی نام لیا تھا کہ وہ بول پڑی۔

''وہ اخباری رپورٹر۔''

''تم جانتی ہو اسے؟'' جواب میں اس نے خاموشی اختیار کر لی۔ کچھ دیر تک وہ انتظار میں بیٹھا رہا پھر یاد آنے پر پوچھنے لگا۔

''وہ میرا کیمرہ کہاں ہے، سلامت تو ہے ناں؟''

''ہاں!'' اس نے ہاں کی صورت گہری سانس کھینچی پھر کچھ مایوسی سے بولی ''تمہارا میڈیا یہاں کے حالات دکھاتا تو ہے پر اس سے کیا ہوتا ہے یا اب تک کیا ہوا ہے؟''

''مایوسی اچھی بات نہیں ہے۔'' وہ اسی قدر کہہ کر موضوع بدل گیا۔

''تم نے اپنا نام نہیں بتایا۔''

''آمنہ۔''

''اور میرا نام عمر ہے ایک بار پہلے بھی میں یہاں آیا تھا سرینگر تو نہیں البتہ کلغام اور بارہ مولا کے علاوہ کچھ دیہاتوں میں جانا ہوا تھا۔'' وہ ماحول میں رچی اداسی دور کرنے کی غرض سے کچھ ہلکے پھلکے انداز میں اپنے بارے میں بتانے لگا۔ تبھی فائرنگ کی آواز سنائی دی تو وہ ایک دم خاموش ہو کر اسے یوں دیکھنے لگا جیسے پوچھ رہا ہو کیا ہوا ہے اور وہ نخوت سے بولی۔

''محض دہشت پھیلانے کے لئے سارا دن بھارتی کتے یہی کچھ کرتے رہیں گے ہونہہ۔''

''کیا میں اوپر جا کر دیکھ سکتا ہوں۔''

''نہیں۔ ایسی غلطی مت کرنا۔'' اس نے فوراً سختی سے منع کیا پھر اس کے سامنے سے ناشتے کے برتن اٹھاتے ہوئے پوچھنے لگی۔ ''اور چائے پیو گے؟''

''نہیں۔'' وہ منع کر کے کمرے میں آ گیا اور باہر کی طرف کھلنے والی کھڑکی کو ذرا سا کھول کر بہت احتیاط سے باہر دیکھنے لگا، جہاں تک اس کی نظریں جا سکتیں وہاں تک اسے کوئی نظر نہیں آیا۔ بالآخر مایوس ہو کر کھڑکی بند کی اور جیسے ہی پلٹا اس کی متاسف نظروں سے خائف سا ہو گیا۔

''آئی ایم سوری۔''

''تم اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی مشکل میں ڈالو گے۔'' وہ کہتی ہوئی اس کی چار پائی پر بچھا کھیس جھاڑنے میں لگ گئی اور وہ واقعی نادم ہو کر خود کو ملامت کرنے لگا۔ جب وہ سیدھی کھڑی

ہوئی تو اس کی ندامت محسوس کر کے کہنے لگی۔

''میں جانتی ہوں، تمہارے لئے یہ وقت کاٹنا بہت مشکل ہے اتنی خاموشی، سناٹا بھلا تم کہاں عادی ہو گے۔ شاید تمہیں گھبراہٹ ہو رہی ہے۔'' ٹھہرو میں تمہارے لئے کوئی اخبار وغیرہ لاتی ہوں۔

''وہ خاموشی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر اسی خاموشی سے آکر چار پائی پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ پرانے اخبار اٹھا لائی اور اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔''

''تم یہ دیکھو، میں جب تک کھانا بنا لوں۔''

''وہ کچھ نہیں بولا اور اس کے جاتے ہی اخبار اٹھا کر دیکھنے لگا لیکن پھر بہت جلدی اکتا کر سارے اخبار ایک طرف ڈال دیئے اور قدرے نیم دراز ہو کر پھر سے یہاں سے نکلنے کے بارے میں سوچنے لگا۔ جب کوئی صورت نظر نہیں آئی تو اٹھ کر اس کے پیچھے آ گیا۔ کچن میں وہ پیڑھی پر بیٹھی آٹا گوندھ رہی تھی آہٹ پر ایک نظر اس پر ڈال کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی تو وہ وہیں پنجوں پر بیٹھتے ہوئے جیسے اپنے آپ سے بولا۔''

''آس پاس کے گھروں سے بھی کوئی آواز نہیں آ رہی۔'' پھر اس سے پوچھنے لگا۔

''تمہیں اکیلے میں گھبراہٹ نہیں ہوتی۔''

''میں اکیلی تو نہیں ہوں۔ میرا مطلب ہے میری طرح کے اور کتنے ہی لوگ ہیں پھر میں تو بہت کم یہاں رہتی ہوں۔'' وہ آٹے کا، تسلا پرے کھسکاتے ہوئے بولی۔

''یہاں نہیں رہتیں تو کہاں رہتی ہو۔''

''ہاسٹل میں۔''

''پڑھتی ہو۔''

''ہوں، میڈیکل کے تیسرے سال میں ہوں۔'' اتنی بے نیازی سے اس نے انکشاف کیا جب کہ وہ حیران رہ گیا بے یقینی سے بولا۔

''واقعی۔''

''ہاں لیکن مجھے اپنی تعلیم مکمل ہوتی نظر نہیں آ رہی۔ حالات تم دیکھ رہے ہو، پتا نہیں کیا ہو گا۔''

''جب حالات ایسے ہیں تو تم یہاں کیوں آتی ہو، میرا مطلب ہے اپنی تعلیم مکمل ہونے تک وہیں ہاسٹل میں رہو۔''

''وہاں کون سا سکون ہے، اب تک تو مجھے میڈیکل سے فارغ ہو جانا چاہئے تھا۔ پانچ سال ہو گئے ہیں اور میں ابھی تیسرے سال میں ہوں بلکہ میرے تمام ساتھی۔'' وہ کڑھتے ہوئے بولی تو کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ کہنے لگا۔

''ایسا کرو، میرے ساتھ پاکستان چلو۔'' اس نے چونک کر دیکھا تو فوراً وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

''میرا مطلب ہے تعلیم کے سلسلے میں دو سال کی بات ہے پھر یہیں آ جانا۔''

''حماد بھی یہی کہتا ہے لیکن یہ صرف میرا نہیں یہاں کے ہر طالب علم کا مسئلہ ہے۔''

''حماد۔''

''حماد میرے چچا کا بیٹا ہے اور منگیتر بھی۔'' ذہین بھی تھی فوراً سمجھ کر بولی تو اس نے دل میں سراہتے ہوئے پوچھا۔

''کیا وہ بھی تمہارے ساتھ پڑھتا ہے۔''

''نہیں، وہ مجاہد ہے۔ آزادی کی جنگ لڑ رہا ہے۔''

''ارے ہاں تم یہاں سے جانے کے لئے پریشان ہو ناں تو رات میں حماد آئیگا اس کے ساتھ نکل جانا۔'' اسے جیسے اچانک اس کی پریشانی کا حل سوجھ گیا اور وہ اس کی بات سمجھ کر بھی الجھن میں پڑ گیا۔

''ایسے حالات میں حماد کیسے آئے گا؟''

''یہ سوچنا تمہارا کام نہیں ہے۔'' اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اس سلسلے میں مزید کچھ نہیں بتائے گی اور اس نے بھی کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔ اٹھتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے اگر حماد کو مجھے ساتھ لے جانے میں کوئی پریشانی نہ ہو تو اسی کے ساتھ نکل جاؤں گا۔''

''لیکن پھر یوں ہوا کہ اسے رات کا انتظار نہیں کرنا پڑا سہ پہر تین بجے دو گھنٹے کے لئے کرفیو کھلا تو وہ اسی وقت جانے کے لئے تیار ہو گیا۔''

''شکریہ آمنہ!'' میں شاید زندگی بھر تمہارا احسان نہیں بھول پاؤں گا۔'' وقت رخصت اس نے کہا تو وہ کچھ خفگی سے بولی۔''

''میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔''

''تم نہ کہو لیکن میں مانتا ہوں، بہر حال اس یقین کے ساتھ رخصت چاہوں گا کہ کبھی

اس حسین وادی میں، میں تمہیں آزادی کی مبارکباد دینے آؤں گا۔"

"انشاء اللہ۔" اس تصور سے ہی اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں اور وہ بس ایک پل کو اس کی آنکھوں میں دیکھ سکا پھر فوراً خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آیا تھا۔

☆

"تیسرے دن حالات کچھ بہتر تھے۔ اس نے دن کے آغاز پر ہی کچھ مقامی لوگوں کے انٹرویوز ریکارڈ کر لئے۔ اس کے بعد عبدالقادر کے آفس چلا آیا۔ اس نے کہا تھا کہ گیارہ بجے وہ اسے مجاہدین کے ایک لیڈر کے پاس لے جائے گا۔ عبدالقادر اس وقت بہت مصروف تھا۔ اس نے بہت سکون سے بیٹھ کر اس کے فارغ ہونے کا انتظار کیا اور کیونکہ لیڈر سے وقت طے تھا اس لئے اسی حساب سے عبدالقادر نے کام ختم کر کے اسے چلنے کا اشارہ کیا تو وہ اٹھتے ہوئے بولا۔"

"میں تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کر رہا۔"

"بالکل نہیں۔" عبدالقادر نے دوستانہ انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ پھر دونوں ساتھ چلتے ہوئے باہر آئے۔

"مختلف سڑکوں پر بائیک دوڑاتا ہوا عبدالقادر کہیں کہیں کسی سمت اشارہ کر کے اسے وہاں ہونے والے واقعات کے بارے میں بھی بتا رہا تھا اور وہ بڑی توجہ سے سن رہا تھا کہ اچانک بریک لگنے سے اسے بڑی زور کا جھٹکا لگا اگر عبدالقادر کے کندھے پر اس کی گرفت مضبوط نہ ہوتی تو یقیناً اچھل کر گرتا۔"

"کیا ہوا؟" اس نے پوچھا تو عبدالقادر بائیک سے اترتے ہوئے بولا۔

"ایک فٹ آگے کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے۔"

"وہ فوراً ادھر متوجہ ہوا لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کے باعث وہ کچھ سمجھ نہیں سکا اور صحیح صورتحال تو عبدالقادر بھی نہیں سمجھ سکا البتہ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ آگے حالات ٹھیک نہیں ہیں جبھی اس نے بائیک فوراً کچے پر اتار دی۔ وہ بہت خاموشی سے اس کے ساتھ چلنے لگا ایک پہاڑی کی اوٹ میں بائیک کھڑی کر کے وہ اس سے کہنے لگا۔"

"تم یہیں ٹھہرو، میں دیکھ کر آتا ہوں۔ پھر دوسرے راستے سے نکل چلیں گے۔"

"میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" وہ وہاں رکنے پر آمادہ نہیں ہوا اور عبدالقادر کے پیچھے پیچھے اسی کے انداز میں بہت احتیاط سے کبھی درختوں اور کبھی پہاڑ کی اوٹ میں آگے بڑھنے لگا پھر

ایک جگہ عبدالقادر نے اسے رکنے کا اشارہ کیا اور سامنے صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد دھیمی آواز میں اسے بتانے لگا۔

"بھارتی فوجی ایک بس کو روکے ہوئے ہیں، مجھے تو اس میں تمام سٹوڈنٹ لگ رہے ہیں۔"

"ان کو روکنے کا مقصد؟" وہ سامنے جھانکتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"محض تنگ کرنا، دیکھو کس طرح سب کی تلاشی لے رہے ہیں۔"

"یہ کام آرام سے بھی تو ہو سکتا ہے۔" وہ بھارتیوں کے وحشی پن پر تاسف کا اظہار کرتے ہوئے بولا تبھی اس کی نظریں ایک جگہ جم کر رہ گئیں۔ جب کہ سینے کے اندر دھڑکتے دل کو جیسے کسی نے زور سے مٹھی میں دبا دیا تھا۔

"آمنہ!......" ہونٹوں کی بے آواز جنبش کے ساتھ ہی اسے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔ کس قدر ظالمانہ طریقے سے اس بھارتی نے اسے کلائی سے کھینچ کر سب سے الگ کھڑا کیا تھا اس کے بعد باقی سب کو اس نے جانے کا اشارہ کیا تو سب لڑکے لڑکیاں بس میں سوار ہو گئے۔ آخر میں آمنہ بھی ان کے پیچھے جانا چاہتی تھی لیکن اس نے دیکھا ادھر اُدھر سے تین چار فوجیوں نے اسے گھیرے میں لے لیا۔

"اس کے بعد وہ اکیلی لڑکی جتنی زور سے چلا سکتی تھی چلا رہی تھی۔ ان سب کو دھکیلتے ہوئے وہ انہیں گالیاں بھی دے رہی تھی لیکن ظاہر ہے وہ ایک نہیں چار مرد تھے بلکہ مرد نہیں وحشی بھیڑیے تھے۔ اسے کھینچتے ہوئے گیٹ کے اندر داخل ہو گئے تب اچانک سناٹے سے نکل کر اس نے عبدالقادر کا کندھا جھنجھوڑ ڈالا۔"

"عبدالقادر وہ لڑکی کیا وہ اسے مار ڈالیں گے۔"

"جواب میں عبدالقادر نے ہونٹ بھینچ لئے اور کچھ نڈھال سا وہیں بیٹھ گیا تو وہ اس کے سامنے گھٹنے ٹیکتا ہوا سنت سے بولا۔"

"پلیز عبدالقادر! کچھ کرو، وہ آمنہ ہے۔ آمنہ میری محسن اسے ان ظالموں کے چنگل سے نکالو، وہ اسے مار ڈالیں گے۔"

"نہیں ماریں گے۔" انتہائی بے بسی کی تصویر بنا عبدالقادر دیکھے گیا۔ پھر دکھ سے اس کی آواز پھٹ گئی۔

"ان وحشیوں کی ہوس کا نشانہ بن کر کیا وہ زندہ رہے گی۔"

"چلو یہاں سے۔"

''نہیں۔'' وہ عبدالقادر کو چھوڑ کر دور جا کھڑا ہوا اس کے اندر الاؤ دہک اٹھا تھا۔ کاش وہ سچ مچ سب کچھ تہس نہس کر سکتا۔ اگر یہ یقین مل جائے کہ اس کی جان کے عوض اس لڑکی کی عصمت محفوظ رہے گی تو وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ان بھارتی درندوں کے سامنے جا کھڑا ہوتا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کے بعد بھی وہ اسے اپنی ہوس کا نشانہ ضرور بنائیں گے۔

''کیسی کڑی آزمائش تھی کہ ہر پل صدیوں پر محیط ہو رہا تھا ہر سو ویرانی، سناٹا اور اندر کہیں اس لڑکی کی سسکیاں دم توڑ رہی تھیں۔''

☆

''اماں سے اس نے چار پانچ روز کا کہا تھا اور ندا اسے اس سے کچھ زیادہ دن لیکن پورے دو مہینے ہو گئے تھے اور گو کہ ندا نے جب بھی اس کے آفس فون کیا، اس کے خیریت سے ہونے کی ہی اطلاع ملی اس کے باوجود وہ خاصی متوحش سی تھی اور اب تو اسے اماں کو سمجھانا اور بہلانا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ کیونکہ شاید ماں ہونے کے ناطے وہ ایک الہامی کیفیت میں مبتلا ہو کر اس کے لئے بہت فکرمند تھیں۔ اٹھتے بیٹھتے اس کی خیریت کی دعائیں مانگتیں، دن میں کتنی بار ندا کو پاس بٹھا کر کہتیں۔''

''مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ اللہ خیر کرے، میرا عمر خیریت سے ہو۔''

''ایسا غیر ذمہ دار تو کبھی نہیں تھا۔'' اس وقت اماں بہت تشویش کا اظہار کر رہی تھیں۔

''چار پانچ روز کے لئے کہیں جانا تو درمیان میں دوبارہ فون کر لینا اور اب مہینے گزر گئے کوئی اطلاع نہیں۔''

''پریشانی کی بات نہیں ہے خالہ جان۔'' روزانہ کی طرح وہ پھر انہیں تسلی دینے بیٹھ گئی۔ ''دراصل اس کا کام ہی ایسا ہے میرا خیال ہے کہیں دیہاتوں میں نکل گیا ہوگا اور آپ کو پتا ہے دیہاتوں میں ٹیلی فون کی کتنی پرابلم ہوتی ہے۔''

''ارے تو خط لکھ دیتا۔ اسے یہ توفیق بھی نہیں ہوئی۔''

''اور اس بات پر وہ بھی خاموش ہو گئی تو قدرے توقف سے اس سے کہنے لگیں۔''

''جاؤ ذرا اس کے دفتر فون کر کے معلوم کرو۔ کب آ رہا ہے۔'' اور وہ اسی بہانے ان کے پاس سے اٹھ گئی۔

''ابھی کل ہی تو اس نے اس کے آفس فون کیا تھا جہاں سے جنید نے اس کی طرف

سے اطمینان تو دلایا لیکن اس کی آمد کے بارے میں وہ بھی یقین سے کچھ نہیں کہہ سکا تھا اور اب بار بار فون کرنا اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا اس لئے کچھ دیر یونہی لابی میں ٹہل کر دوبارہ اماں کے پاس آئی تو اپنی طرف سے کہہ دیا۔''

''بس خالہ جان! ایک دو دن میں آ جائے گا۔''

''اس کے بعد مزید ان کے پاس نہیں رکی۔ فوراً کچن کا رخ کیا۔ اس کا اپنا دل مطمئن نہیں تھا۔ عجیب سی بے چینی تھی کبھی اس پر بے حد غصہ آیا اور کبھی اسی قدر متفکر اور اس وقت تو ایسی بے چینی تھی کہ دل چاہ رہا تھا وہ اسی وقت سامنے آ جائے۔ جانے کتنے زمانے ہو گئے تھے اسے دیکھے ہوئے اور اپنے ان احساسات کو وہ کوئی نام نہیں دے پائی۔''

''رات میں اماں حسب معمول عشاء کی نماز پڑھتے ہی سو گئیں تو کچھ دیر وہ یونہی ادھر سے ادھر ٹہلتی رہی، پھر دھیمی آواز سے ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی، اتفاق سے کشمیر پر ہی کوئی ڈرامہ آ رہا تھا اور اس کا دھیان پہلے ہی اس کی طرف تھا اب ہر ہر منظر میں جیسے وہی نظر آنے لگا۔ گھبرا کر اس نے ٹی وی بند کر دیا۔ اس کے بعد سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے۔''

''نیند بالکل نہیں آ رہی تھی اور بستر پر لیٹ کر کروٹیں بدلنے سے اسے سخت چڑ تھی، وہ بستر پر جاتی ہی اس وقت تھی جب اسے یقین ہوتا کہ وہ لیٹتے ہی سو جائے گی اور ابھی تو دور دور تک ایسا کوئی امکان نہیں تھا۔''

''کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ اس کے کمرے سے دو تین میگزین اٹھا لائی اور انہیں ٹیبل پر رکھ کر پہلے اماں کے کمرے میں جھانکا پھر کچن کی لائٹ آف کی، اس کے بعد بیرونی گیٹ چیک کرنے کی غرض سے برآمدے تک آئی تھی کہ باہر گاڑی رکنے کی آواز پر اس کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا اور ہر طرف خاموشی کے باعث وہ کچھ سہمی ہوئی نظروں سے گیٹ کی طرف دیکھنے لگی۔ گاڑی کے دروازے کھلنے اور بند ہونے کی آواز، اس کے بعد کال بیل پر وہ بھاگ کر گیٹ کے قریب آئی لیکن پھر رک کر پوچھا۔''

''کون؟''

''میں ہوں عمر۔'' اس کے ۔ میں مسافتوں کی تھکن تھی جسے محسوس کر کے اس نے فوراً گیٹ کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی کچھ ٹھٹھک کر پیچھے ہٹ گئی۔ کیونکہ وہ اکیلا نہیں تھا۔ سیاہ چادر میں لپٹی وہ جو کوئی بھی تھی اس دنیا کی باسی نہیں لگ رہی تھی جانے کس دیس سے راستہ بھٹک کر آئی تھی۔ وہ اس کے حسن جہاں سوز میں یوں کھوئی کہ اخلاقی تقاضے نبھانے بھی بھول گئی۔ عمر نے

ایک نظر اسے دیکھا پھر اس ماہ کامل سے بولا۔

''آؤ آمنہ! اندر چلو۔'' انداز ایسا تھا جیسے کسی بچے سے مخاطب ہو پھر دھیرے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر چل پڑا تو وہ ایک دم چونک کر ان کے پیچھے چلتی ہوئی لاؤنج میں آئی اور جب وہ اسے صوفے پر بٹھا چکا تب وہ اسے مخاطب کر کے بولی۔

''کیسے ہو عمر! اتنے دن لگا دیئے۔''

''بس یار۔'' بہت مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ بس اسی قدر کہہ سکا پھر ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگا۔

''اماں سوگئیں کیا؟''

''ہاں اٹھا دوں؟''

''نہیں، وہ بہت سوال کریں گی اور اس وقت میں بہت تھکا ہوا ہوں، ویسے ٹھیک تو ہیں ناں۔''

''ہاں۔'' وہ مختصر جواب دے کر آمنہ کی طرف دیکھنے لگی تو وہ کہنے لگا۔

''اس کے بارے میں، فی الحال میں اتنا کہوں گا کہ یہ آمنہ ہے ہماری مہمان، اگر ہو سکے تو اسے کچھ کھلا پلا دو۔ اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔''

''میں ابھی لاتی ہوں۔'' آمنہ کی بے نیازی پر وہ کچھ حیران ہوتی ہوئی کچن میں آئی۔

''فریج میں دوپہر کا سالن رکھا تھا۔ اس نے وہ گرم کیا پھر ڈبل روٹی کے سلائس گرم کرنے کے ساتھ چائے بھی بنالی۔ اس دوران اس کا ذہن صرف آمنہ میں الجھا رہا اور فطری سی بات تھی، بہت سے سوال اٹھ رہے تھے۔ لیکن وہ جانتی تھی اس وقت عمر اس کے کسی سوال کا جواب نہیں دے گا۔ اس لئے اپنے تجسس پر قابو پا کر اس نے ساری چیزیں ٹرے میں رکھیں اور لاؤنج میں آئی تو عمر خاصے ڈھیلے ڈھالے انداز میں دور تک ٹانگیں پھیلائے بیٹھا تھا جب کہ آمنہ ہنوز اسی انداز میں تھی۔''

''اس وقت جو تھا میں لے آئی۔'' وہ ٹرے ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی تو چائے دیکھ کر عمر فوراً سیدھا ہو بیٹھا

''تھینک یو، چائے کی بڑی شدید خواہش تھی۔''

''پہلے کچھ کھالو۔''

''بس۔ میں صرف چائے پیوں گا البتہ اسے ضرور کھلاؤ۔'' وہ کہہ کر خود ہی اپنے مگ

میں چائے ڈالنے لگا۔ پھر مگ اٹھا کر پیچھے ہٹا تب اس نے ٹرے آمنہ کے سامنے کھینچ دی اور اسے مخاطب کر کے بولی۔

''چلو آمنہ! شروع کرو۔'' اور آمنہ نے جیسے سنا ہی نہیں، اس کی اس قدر لاتعلقی پر وہ کچھ دیر بغور اسے دیکھتی رہی پھر عمر سے پوچھنے لگی۔

''کیا معاملہ ہے؟ یہ سنتی نہیں یا۔''

''یہ اپنے حواس کھو چکی ہے۔'' وہ اتنا بے حس تو نہیں تھا جتنی بے حسی کا مظاہرہ کر گیا تھا۔

''کیا؟'' اسے شدید دھچکا لگا اور وہ انتہائی تاسف سے اس موہنی صورت کو دیکھنے لگی۔ تو شاید وہ اس کے مزید کسی سوال سے بچنے کی خاطر اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کمرے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے بولا۔

''میں سونے جا رہا ہوں ندا۔ تم اسے کھانے کے بعد سلا دینا، باقی باتیں صبح ہوں گی۔''

''اگر کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اس کے پیچھے چیخ کر کہتی کہ میں تمہارے باپ کی نوکر ہوں کیا لیکن اس وقت وہ خود سناٹے میں تھی بہت خاموش اور ایسی ہی متاسف نظروں سے اسے اس کے کمرے میں جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ اس کے بعد بھی کتنی دیر تک یونہی گم صم بیٹھی رہی پھر آمنہ کی طرف متوجہ ہوئی تو بے اختیار اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ اچانک آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی اتر آیا۔ جانے اس لڑکی کی بے بسی یا اس کی بے حسی پر یا اپنے ہی کسی جذبے کے پامال ہونے کا دکھ تھا اور دکھ تو دکھ ہے، اپنا ہو یا پرایا۔ حساس دل تو رونے کو بہانے مانگے۔''

☆

''نیند کے عالم میں وہ جانے خود کو کہاں دیکھ رہا تھا کہ اماں کی آواز پر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا لیکن فوری طور پر یقین نہیں آیا کہ وہ اپنے گھر میں ہے جب ہی کچھ پریشان سا ہو کر بولا۔''

''اماں! آپ یہاں؟''

''کیوں کیا اب میں تمہارے کمرے میں بھی نہیں آ سکتی۔''

''اماں نے بگڑ کر کہا تو اس نے چونک کر ادھر اُدھر دیکھا پھر ایک دم ان سے لپٹ گیا۔''

''ہٹو پرے منہ دیکھے کی محبت جتاتے ہو، اتنے دن خیال نہیں آیا ماں کا اور وہاں وہ لڑکی کون ہے؟''

''ہلکی پھلکی ڈانٹ کے ساتھ اماں نے اپنا آپ چھڑاتے ہوئے پوچھا تو گو کہ ان کا سوال غیر متوقع نہیں تھا اور نہ ہی اسے سچ بتانے میں کوئی عار تھا پھر بھی جانے کیوں وہ اصل صورتحال بتانے سے ہچکچا گیا اور قصداً انجان بن کر بولا۔''

''کون لڑکی؟''

''ارے میں اس کی بات کر رہی ہوں جو رات تمہارے ساتھ آئی ہے۔''

''اچھا وہ۔'' اس نے یاد آنے کی ایکٹنگ کی تبھی ندا چائے لے کر آگئی تو وہ اس سے پوچھنے لگا۔

''آمنہ اٹھ گئی۔''

''ہاں وہ تو اذان کے وقت سے اٹھی ہوئی ہے۔''

''ندا کے بتانے پر اس نے ذرا سے کندھے اچکائے پھر اماں کو منتظر دیکھ کر کہنے لگا۔''

''اماں! یہ لڑکی کشمیر سے آئی ہے۔ بہت مظلوم ہے، بیچاری۔ کوئی نہیں ہے اس کا ماں باپ بھائی بہن سب شہید ہو گئے اور اس صدمے سے یہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی۔''

''ہائے بدنصیب۔'' اماں اس کے دکھ پر آبدیدہ ہو گئیں پھر پوچھنے لگیں۔ ''یہاں کیسے آئی اور تم......تم اسے کہاں سے لائے۔''

''میں۔'' وہ ایک نظر خاموش کھڑی ندا کو دیکھ کر کہنے لگا، ''اسلام آباد سے۔ اس کا ایک عزیز اسے وہاں جس کے پاس چھوڑ گیا تھا، وہ میرا دوست ہے، خاصا پریشان تھا کیونکہ اس کی بیوی اسے رکھنے پر تیار نہیں تھی یوں دوست کی منت سماجت سے مجبور ہو کر میں اسے لے آیا، اگر آپ اجازت دیں گی تو یہیں کسی کونے میں پڑی رہے گی ورنہ دارالامان چھوڑ آؤں گا۔''

''آخر میں اس نے قصداً ایسا انداز اختیار کیا جیسے اس سے کوئی دلچسپی نہ ہو اور اماں کا نرم دل تڑپ گیا۔ ٹوکتے ہوئے بولیں۔''

''کیسی باتیں کرتے ہو، ایسی معصوم اور مظلوم بچی جانے وہ لوگ کیا سلوک کریں اس کے ساتھ، نہیں یہ یہیں رہے گی پھر اچنبھے سے پوچھنے لگیں۔ بولتی نہیں ہے کیا، صبح سے چپ چاپ بیٹھی ہے۔''

''پتا نہیں اماں! شاید صدمے سے اس کی زبان گنگ ہو گئی ہے۔''

''پھر اچانک ندا سے پوچھنے لگا۔ تم تو ڈاکٹر ہو، اس کے بارے میں کیا کہو گی؟''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں، میرا مطلب ہے اس کے حالات جانے بغیر۔''

''یہ تو بتا سکتی ہو کہ وہ ٹھیک ہو جائے گی یا نہیں۔''

''اس بارے میں بھی فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکتی۔ میرا خیال ہے تم اسے سائیکو جسٹ کو دکھا دینا شاید ٹھیک ہو جائے۔''

''ندا نے دلچسپی ظاہر کرنے کے ساتھ مشورہ بھی دیا تو پرسوچ انداز میں سر ہلانے کے بعد وہ اماں سے کہنے لگا۔''

''اماں! آپ اس کا خیال رکھئے گا۔ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے، میرا مطلب ہے بہت بے ضرر لڑکی ہے۔ کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔''

''ارے جس کا اپنا اتنا نقصان ہو گیا ہو، وہ بیچاری کسی کو کیا نقصان پہنچائے گی۔''

''اماں افسوس سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں پھر جاتے جاتے اسے جلدی منہ ہاتھ دھونے اور ناشتہ کرنے کی تاکید کرتی گئیں اور ان کے جاتے ہی ندا اس سے پوچھنے لگی۔''

''پورے دو مہینے تم کشمیر میں رہے یا کہیں اور چلے گئے تھے۔''

''وہیں تھا۔'' وہ مختصر جواب دے کر اٹھ کھڑا ہوا اور جانے لگا کہ وہ راستہ روک کر بولی۔

''سنو خالہ جان کو تم نے کہانی گھڑ کے سنائی اور انہوں نے یقین بھی کر لیا لیکن میں سچ سنوں گی۔''

''سچ تو تمہیں معلوم ہے، جانے سے پہلے ہی میں نے تمہیں سچ بتایا تھا کہ میں۔''

''میں آمنہ کی بات کر رہی ہوں۔'' وہ فوراً ٹوک کر بولی۔

''اس کے بارے میں ابھی میں نے جو کہا وہی سچ ہے۔''

''وہ کہتا ہوا کمرے سے نکل آیا۔ برآمدے میں اماں اور بوا دونوں آمنہ کو گھیرے بیٹھی تھیں اس نے کچھ دیر رک کر اسے دیکھا پھر بوا کو ناشتہ بنانے کا کہہ کر نہانے چلا گیا۔ اس وقت یوں بھی وہ بہت جلدی میں تھا۔''

''ندا کی بے چینی جو اس سے پورے دو مہینے کی روداد سننے کے سلسلے میں تھی، محسوس کرنے کے باوجود وہ اسے بھی ٹال گیا اور اماں کو بھی آمنہ کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں دے سکا۔ نہانے کے بعد بہت عجلت میں ناشتہ کیا اور آفس کے لئے روانہ ہو گیا۔''

☆

''گو کہ یہاں سے وہ آفس کے کام سے ہی گیا تھا اور وہ کام تو اس کا ہفتے بھر میں ہی

ہو گیا تھا، اس کے بعد کا سارا وقت وہ سرینگر اور بارہ مولا میں اپنی مرضی سے رکا تھا، وہ بھی آمنہ کی وجہ سے لیکن آفس میں وہ یہ جواز پیش کر کے آمنہ کو موضوع نہیں بنانا چاہتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ہر شخص اپنی ذہنی سطح کے مطابق سوچتا ہے اور اس بارے میں اس نے پہلے ہی سوچ لیا تھا کام کے دلوں کے علاوہ باقی ایام کی اس نے آفس جاتے ہی چھٹی منظور کرا لی اس کے بعد جس کسی نے بھی اس سے اتنے دنوں غیر حاضری کی وجہ پوچھنی چاہی اس نے بڑے آرام سے کہہ دیا۔ میں چھٹی پر تھا البتہ جنید کو اس نے ساری حقیقت کہہ سنائی۔ کیونکہ وہ اس کا بہت قریبی دوست تھا پھر اسی سے مشورہ مانگا کہ وہ آمنہ کا کیا کرے تو کتنی دیر سوچنے کے بعد جنید کہنے لگا۔''

''دیکھو دوست! جب تم اسے لے آئے ہو تو اب وہ سراسر تمہاری ذمہ داری ہے جو تمہیں پوری ایمانداری سے نبھانی ہے اس کا علاج کراؤ ٹھیک ہو جائے تو کسی اچھی جگہ شادی کر دو۔''

''ہوں......'' بات اس کی سمجھ میں آتی تھی لیکن یہ سب اتنا آسان بھی نہیں تھا جب ہی جنید سے اتفاق کرنے کے باوجود وہ اندر ہی اندر الجھتا رہا تھا۔

''شام میں وہ گھر لوٹا تو معلوم ہوا، ندا اپنے گھر جا چکی ہے اور ظاہر ہے اسے تو جانا ہی تھا لیکن اس وقت وہ بری طرح جھنجھلا گیا کیونکہ اندر شدید گھٹن کے باعث وہ خاصا ڈیپریس تھا اور ندا صرف کزن ہی نہیں بہت اچھی دوست بھی تھی، وہ اس سے باتیں کر کے اپنی اندر کی گھٹن سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا جبھی اس کے جانے کا سن کر جھنجھلا گیا۔''

''پھر خیال آیا شاید اس سے خفا ہو کر گئی ہے کیونکہ وہ رات سے مسلسل اس کے فطری تجسس کو نظر انداز کر رہا تھا اور وہ بھی کیا کرتا ذہنی طور پر اتنا اپ سیٹ تھا کہ ابھی تک خود اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ حالات اسے کس موڑ پر لے آئے ہیں۔''

''کھانا کھاؤ۔'' بوا جانے کب اس کے سامنے کھانا رکھ گئی تھیں۔ وہ اپنی سوچوں میں گم تھا اماں نے ٹوکا تو چونک کر دیکھنے لگا پھر نظر ان کے پاس بیٹھی آمنہ پر پڑی ویسی ہی بے نیاز اور لاتعلق جیسی وہ گزشتہ ڈیڑھ مہینے سے دیکھ رہا تھا اگر اس سے پہلے وہ اس سے نہ ملا ہوتا تو یہی سمجھتا کہ وہ ہمیشہ سے ایسی ہی ہے پیدائشی گونگی بہری۔ لیکن وہ اس کی آواز سن چکا تھا جو ابھی بھی اس کی سماعتوں میں محفوظ تھی۔

''شکر کرو، زندہ بچ گئے ہو۔ زخموں کا کیا ہے بھر ہی جاتے ہیں لیکن اگر جان چلی جائے تو۔''

''اور جو زخم اسے لگائے گئے ہیں وہ تو بھرنے والے نہیں ہیں۔''

''اس سوچ کے ساتھ ہی وہ کھانا کھائے بغیر اٹھ کھڑا ہوا تو اماں نے تعجب کے اظہار کے ساتھ کہا۔''

''کیا بات ہے۔ کھانا تو کھا لو''

''بس اماں! بھوک نہیں ہے۔'' وہ جلدی سے کہہ کر لابی میں آگیا اور ندا کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ دوسری طرف خالہ تھیں، اس کی آواز سنتے ہی یوں شروع ہوئیں کہ حسب عادت بات سے بات نکالتی گئیں۔

''ہائیں! اس بار تم نے اتنے دن لگا دیئے اسلام آباد میں، پیچھے اماں کا خیال بھی نہیں آیا۔ اب تم شادی کر لو تاکہ تمہاری اماں کو بھی آرام ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔''

''وہ بس جی جی کرتا رہا جیسے ہی وہ خاموش ہوئیں کہنے لگا۔''

''خالہ! ذرا ندا سے بات کرا دیں۔''

''اور شکر کہ انہیں کوئی کام یاد آگیا جو فوراً ندا کو بلا کر ریسیور اس کے حوالے کر کے چلی گئیں اور وہ ندا کی آواز سنتے ہی پوچھنے لگا۔''

''سنو خفا ہو کیا؟''

''یہ خیال کیوں آیا تمہیں؟'' وہ الٹا اس سے پوچھنے لگی۔

''گھر جو چلی گئیں۔''

''کیا اب بھی نہ آتی، میرا مطلب ہے گھر تو مجھے آنا تھا اور اس سے میری خفگی تو ظاہر نہیں ہوتی پھر تم نے کیسے سوچ لیا۔''

''وہ اس کے ٹوکنے پر گہری سانس کھینچ کر بولا۔''

''بس یونہی خیال آیا تھا۔''

''اچھا خیر یہ بتاؤ۔ آمنہ کیسی ہے؟''

''اتنی سی دیر میں اس میں کیا تبدیلی آسکتی ہے۔''

''ہاں دھیرے دھیرے ہی نارمل ہو گی پھر بھی تم اسے فوراً کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤ۔''

''ندا کی بات سن کر وہ خاموش ہو گیا۔ پھر قدرے توقف سے پوچھنے لگا۔''

''سنو، تم کب آؤ گی؟''

''کیوں پھر کہیں جا رہے ہو کیا؟''

''نہیں۔'' وہ اس کی بات پر جز بز ہو کر بولا جس پر وہ ذرا سا ہنسی پھر کہنے لگی۔

''ابھی نہیں آسکتی کیونکہ میری سارے دن کی ڈیوٹی ہے۔''

''جاب کر رہی ہو، کب سے؟'' اس نے تعجب سے پوچھا۔

''ابھی پندرہ دن ہوئے ہیں۔ سول ہسپتال میں ہوں خالہ جان نے نہیں بتایا تمہیں۔''

''کب بتائیں۔ صبح تمہارے سامنے ہی آفس چلا گیا تھا ابھی لوٹا ہوں اور تمہیں نہ پا کر پہلا خیال یہی آیا کہ کہیں تم خفا ہو کر تو نہیں چلی گئیں۔''

''اگر میں سچ مچ خفا ہو کر آتی تو تم کیا کرتے؟''

''کیا کرتا، دل پر ایک اور بوجھ آن گرتا۔''

''اور...... بوجھ'' وہ پوچھ رہی تھی لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ریسیور رکھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

☆

''پھر کتنے بہت سارے دن بے انتہا مصروفیت میں گزر گئے۔ اتنے دنوں کی غیر حاضری کے باعث آفس میں اتنا کام جمع ہو گیا تھا وہ صبح کا گیا رات میں لوٹتا، اماں خصوصاً آمنہ کے بارے میں کوئی بات کرنا چاہتیں یا اس کے علاج کی طرف اس کی توجہ دلانا چاہتیں تو وہ یہ کہہ کر ٹال جاتا کہ کچھ دن صبر کریں، میں دفتری کام نمٹا لوں پھر اطمینان سے اسے کسی اچھے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گا اور اماں نے زیادہ زور یوں نہیں دیا کہ ایک تو انہیں اس بے ضرر لڑکی کی طرف سے کسی پریشانی یا دشواری کا سامنا نہیں تھا۔ دوسرے اس کی مصروفیت بھی دیکھ رہی تھیں کہ صبح کا گیا رات میں لوٹتا ہے۔''

''اس وقت بھی وہ تھکا ہارا آ کر لاؤنج میں بیٹھا تھا کہ نیچے فرش پر بیٹھی آمنہ کو دیکھ کر ایک پل کو اس کا پورا وجود سن ہو کر رہ گیا پھر جیسے خود کو سہارا دے کر اٹھا اور اس کے قریب آ کر پنجوں پر بیٹھتے ہوئے بولا۔''

''آمنہ! یہاں کیوں بیٹھی ہو۔'' جواب میں اس نے کوئی حرکت نہیں کی بلکہ جیسے اس کی آواز سنی ہی نہیں تب اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا پھر مٹھی میں لے کر دھیرے سے دبایا تو وہ بہت خاموش نظروں سے اسے دیکھنے لگی اور بالکل غیر ارادی طور پر وہ بھی چپ چاپ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ لانبی پلکوں کے اندر کس قدر گہرائی تھی اور وقت کا جانے کون سا لمحہ تھا کہ وہ ان گہرائیوں میں اترتا چلا گیا۔

''عمر!'' اماں پکارتی ہوئی شاید اسی طرف آ رہی تھیں، تب وہ چونک کر اس طرف دیکھنے لگا۔ لیکن اس کا ہاتھ ابھی بھی اس کے ہاتھ میں تھا اماں آئیں تو اسے دیکھ کر کہنے لگیں۔

''بیٹا! یہ صبح سے یہیں بیٹھی ہے۔ کچھ کھایا پیا بھی نہیں، اس طرح تو یہ مر جائے گی اگر تم اس کا علاج نہیں کرا سکتے تو پھر چھوڑ آؤ دارالامان۔''

''نہیں اماں بس کل، کل چھٹی کا دن ہے۔ میں لے جاؤں گا اسے ڈاکٹر کے پاس۔''

وہ اپنی بدلتی کیفیت کے سبب کچھ رک رک کر بول سکا۔

''اچھا ابھی تو اسے کچھ کھلاؤ۔''

''جی میں ذرا چینج کر لوں۔'' وہ کہتا ہوا اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

''پھر اماں کے ساتھ مل کر وہ بہت مشکل سے اسے تھوڑا سا کھانا کھلا سکا۔ کچھ سنتی بھی تو نہیں تھی بلکہ سن کر بھی اس کا کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوتا تھا، اپنے آپ پتا نہیں کیا سوچتی تھی یا شاید اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ہی مفقود ہو گئی تھیں۔''

''اس رات وہ کتنی دیر تک خود کو ملامت کرتا رہا کہ اس طرح کیسے اس نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا، وہ لڑکی اگر اسے اپنے گھر میں پناہ نہ دیتی تب بھی انسانیت کے ناطے اس کا فرض تھا اور فرض سے غفلت کے احساس نے اچانک اسے بہت بے چین کر دیا تھا۔''

''صبح ناشتے کے بعد ہی اس نے سوچا وہ پہلے خود ڈاکٹر سے مل کر وقت لے کر آئے اس کے بعد اسے ساتھ لے جائے گا اور ابھی وہ تیار ہو رہا تھا کہ ندا آ گئی اسے دیکھ کر وہ کہنے لگا۔''

''مجھے ابھی ابھی تمہارا خیال آیا تھا، اچھا ہوا تم آ گئیں۔''

''خیریت۔'' اس نے پوچھا پھر فوراً خود ہی کہنے لگی۔

''نہیں خیریت نہیں ہو سکتی، کیونکہ خیریت میں تمہیں میرا خیال نہیں آتا۔''

''ایسی بات تو نہیں کرو یار۔''

''اچھا چھوڑو، کام بتاؤ۔'' وہ اس کی خجالت نظرانداز کر گئی۔

''آمنہ کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے، اس سلسلے میں میری کچھ مدد کرو۔ میرا مطلب ہے کسی ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں سائیکولوجسٹ یا پہلے جنرل فزیشن کو دکھاؤں۔''

''اس نے سنجیدگی سے مشورہ طلب کیا تو فوراً جواب دینے کے بجائے ندا کچھ تعجب سے اسے دیکھنے لگی۔''

"اس طرح کیا دیکھ رہی ہو۔" اس کے ٹوکنے پر وہ اسی تعجب سے بولی۔

"یعنی ابھی تک تم نے اسے کسی ڈاکٹر کو نہیں دکھایا۔"

"اب تم مجھے ملامت کرنے بیٹھ جاؤ۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے۔" اس کے جھنجھلانے پر وہ بھی خفگی سے بولی پھر اٹھتے ہوئے پوچھا۔ "کہاں ہے آمنہ؟"

"اماں کے کمرے میں ہے رات اسے کچھ حرارت ہوگئی تھی، ابھی پتا نہیں۔"

"وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے کمرے سے نکل گئی اور وہ بھی پیچھے پیچھے چلا آیا۔ اماں کے کمرے میں وہ چپ چاپ لیٹی تھی اور اماں اس کا ماتھا چھو کر دیکھ رہی تھیں۔ ندا نے سلام کرنے کے ساتھ ہی پوچھا۔"

"کیا ابھی بھی اسے بخار ہے۔"

"ہاں مجھے تو تیز لگ رہا ہے۔ تم دیکھو۔" اماں تشویش سے کہتی ہوئی پیچھے ہٹیں تو ندا نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی تھام لی بخار تو تھا ہی اس کے بعد نبض پر ہاتھ رکھتے ہی ندا کچھ ٹھٹک سی گئی۔ پھر فوراً اسے مختلف زاویوں سے چیک کرنے لگی۔ اس کے اندر میں کچھ ایسی عجلت تھی جیسے ایک پل میں اس کے اندر اتر جانا چاہتی ہو پھر جیسے ہی اسے چھوڑ کر سیدھی کھڑی ہوئی، وہ کچھ چھیڑنے کے انداز میں بولا۔

"جی ڈاکٹر صاحبہ!" کوئی نئی بیماری دریافت ہوئی۔

"جواب میں اس نے شاکی نظروں سے دیکھا پھر اماں سے کہنے لگی۔"

"خالہ جان! اس کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی میں بھگو کر کپڑا رکھیں، بخار اتر جائے گا، باقی میں دوا لکھ دیتی ہوں۔"

"اماں اس کی بات سنتے ہی کمرے سے نکل گئیں تو اس بار وہ بھی تشویش سے پوچھنے لگا۔"

"کیا بخار تیز ہے؟"

"بخار اتنا تیز نہیں ہے۔" ندا جیسے اپنے آپ سے بولی اور اسکے اس انداز پر وہ بری طرح الجھ کر چیخا۔

"پھر......؟"

"شی از پریگنٹ۔" ندا کے متاسف لہجے میں اور جانے کیا تھا کہ ایک پل کو اسے اپنے

وجود کے پرخچے اڑتے محسوس ہوئے یہاں وہاں ہر طرف جیسے بگولے اٹھ رہے تھے۔ ندا کی تیز کاٹتی ہوئی نظریں، اف اس کے پیروں تلے سے زمین کھسکنے لگی۔ اب وہ اس لڑکی کے سامنے صفائیاں پیش کرے گا۔ اس خیال سے ہی اس کی پیشانی تر ہوگئی۔ ندا کو کمرے سے نکلتے دیکھ کر وہ ایک دم سناٹے سے نکل کر اس کے پیچھے لپکا، آگے اماں ٹھنڈے پانی سے بھرا کٹورا لئے آرہی تھیں۔ وہ ان سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

"یہ تم اتنے بوکھلائے ہوئے کیوں ہو؟"

"نہیں تو۔" وہ واقعی بوکھلا گیا پھر ایک دم سنبھل کر کہنے لگا۔

"کوئی تشویش کی بات نہیں ہے اماں! آمنہ کا بخار ابھی اتر جائے گا۔ آپ جب تک ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھیں، میں ندا کے ساتھ ڈاکٹر سے ٹائم لے کر آتا ہوں اور ہاں اس کی دوا بھی لیتا آؤں گا۔"

"اچھی بات ہے۔" اماں کمرے میں چلی گئیں تو وہ ندا کی طرف دیکھے بغیر آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" وہ چپ چاپ اس کے پیچھے چلی آئی حالانکہ جانتی تھی کہ اب وہ کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں جائے گا پھر اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھتے ہی کہنے لگی۔

"میرا خیال ہے عمر! فی الحال آمنہ کو کسی ڈاکٹر کو دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"فی الحال سے تمہاری کیا مراد ہے؟" وہ بہت حد تک خود پر قابو پا چکا تھا اور اب اس کی پیشانی پر سوچ کی لکیریں تھیں۔

"ڈیلیوری تک۔" ندا نے بظاہر عام سے لہجے میں کہا تو وہ ہوں کہہ کر جانے کس سوچ میں گم ہوگیا۔ کتنی دیر گزر گئی تب اس کی خاموشی سے ندا کو الجھن ہونے لگی، چاہتی تھی وہ خود سے ہی کوئی اعتراف کرے لیکن اسے آمادہ نہ دیکھ کر بالآخر خود ہی افسوس سے بولی۔

"تمہیں کم از کم مجھ سے نہیں چھپانا چاہئے تھا۔"

"کیا......!" اس نے اپنے خیال سے چونک کر دیکھا تو وہ ذرا سے کندھے اچکا کر بولی۔

"یہی کہ تم آمنہ سے شادی کر چکے ہو؟" اور جانے کیسے وہ اتنے ضبط کا مظاہرہ کر گیا۔ اس کی بات کا فوری کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوا نہ ہی کچھ بولا، لیکن جب ایک ریسٹورنٹ کے پرسکون گوشے میں اس کے سامنے بیٹھا تو اس بات کے جواب میں کہنے لگا۔

"کاش! یہی سچ ہوتا اور اس سچ کو میں پہلے ہی مرحلے پر بہت خوشی سے بیان کرتا کہ

میں آمنہ سے شادی کر چکا ہوں۔‘‘

’’کیا مطلب؟‘‘ وہ الجھ کر دیکھنے لگی تو قدرے رک کر اس نے آمنہ کے ساتھ ہونے والا بھارتی فوج کے ظالمانہ سلوک کا سارا واقعہ کہہ سنایا اس کے بعد کہنے لگا۔

’’اس روز سرینگر میں میرا کام ختم ہو چکا تھا عبدالقادر نے بہت کہا کہ میں واپس چلا جاؤں، کیونکہ کشمیر کی بیٹیوں کے ساتھ یہ مظالم کوئی نئی بات نہیں تھی اور یہ تو میں بھی جانتا تھا، اس کے باوجود میرا دل کسی طرح بھی آمنہ کو یوں بے آسرا چھوڑ آنے پر آمادہ نہیں ہوا اور سچ پوچھو تو میرا ارادہ اسے اپنے ساتھ لانے کا بھی نہیں تھا اسی لئے کشمیر میں میرا قیام طویل ہو گیا، بس وہیں اس کوشش میں لگا رہا کہ یہ کسی طرح نارمل ہو جائے۔ اگر ذرا سا بھی یہ اپنے حواسوں میں آجاتی تو میں اسے چھوڑ کر آجاتا لیکن۔‘‘

’’وہ خاموش ہو کر کتنی دیر تک نفی میں سر ہلاتا رہا پھر گہری سانس کھینچ کر بولا۔‘‘

’’بہت ظلم ہے، اب بتاؤ وہ لڑکی جسے اپنا ہوش نہیں وہ۔‘‘

’’وہ اس کی بات سمجھ کر گلاس وال سے باہر دیکھنے لگی۔ پتا نہیں دور دور تک ایسی ہی ویرانی تھی یا اسے محسوس ہو رہی تھی۔ کتنی دیر بعد اس کے سگریٹ سلگانے پر وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تو اسی قدر کہہ سکی۔‘‘

’’چلیں۔‘‘

’’پہلے اس مسئلے کو تو حل کرو۔‘‘

’’کون سے مسئلے کو۔‘‘ وہ واقعی نہیں سمجھی جس سے وہ جز بز ہو کر بولا۔

’’آمنہ، میں آمنہ کی بات کر رہا ہوں۔ اسے اس مصیبت سے چھٹکارا دلاؤ۔‘‘

’’ایک لمحہ کو اسے اپنے اندر سرد لہر دوڑتی محسوس ہوئی، بمشکل اس نے خود کو جھرجھری لینے سے روکا اور نظریں چرا کر بولی۔‘‘

’’یہ ممکن نہیں ہے۔‘‘

’’کیوں...... کیوں ممکن نہیں، تم ڈاکٹر ہو۔‘‘ اس کے تیز لہجے پر وہ بھی چیخ کر بولی۔

’’ڈاکٹر ہوں اسی لئے کہہ رہی ہوں کہ اب یہ ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ وہ پانچ ماہ کی حاملہ ہے اور اب ایسی کوئی بھی کوشش آمنہ کی جان لے سکتی ہے۔‘‘

’’مائی گاڈ۔‘‘ اس نے اپنا سر تھام لیا تو قدرے توقف سے وہ اسے الزام دیتے ہوئے بولی۔

’’یہ سب تمہاری غفلت کا نتیجہ ہے۔ اس سے اچھا تھا تم اسے وہیں چھوڑ آتے۔‘‘ اس کے شاکی نظروں سے دیکھنے پر کہنے لگی۔

’’ٹھیک کہہ رہی ہوں میں، اب کیا ہر ایک کے سامنے اس کی بے آبروئی کی داستان دوہراؤ گے نہیں عمر میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گی۔‘‘

’’اچانک اس کی آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی اتر آیا۔ جسے روکنے کی خاطر اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا جب کہ وہ حیران سا ہو کر سمجھنے کی کوشش کرنے لگا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے اور خود پر قابو پانے کے بعد کہنے لگی۔‘‘

’’ایسے واقعات کی تشہیر نہیں کی جاتی عمر! بلکہ انہیں ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا جاتا ہے۔‘‘

’’میں جانتا ہوں لیکن جو واقعہ خود اپنے ہونے کا اعلان کر رہا ہو، اسے ہم کیسے چھپا سکتے ہیں۔‘‘ اس کا اشارہ بچے کی طرف تھا۔

’’وہ سمجھ کر سوچ میں پڑ گئی پھر ایک حل سوچنے پر اسے دیکھ کر بولی۔‘‘

’’نو پرابلم، اب تمہیں یہ کہنا ہے کہ آمنہ میرڈ تھی اور باقی گھر والوں کے ساتھ اس کا شوہر بھی شہید ہو چکا ہے۔‘‘

’’وہ اس کی بات سن کر پرسوچ انداز میں سر ہلاتے ہوئے ذرا سا مسکرایا تھا۔‘‘

’’اماں اس انکشاف پر کہ آمنہ شادی شدہ بلکہ اب بیوہ اور مزید بچے کی ماں بھی بننے والی ہے، اس سے بری طرح لتاڑنے لگیں کہ اس نے انہیں پہلے کیوں نہیں بتایا۔ یعنی انہیں افسوس ہو رہا تھا کہ اس یتیم اور بیوہ کے ساتھ ان سے انجانے میں کوئی زیادتی تو نہیں ہو گئی، جس کے لئے انہیں خدا کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا جب ہی اس پر بگڑ رہی تھیں کہ اگر وہ انہیں پہلے ہی بتا دیتا تو وہ اسی حساب سے اس کا خیال رکھتیں۔‘‘

’’ہائے بچی بیچاری کچھ بولتی نہیں پتا نہیں۔ اس کا کب کیا کھانے کو دل چاہتا ہو گا، ایسی حالت میں تو کچھ اچھا بھی نہیں لگتا۔‘‘

’’وہ چپ چاپ ان کی ڈانٹ پھٹکار سنتا رہا کیونکہ یہ اطمینان جو ہو گیا تھا کہ اماں نے بغیر کوئی شبہ ظاہر کئے اس کی بات کا یقین کر لیا تھا۔ پھر ان کے خاموش ہونے پر کچھ صفائی پیش کرنے کا خیال آیا تو کہنے لگا۔‘‘

’’میں نے آپ کو بتایا تھا اماں کہ اس کے ماں، باپ، بھائی، شوہر سب شہید ہو گئے۔ آپ نے شاید ٹھیک سے سنا نہیں ہو گا۔‘‘

''ہاں......!'' اماں اس کے دکھ کو نئے سرے سے محسوس کرتے ہوئے کڑھنے لگیں۔
''کتنی معصوم بچی ہے، ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے، اتنے پہاڑ جیسے دکھ جھولی میں آن گرے۔''

''اور شاید یہ بھی اچھا ہے کہ اپنے حواسوں میں نہیں ہے ورنہ دیواروں سے سر ٹکراتی مرجاتی۔''

''رب تعالیٰ کی مصلحت جانتے ہوئے اس نے سوچا اور بے حد خاموش نظروں سے دور بیٹھی اس لڑکی کو دیکھنے لگا۔''

☆

''پھر کتنے دن گزر گئے، فی الحال آمنہ کی طرف سے قصداً لاپروا ہو گیا۔ اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانے، لانے کی ذمہ داری ندا کو سونپ دی۔ ویسے وہ خود ڈاکٹر تھی، زیادہ تر خود ہی اسے چیک کر لیتی۔ باقی اس کا خیال رکھنے کو اماں موجود تھیں بلکہ انہیں تو جیسے معروفیت ہاتھ آگئی تھی سارا دن اس کے ساتھ لگی رہتیں اور وہ ان چار مہینوں میں بہت حد تک اماں سے مانوس ہو گئی تھی۔ ان کی باتیں غور سے سنتی اور جو وہ کہتیں اس پر عمل کرتی لیکن ابھی تک اس کی خاموشی نہیں ٹوٹی تھی۔ جس پر پہلے اسے شبہ اور اب یقین ہو چلا تھا کہ وہ قوت گویائی سے محروم ہو چکی ہے ورنہ کسی وقت تو وہ بے اختیار ہو کر کچھ بول سکتی تھی۔ جب ہی اس طرف سے تقریباً مایوس ہو کر وہ سوچتا تھا کہ شاید ڈاکٹر بھی اس کی گویائی واپس نہیں لا سکیں گے اور یہ تھی تو تشویش کی بات لیکن وہ کیا کر سکتا تھا۔''

''اور ان دنوں تو وہ یوں بھی اس سے خائف رہنے لگا تھا جانے کیوں اسے دیکھ کر عجیب سا احساس ہوتا۔ اس کی پہلی کوشش یہی ہوتی کہ اس سے سامنا نہ ہو لیکن ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے یہ ممکن نہیں تھا، سامنا ہوتا اور وہ فوراً نظریں چرا لیتا۔ ابھی تک وہ خود نہیں سمجھ پایا تھا کہ وہ کس بات سے خائف ہے۔''

''اس وقت کھانے کے بعد گو کہ اس کا دل چاہ رہا تھا کوئی ہلکی پھلکی مووی دیکھے لیکن اس کی وجہ سے اپنے کمرے میں چلا آیا اور ابھی پڑھنے کے لئے کوئی کتاب منتخب کر رہا تھا کہ اماں نے پکار لیا، وہ ان کے کمرے میں آیا تو پہلی نظر اسی پر پڑی۔ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے وہ یوں بیٹھی تھی جیسے اس کی آمد سے پہلے اماں کے ساتھ دنیا جہان کی باتیں کرتی رہی ہو۔ جب ہی اس نے کچھ ٹھٹھک کر اسے دیکھا پھر اپنے گمان کی تصدیق کی خاطر اماں سے پوچھنے لگا۔''

''کیا بات ہے اماں، کچھ کہہ رہی ہے آمنہ۔''

''آمنہ!'' اماں نے حیران ہو کر اسے دیکھا پھر گہری سانس کے ساتھ بولیں۔ ''یہ بچاری کیا کہے گی۔ تم بیٹھو، مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔''

''جی!'' وہ قدرے تکلف سے اماں کے پاس بیٹھا اور سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا تو اماں بغیر کسی تمہید کے کہنے لگیں۔

''دیکھو، میں اس انتظار میں تھی کہ ندا پڑھائی سے فارغ ہو لے اب تم ہامی بھر دو تو میں بات چھیڑوں۔''

''کیا بات؟'' وہ سمجھ کر بھی انجان بن گیا جس پر اماں بگڑ کر بولیں۔

''کوئی اتنے ناسمجھ نہیں ہو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تمہاری شادی کی بات کر رہی ہوں۔''

''اس نے اب خاموشی اختیار کر لی تو اماں ندا کی خوبیاں گنوانے لگیں۔''

''ندا پڑھی لکھی، سمجھ دار لڑکی ہے۔ ماشاء اللہ خوبصورت بھی ہے پھر گھر کی دیکھی بھالی لڑکی ہے، عادت کی بھی اچھی ہے۔''

''مجھے ان ساری باتوں سے انکار نہیں ہے۔ اماں'' اماں سانس لینے کو رکی تھیں کہ وہ بول پڑا۔

''اس میں کوئی شک نہیں ندا واقعی بہت اچھی لڑکی ہے۔''

''پھر میں بات چھیڑوں ناں۔'' اماں کی بے صبری پر وہ جز بز ہو کر بولا۔

''نہیں۔''

''کیوں نہیں۔''

''بس ابھی مجھے شادی نہیں کرنی۔''

''ابھی نہیں تو کیا بڈھے ہو کر کرو گے؟'' اماں پہلے بگڑیں پھر ایک دم نرم پڑ کر کہنے لگیں۔

''میں کون سا فوراً شادی کی بات کر رہی ہوں تیاری میں بھی کچھ وقت لگے گا البتہ بات ابھی پکی کر لیتے ہیں کیونکہ اس روز تمہاری خالہ بتا رہی تھیں، ندا کے لئے دو تین رشتے آئے ہوئے ہیں۔ ایسا نہ ہو تمہارے خالو کہیں ہامی بھر لیں۔''

''تو بھرنے دیں انہیں ہامی۔'' اس کے اطمینان سے کہنے پر اماں بری طرح تپ گئیں۔

''وہ کہیں اور ہامی بھر لیں اور تم۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا یعنی اس ساری دنیا میں ایک ندا ہی ہے اور کوئی لڑکی نہیں

ملے گی آپ کو۔"

"لڑکیاں بہت لیکن میں ندا کو بہو بنانا چاہتی ہوں۔" اماں نے حتمی انداز میں جتایا تو وہ سر جھکا کر بولا۔

"اگر آپ صرف اپنی خواہش پوری کرنا چاہتی ہیں تو آپ کی مرضی، مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔ جب چاہیں اسے بہو بنا کر لے آئیں۔"

"اماں اس کی بات پر خاموش ہوگئیں پھر آمنہ کو مخاطب کر کے کہنے لگیں۔"

"چلو بیٹی! اب سو جاؤ۔ بہت رات ہوگئی ہے۔"

"اور وہ جو اس وقت سے اسے نظر انداز کئے بیٹھا تھا، بالکل غیر ارادی طور پر اسے اماں کی بات پر فوری عمل کرتے ہوئے دیکھنے لگا۔"

"وہ خاموشی سے اٹھی اور اپنی جگہ پر جا کر لیٹ گئی تب وہ بھی اٹھ کر باہر آگیا۔ اماں کے حساب سے بہت رات ہوگئی تھی جب کہ ابھی دس بھی نہیں بجے تھے۔"

"وہ لاؤنج میں آیا اور ہلکی آواز میں ٹی وی آن کر کے بیٹھ گیا۔ اماں نے ابھی جو موضوع چھیڑا تھا، وہ اس طرف سے دھیان ہٹانا چاہتا تھا اور ادھر سے دھیان ہٹا تو سکرین پر نظر آنے والے مناظر میں الجھ گیا۔ غالباً کشمیر میگزین دکھایا جارہا تھا وہی سب جو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا تھا اور جب بیک گراؤنڈ میں مغنیہ کی فریاد کرتی آواز گونجی۔"اے دنیا کے منصفو! تو اس نے اٹھ کر ٹی وی بند کر دیا۔"

"اور جیسے ہی پلٹا، آمنہ کو کھڑے دیکھ کر ایک پل کو وہ اپنی جگہ سن ہوگیا۔ جانے کب وہ اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی نظریں ٹی وی سکرین پر جمی تھیں فوراً سنبھلتے ہوئے اس نے سوچا دوبارہ ٹی وی آن کر دے شاید اپنے لوگوں کو دیکھ کر اس کے سوئے ہوئے اعصاب جاگ جائیں لیکن اپنی سوچ کی نفی کرتا ہوا وہ اس کے قریب چلا آیا۔"

"کیا بات ہے آمنہ! نیند نہیں آرہی؟"

"جواب میں اس نے اپنی نظریں اس کی آنکھوں میں اتار دیں تو وہ گڑبڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔ ایسے ہی لمحوں سے وہ خائف رہتا تھا جب اچانک وہ اس کے لئے آزمائش بن جاتی تھی۔"

"جاؤ، تمہیں اماں بلا رہی ہیں۔" وہ کہتا ہوا اپنے کمرے میں آگیا۔ اس کے بعد کتنی دیر تک وہ اس کی آہٹیں سنتا رہتا تھا۔

☆

"اگلے روز آفس سے جلدی نکل کر سیدھا ندا کے ہسپتال پہنچ گیا اور اسے ساتھ لے کر گھر آیا۔ راستے میں وہ پوچھتی رہ گئی کہ ایسی کیا بات ہے لیکن وہ ٹال گیا، البتہ گھر آتے ہی کہنے لگا۔"

"میں تمہیں آمنہ کی بابت بتانا چاہتا ہوں۔ رات میں نے ایک بات نوٹ کی۔"

"کیا.....؟"

"رات ٹی وی پر کشمیر میگزین آرہا تھا، آمنہ بہت غور سے دیکھ رہی تھی لیکن اس وقت مجھے پتا نہیں چلا اور میں نے فوراً ٹی وی بند کر دیا پھر بعد میں خیال آیا شاید اپنے لوگوں کو دیکھ کر اس کے اعصاب بیدار ہو جائیں کیا ایسا ممکن ہے؟"

"آخر میں اس نے سوال اٹھایا تو ندا ذرا سے کندھے اچکا کر بولی۔"

"ہوسکتا ہے لیکن اس میں ایک خطرہ بھی ہے۔"

"کیا.....؟"

"ابھی تو تم دیکھ رہے ہو، اسے کسی بات کا ہوش نہیں لیکن جب سوچنے سمجھنے کے قابل ہوگی تو اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی پر مسلسل ذہنی انتشار کا شکار ہو جائے گی اور ایسی حالت میں اسے ذہنی اذیت میں مبتلا کرنا ٹھیک نہیں ہے۔" ندا ڈاکٹری نقطہ نظر سے بات کر رہی تھی اور وہ سمجھ کر کہنے لگا۔

"چلو دو تین مہینے کی بات ہے، اس کے بعد ہم خود اسے وہ فلم دکھائیں گے جو میں نے بنائی ہے۔"

"ندا نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا پھر اٹھتے ہوئے بولی۔"

"میں خالہ جان سے مل لوں۔"

"بوا سے چائے کا بھی کہہ دینا۔" وہ سامنے ٹیبل پر ٹانگیں سیدھی کرتے ہوئے بولا تو ندا اسے گھورتی ہوئی چلی گئی۔ کتنی دیر انتظار کے بعد وہ اماں کے کمرے میں آیا تو ندا اطمینان سے بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ وہ تپ کر بولا۔

"کمال ہے۔ میں وہاں چا ئے کے انتظار میں تھا اور تم......!"

"سوری، خالہ جان سے باتو ں میں، میں بھول ہی گئی۔"

"اس کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ بھولی نہیں تھی اور اماں کا خیال کر کے وہ خاموش ہو رہا پھر وہیں سے بوا کو پکار کر چائے کا کہتا ہوا اپنے کمرے میں آگیا۔ لباس تبدیل کر کے بیٹھا ہی

تھا کہ ندا چائے لے کر آ گئی۔"

"تم کیوں لائی ہو؟" اس نے یونہی کہہ دیا۔

"تمہیں خدا حافظ کہنے آ رہی تھی، چائے بھی لیتی آئی۔"

"کیا مطلب ابھی کیوں جا رہی ہو، بیٹھو آرام سے، میں چھوڑ آؤں گا۔"

"وہ چائے کا کپ لے کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولا۔"

"نہیں پھر دیر ہو جائے گی، چلنا ہے تو ابھی چلو۔"

"چائے تو پی لوں۔"

"ہاں چائے پی لو۔" وہ اتنی دیر رکنے پر آمادہ ہو کر اس کے ریک کے پاس جا کھڑی ہوئی اور اس میں رکھی کتابیں دیکھنے لگی۔ وہ چائے کا سپ لے کر اس کی طرف متوجہ ہوا تو چھیڑ کر بولا۔

"سنا ہے۔ آج کل تمہارے ہاں پتھر بہت آ رہے ہیں۔"

"پتھر۔" وہ چونک کر نا سمجھی کے عالم میں دیکھنے لگی، تو وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"ہاں پتھر، وہ جس گھر میں بیری ہوتی ہے۔"

"تمہیں کس نے بتایا؟" وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی۔

"رات اماں بتا رہی تھیں اور انہیں یقیناً خالہ نے بتایا ہو گا اب تم یہ بتاؤ۔ تمہیں کوئی پتھر پسند بھی آیا یا نہیں؟"

"پسند کا سوال جب اٹھانا جب میں اس سلسلے میں سنجیدہ ہوں۔" فی الحال میرا شادی کا کوئی ارادہ نہیں۔

"وہ بڑے آرام سے کہہ کر کمرے سے نکل گئی تو چائے کا آخری گھونٹ لیتا ہوا وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔"

"پھر رات میں وہ جتنی دیر لاؤنج میں بیٹھا اس نے محسوس کیا آمنہ وقفے وقفے سے آ کر اس کے پاس کھڑی ہو جاتی ہے، عجیب سی بے قراری اس کے ہر انداز سے ظاہر ہو رہی تھی وہ بار بار اس کیطرف متوجہ ہوا کہ وہ کچھ کہے گی لیکن وہ چند لمحے ٹی وی سکرین پر نظریں جمائے رکھتی پھر پلٹ جاتی وہ سمجھ گیا۔ رات کشمیر میگزین کی ایک جھلک نے اسے بے چین کر دیا ہے اور اس وقت وہ محض اس کا ردعمل دیکھنے کی خاطر اپنے کمرے سے اپنی بنائی ہوئی فلم اٹھا لایا۔ حالانکہ ندا کی

بات اسے یاد تھی کہ ابھی اس میں آمنہ کے لئے خطرہ بھی ہو سکتا ہے لیکن اس نے یہ کہہ کر خود کو بہلایا کہ کچھ نہیں ہو گا اور وی سی آر پر فلم سیٹ کر رہا تھا کہ اماں آ کر آمنہ سے کہنے لگیں۔"

"چلو بیٹی سونا نہیں ہے۔"

"ایک منٹ اماں۔" وہ روکتا ہوا بولا۔ "آیئے کچھ دیر یہاں بیٹھیں، آمنہ کو بھی اپنے ساتھ بٹھائیں۔"

"کیا بات ہے؟"

"اماں سمجھیں، وہ ان سے کوئی بات کرنا چاہتا ہے۔ آگے آ کر صوفے پر بیٹھ گئیں جب کہ آمنہ وہیں کھڑی رہ گئی۔ وہ مووی سیٹ کر کے پلٹا تو بس ایک نظر آمنہ پر ڈالی پھر قصداً انجان بن کر بیٹھ گیا تو اماں اسے دیکھ کر بولیں۔"

"کہو کیا بات ہے؟"

"کوئی بات نہیں، اماں! میں آپ کو یہ فلم دکھانا چاہ رہا تھا۔"

"لو اب میں فلم دیکھوں گی۔" اماں نے تعجب کا اظہار کیا۔

"یہ وہ فلم نہیں ہے۔ دیکھیں تو۔"

"اس نے زور دے کر اماں کو سکرین کی طرف متوجہ کیا پھر آمنہ کی طرف دیکھنا چاہا تو وہ وہاں موجود نہیں تھی، تب وہ سیدھا ہو بیٹھا کیونکہ پچھلے دو گھنٹوں سے وہ جس طرح اس کے آس پاس منڈلا رہی تھی، اس سے اسے یقین تھا کہ وہ ابھی بھی ضرور آئے گی اور واقعی کچھ دیر بعد ہی اسے اپنے پیچھے اس کی آہٹ محسوس ہوئی پھر وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اماں کے پاس جا بیٹھی تو کن انکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کا ذہن بھٹک گیا۔ جب وہ یہ فلم بنانے میں اس قدر مگن تھا کہ عقب سے اس کی آواز سن کر یوں توازن بگڑا کہ کسی طرح وہ خود کو نہیں سنبھال پایا تھا سیڑھیوں سے لڑھکتا ہوا گرا تھا اس کے دھیان کے پردوں میں وہ ایک ایک لمحہ تھرکنے لگا جو اس نے اس کے گھر میں گزارا تھا، کتنی عجیب بات تھی کہ اسے وہ اس کے گھر سے باہر ہونے والے مظاہرے دیکھا رہا تھا اور خود اس کی چار دیواری کے اندر بھٹک رہا تھا۔"

"یہ بھی یاد نہیں رہا کہ وہ اسے کس مقصد کے لئے یہ فلم دکھا رہا ہے۔ نہ ہی اسے اماں کی آواز سنائی دے رہی تھی جو بھارتی فوجیوں کے مظالم دیکھ کر مسلسل انہیں کوس رہی تھیں اور عین اس وقت جب وہ اس کے گھر سے رخصت کے لمحات سوچ رہا تھا کہ اچانک اس کی آواز نے در و دیوار ہلا دیئے۔"

’’دیکھنا ایک خدا کا قہر، ٹوٹے گا ان وحشی کتوں پر۔‘‘

’’وہ اپنی جگہ چونکا اماں اپنی جگہ اچھل کر اسے دیکھنے لگیں اور وہ دونوں سے بے نیاز انتہائی طیش کے عالم میں کھڑی ہوئی اور گلدان اٹھا کر ٹی وی پر مارنا چاہتی تھی کہ اس نے پھرتی سے اٹھ کر اس کی کلائی تھام لی جس سے وہ مزید بپھر کر چیخنے لگی۔‘‘

’’چھوڑو مجھے، میں ان بزدلوں، کمینوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔‘‘

’’آمنہ......آمنہ، ریلیکس آمنہ۔‘‘

’’وہ اسے سنبھالنے کی کوشش میں پریشان ہو گیا اور وہ تو جیسے پاگل ہو گئی تھی۔ اس کی گرفت سے خود کو چھڑانے کی سعی میں اسے نوچنے کے ساتھ مسلسل چیخ چلا بھی رہی تھی جب کہ اماں ڈر کر ایک طرف کھڑی ہو گئیں اس کی چیخیں سن کر بوا بھاگی آئیں تو وہ بھی اماں کے پاس جا کھڑی ہوئیں۔‘‘

’’ان دونوں خواتین کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ اچانک کیا ہوا ہے اور جانے اس میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی تھی کہ اس سے سنبھل ہی نہیں رہی تھی۔ وہ چھ فٹ کا جوان پریشان ہو گیا تو بالآخر آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا اور جیسے اچانک ساری کائنات تھم گئی کہ وہ اس کے بازوؤں میں جھول گئی تھی۔ اس نے بہت احتیاط سے اسے اٹھا کر وہیں صوفے پر لٹا دیا پھر خود دوسرے صوفے پر گرتے ہی سر تھام لیا۔ حقیقتاً صورت حال بہت پریشان کن تھی، مزید اماں اس پر بگڑنے لگیں۔‘‘

’’یہ تم نے کیا کیا؟ مارا کیوں؟ دیکھو تو بچی بے ہوش ہو گئی ہے۔‘‘ پھر بوا سے کہنے لگیں۔ ’’بوا! ذرا پانی لاؤ تو۔‘‘

’’نہیں بوا۔‘‘ وہ ایک دم چیخ پڑا، ’’خدا کے لئے اماں آپ اسے چھیڑنے کی کوشش نہ کریں۔‘‘

’’کیا مطلب ہے تمہارا؟‘‘ ایسے ہی اسے پڑا رہنے دوں۔

’’ہاں ابھی اسے ایسے ہی چھوڑ دیں، اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے، ہوش آنے پر جانے کیا کر ڈالے۔‘‘

’’اس کے سمجھانے پر بات اماں کی سمجھ میں آگئی اور ایک طرف بیٹھ کر اب وہ اس کی حالت پر افسوس کرنے لگیں اور اماں کو تو اس نے سمجھا دیا لیکن خود اندر سے متوحش تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد گھڑی دیکھتا ہوا اٹھ کر لابی میں آیا اور ندا کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اتفاق ہی تھا کہ

دوسری طرف اس نے ریسیور اٹھایا اور اس کی آواز سنتے ہی بولی۔‘‘

’’تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے عمر! خود سکون سے رہتے ہو نہ مجھے رہنے دیتے ہو، آخر اتنی رات کو۔‘‘

’’بکو مت، ساڑھے دس بجے اتنی رات نہیں ہوتی۔‘‘ وہ اس کے ٹائم بتانے پر ہنستے ہوئے بولی۔

’’اچھا تو تمہارے پاس گھڑی بھی ہے۔‘‘

’’دیکھو ندا! میں سخت پریشان ہوں، کوئی مذاق افورڈ نہیں کر سکتا اگر تم میری مدد کر سکتی ہو تو بتاؤ ورنہ۔‘‘

’’اس کے سخت لہجے پر وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔‘‘

’’پریشانی بتاؤ۔‘‘ اور اس نے ایک ہی سانس میں ساری بات کہہ کر سنائی آخر میں پوچھنے لگا۔

’’اب بتاؤ، میں کیا کروں؟‘‘

’’اور ندا کا دل تو چاہا اسے بے نقط سنائے لیکن آمنہ کی حالت کے پیش نظر وہ ایسی باتوں میں وقت ضائع نہیں کر سکتی تھی۔ بس چند لمحے سوچنے میں صرف کئے اس کے بعد کہنے لگی۔‘‘

’’ایسا کرو عمر! آمنہ کو لے کر فوراً میرے پاس آجاؤ، میں اسے ڈاکٹر جبین کے کلینک لے جاؤں گی۔ اسی وقت دیر نہیں کرو، میں انتظار کر رہی ہوں۔‘‘

’’ندا نے اپنی بات ختم کرتے ہی فون بند کر دیا جس سے وہ مزید تشویش میں مبتلا ہو کر لاؤنج میں آیا۔ کھڑے کھڑے اماں کو بتایا کہ وہ اسے ہسپتال لے جا رہا ہے اور کچھ دیر بعد وہ گاڑی سپیڈ سے بھگا رہا تھا۔‘‘

☆

’’راہداری میں بینچ پر بیٹھا وہ خود کو ملامت کرنے کے ساتھ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اگر آمنہ کو کچھ ہو گیا تو وہ کبھی خود کو معاف نہیں کرے گا۔ تب ہی ندا آکر اس کے پاس چپ چاپ بیٹھ گئی اور کتنی دیر بعد اسے اس کی موجودگی کا احساس ہوا تو چونک کر بولا۔‘‘

’’تم......آمنہ کیسی ہے؟‘‘

’’اسے سکون کا انجکشن لگایا ہے۔ صبح تک ہوش میں آئے گی۔‘‘

’’اس نے جتنی بے قراری سے پوچھا تھا، ندا نے اسی قدر سرسری انداز میں بتایا پھر

کہنے لگی۔“

”تم چاہو تو گھر جا سکتے ہو، آمنہ کی فکر نہیں کرو، اس کے پاس میں ہوں۔“

”نہیں، میں گھر نہیں جا سکتا۔“

”کیوں؟“

”اس لئے کہ میں بہت گلٹی فیل (پشیمانی) کر رہا ہوں۔“ اس نے صاف گوئی سے اعتراف کیا پھر بے تابی سے پوچھنے لگا۔ ”وہ ٹھیک تو ہو جائے گی ناں۔“

”ابھی بھی وہ ٹھیک ہے، البتہ اس کی ذہنی حالت کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا، اس کے ہوش میں آنے کے بعد ہی پتا چلے گا۔“

”پھر کچھ رک کر کہنے لگی۔“

”تم دو تین مہینے انتظار نہیں کر سکتے تھے۔ ابھی کیا ضرورت تھی اسے جھنجھوڑنے کی۔“

”تمہیں کیا پتا، وہ کس بے قراری سے میرے اطراف منڈلا رہی تھی۔“

”اچھا خیر اب تم گھر جاؤ۔ خالہ جان پریشان ہو رہی ہوں گی۔“

”اس سے پہلے کہ وہ اپنی صفائی میں مزید کچھ کہتا وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔“

”میں اماں کو فون کر دیتا ہوں۔“

”پھر بھی تم یہاں نہیں رک سکتے کیونکہ یہاں مردوں کو زیادہ دیر ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہے۔“

”وہ اس کی بات سن کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا تھا شاید کسی اور مرد کی تلاش میں جب کوئی نظر نہیں آیا تو اٹھتے ہوئے بولا۔“

”اچھا پھر میں صبح آؤں گا اور سنو تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔“

”نہیں، مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔“

”وہ فوراً منع کر کے دوسری راہداری میں مڑ گئی تب وہ خاصا جز بز سا ہو کر باہر آ گیا۔“

”گھر آیا تو اماں اور بوا اس کے انتظار میں پریشان بیٹھی تھیں، اس نے اپنی طرف سے انہیں پورا اطمینان دلایا اور انہیں سونے کی تاکید کرتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔ وہ اس وقت ہر بات بھلا کر فوراً سو جانا چاہتا تھا لیکن یہ آگاہیوں کی رات تھی۔ وہ صبح تک کروٹیں بدلتا رہا ایک پل کو بھی نیند نہیں آئی تھی اور صبح وہ خود حیران تھا کہ وہ لڑکی آمنہ جس سے اپنے طور پر وہ مسلسل لاتعلقی ظاہر کرتا رہا تھا۔ وہ اس کے اتنے قریب تھی کہ اس کے نہ ہونے کو وہ شدت سے

محسوس کرتا رہا تھا۔“

”صبح جس وقت اماں نماز کے لئے کھڑی ہو رہی تھیں، وہ اسی وقت گھر سے نکل آیا۔ ابھی اجالا ہونے میں کچھ دیر تھی لیکن گھر کے سونے پن نے اسے وحشت میں مبتلا کر دیا تھا جبھی اس نے اجالا ہونے کا انتظار بھی نہیں کیا۔ لیکن اس وقت وہ ندا کے پاس بھی نہیں جا سکتا تھا۔“

”اس لئے مختلف سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔ برائے نام ٹریفک کے باعث فضا خاصی پرسکون تھی پھر جب ہر طرف زندگی رواں ہونے لگی تب اس نے گاڑی کلینک کی طرف موڑ دی اور ندا کا سامنا ہونے پر خیال آیا کہ اس کے لئے کم از کم ناشتہ تو لانا چاہئے تھا۔ دل ہی دل میں ندامت کے ساتھ خود کو سرزنش کرتا ہوا اس سے بولا۔“

”سنو، تمہارے لئے ناشتے میں کیا لاؤں؟“

”عجیب آدمی ہو، پہلے پوچھنے آئے ہو پھر اب لینے جاؤ گے گھر۔“

”اس نے تعجب سے ٹوکتے ہوئے منع بھی کر دیا۔“

”نہیں، میں لے آتا ہوں، بس پانچ منٹ میں۔“

”نہیں، اب گھر چل کر ہی ناشتہ کروں گی۔ تم یہیں رکو، میں آمنہ کو لے کر آتی ہوں۔“

”ندا اپنی بات کہہ کر جانے لگی کہ اس نے بے اختیار پکار لیا۔“

”سنو، آمنہ ٹھیک تو ہے ناں۔“

”ہاں ٹھیک ہے لیکن ابھی اس سے زیادہ سوال جواب نہیں کرنا، میرا خیال ہے وہ تمہیں پہچان لے گی۔“

”ندا نے اسے دیکھتے ہوئے پرسوچ انداز میں کہا تو وہ چونک کر بولا۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلب پھر سمجھاؤں گی، ابھی میں اسے لے آؤں۔“

”اور ندا کو مطلب سمجھانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ بلکہ وہ خود ہی سمجھ گیا جب آمنہ نے اسے دیکھتے ہی سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔“

”عمر! تم، کیا تم مجھے یہاں لے کر آئے ہو، یہ کون سی جگہ ہے اور میں ...... میں تو وہاں بس میں۔“

”غالباً ان مظالم کے خیال نے اسے ایک دم خاموش کر دیا جب کہ ضبط کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ اور آنکھوں میں کرب اتر آیا تھا۔ وہ گھبرا کر ندا کو دیکھنے لگا پھر اس کے اشارے پر

نرمی سے بولا۔“

”آؤ گھر چلیں۔“

”گھر، کون سے گھر؟“

”وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ کہاں ہے جبھی الجھ کر پوچھا تو وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔“

”میرے گھر...... چلو ناں، آخر میں بھی تو تمہارا مہمان رہا ہوں۔“

”وہ فوراً کچھ نہیں بولی، ایسی ہی الجھی ہوئی نظروں سے ندا کو دیکھا پھر سوچتی ہوئی اس کے ساتھ چل پڑی۔ راستے بھر خاصی پریشان رہی اور اماں اور بوا جن سے خاصی مانوس ہوگئی تھی، انہیں سرے سے پہچانا ہی نہیں بلکہ اماں کی بے اختیاری پر (جو انہوں نے اسے دیکھتے ہی بڑھ کر گلے سے لگایا) وہ حیران ہو کر عمر کو دیکھنے لگی اور یہاں وہ بھی نہیں سمجھا۔ تب ندا نے آگے بڑھ کر یوں تعارف کرایا کہ اماں کو بھی محسوس نہ ہو کہ وہ انہیں نہیں پہچان رہی۔“

”دیکھا آمنہ! اماں کو تم سے کتنا پیار ہے اور بوا بھی تمہارے لئے اتنی پریشان ہیں۔“

”پھر بوا کو مخاطب کر کے پوچھنے لگی۔ بوا! ناشتہ ملے گا؟“

”کیوں نہیں بیٹا! ابھی لاتی ہوں۔“

”بوا فوراً کچن میں چلی آئیں تو ندا اسے اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے بولی۔“

”ابھی تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ زیادہ ذہن پر بوجھ نہیں ڈالنا، پریشان ہو جاؤ گی۔“

”میں ابھی بھی پریشان ہو رہی ہوں کہ میں یہاں کیسے آئی۔“

”وہ خود سے الجھتے ہوئے پوچھنے لگی۔“

”تمہیں عمر اپنے ساتھ لے کر آیا تھا اور یہ چار پانچ ماہ پہلے کی بات ہے۔“

”ندا نے بہت رسان سے بتایا اور اس کے ہونٹ مل کر رہ گئے۔“

”چار پانچ ماہ“ پھر ایک دم عمر کو دیکھا تو وہ کہنے لگا۔

”پلیز، ان باتوں میں مت الجھو کہ کب آئی ہو، کیسے آئی ہو، وغیرہ وغیرہ بس اپنا خیال رکھو۔“

”آخر میں اس کے لہجے میں اچانک ہی اپنے کسی جذبے کا رنگ شامل ہوگیا تو ندا نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔“

”پھر ناشتے کے بعد ندا کے کہنے پر وہ اسے اس کے گھر چھوڑ کر واپس آیا تو آمنہ سو

رہی تھی۔ غالباً رات کے انجکشن کا اثر ابھی باقی تھا اس نے موقع غنیمت جان کر اماں کو اس کی ذہنی کیفیت کے بارے میں تفصیل سے سمجھا دیا تاکہ اماں اس کے اجنبی رویے کو محسوس نہ کریں اس کے بعد وہ خود بھی اپنے کمرے میں جا کر سو گیا۔ حالانکہ سونے کا ارادہ نہیں تھا کیونکہ آفس جانا تھا لیکن رات جو نیند روٹھی تھی، وہ یوں مہربان ہوئی کہ پورا دن وہ سوتا رہا۔“

”شام میں بھی ندا نے آ کر اٹھایا بلکہ جھنجھوڑ کر اٹھایا۔“

”کہا جاتا ہے مردوں سے شرط باندھ کر سونا لیکن میں یہ پوچھوں گی کہ کیا آمنہ سے شرط لگا کر سوئے تھے۔“

”ندا نے اس کی خوابیدہ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔“

”کیا مطلب؟“ وہ سمجھا نہیں۔

”مطلب یہ کہ فوراً اٹھ جاؤ۔ بے چاری خالہ جان صبح سے پریشان پھر رہی ہیں۔ ادھر آمنہ گھوڑے بیچ کر سو رہی ہے۔ ادھر تم اور اس کا سونا تو سمجھ میں آتا ہے۔ تم کس خوشی میں۔“

”بس خاموش ہو جاؤ“ وہ اس کے روانی سے بولنے پر ہاتھ اٹھا کر چیخا پھر بستر چھوڑتے ہوئے بولا۔

”تم چلو میں نہا کر آتا ہوں۔“

”جلدی آنا، بوا چائے بنا چکی ہیں۔“

”وہ کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی اور وہ جلدی سے اپنے کپڑے نکال کر واش روم میں گھس گیا۔ نہا کر نکلا تو خاصا فریش اور انداز میں غیر معمولی شوخی جھلک رہی تھی۔ سیٹی پر خوبصورت دھن بجاتا ہوا کمرے سے نکل کر برآمدے میں آیا تو ندا چائے کے ساتھ منتظر بیٹھی تھی، اسے دیکھتے ہی بولی۔“

”جلدی آؤ۔ چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔“

”اماں کہاں ہیں اور وہ۔“

”وہ کون؟“ ندا سمجھ تو گئی تھی پھر بھی سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تو وہ کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

”میں آمنہ کا پوچھ رہا ہوں۔ کہاں ہے وہ؟“

”خالہ جان کے ساتھ نماز پڑھ رہی ہے۔“

”گڈ۔“ اس نے خوشی کا اظہار کیا۔ ”اس کا مطلب ہے اب وہ بہت بہتر ہے۔“

"ہاں کافی بہتر ہے۔"

"ندا نے کہا۔ تبھی اماں اسے ساتھ لے کر کمرے سے نکلیں تو وہ ایک دم اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ بڑے سے دوپٹے میں اپنا آپ چھپائے وہ کسی سوچ میں ڈوبی نظر آئی۔ اس کے قریب آنے پر وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا، یہ اخلاقی حرکت اس سے بالکل غیر ارادی طور پر سرزد ہوئی تھی اور قابل قبول اس لئے نہیں تھی کہ گزشتہ چار پانچ ماہ سے تو وہ اسے کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا اور اب اس اچانک پذیرائی کو ندا اور اماں نے پتا نہیں محسوس کیا یا نہیں، البتہ وہ خود ہی سٹپٹا گیا اور خجالت چھپانے کو فوراً کرسی اماں کی طرف دھکیلتے ہوئے بولا۔"

"آیئے اماں بیٹھیں۔"

"تم بیٹھو، میں یہاں آمنہ کے ساتھ بیٹھوں گی۔"

"اماں اس کے ساتھ تخت پر بیٹھ گئیں تو اس نے دوبارہ اپنی کرسی کھینچ لی بیٹھا تو اماں پوچھنے لگیں۔"

"تم آج سارا دن سوتے رہے، طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟"

"بس اماں! رات دیر سے سویا تھا۔"

"اس نے اسی قدر کہہ کر چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا اب تک وہ اپنے جذبوں سے آگاہ نہیں تھا، ہر بات معمول کے مطابق تھی اب اچانک وہ خود کو بہت پابند محسوس کرنے لگا تھا اماں کی موجودگی کا خیال پھر سامنے ندا تھی۔"

"وہ چاہنے کے باوجود آمنہ کو مخاطب نہیں کر سکا تو چائے ختم کرتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور اماں سے ضروری کام کا کہہ کر باہر نکل گیا۔"

☆

"رات دس بجے تک ادھر اُدھر وقت گزار کر جب وہ واپس آیا تو دروازہ آمنہ نے کھولا۔ پہلے مرحلے پر وہ خاموشی سے اس کے قریب سے نکل آیا لیکن جب اسے اپنے پیچھے پیچھے کچن تک آتے دیکھا تو پوچھنے لگا۔"

"تم سوئیں نہیں۔"

"نیند نہیں آرہی۔"

"اس نے سادگی سے کہا پھر اسے چولہا جلاتے دیکھ کر بولی۔"

"کھانا کھاؤ گے؟ لاؤ میں گرم کر دوں۔"

"نہیں میں کر لوں گا، تم جاؤ آرام کرو۔" وہ اس کی بات ان سنی کر کے فریج میں سے سالن نکال لائی اور گرم کرنے لگی۔ تو وہ مزید ٹوکنے کا ارادہ ترک کر کے وہیں سٹول پر بیٹھ گیا اور جیسے ہی اس نے سالن پلیٹ میں نکالا، وہ ہاٹ پاٹ میں سے روٹی نکال کر کھانے لگا۔

"چائے بھی پیو گے۔" وہ پوچھنے لگی۔

"اگر تمہیں پینی ہے تو بنا لو ورنہ رہنے دو۔"

"وہ اس کی بات سن کر چائے بنانے میں لگ گئی پھر ادھر اس نے کھانا ختم کیا اس نے چائے کا مگ سامنے رکھ دیا۔ جسے لے کر وہ اٹھتے ہوئے بولا۔"

"چلو لاؤنج میں بیٹھتے ہیں اور ہاں اماں سو گئیں کیا؟"

"ابھی سوئی ہیں۔" وہ اپنا مگ لے کر اس کے پیچھے چلی آئی پھر بیٹھتے ہوئے جیسے اپنے آپ سے بولی۔" کتنا وقت گزر گیا پتا ہی نہیں چلا۔"

"کہاں ابھی تو گیارہ بھی نہیں بجے۔"

"میں اس وقت کی نہیں گزرے وقت کی بات کر رہی ہوں۔ مجھے یہاں آئے ہوئے کتنے مہینے ہو گئے۔" وہ سوچتے ہوئے بولی پھر اسے دیکھ کر کہنے لگی۔" بہت سہارا دیا تم نے مجھے اور تمہاری اماں نے، یہ احسان تو میں کبھی اتار ہی نہیں سکتی۔"

"ہم نے کوئی احسان نہیں کیا۔ آئندہ ایسی بات مت کرنا، مجھے افسوس ہو گا۔" اس نے ٹوکتے ہوئے کہا تو وہ خاموش ہو گئی پھر کچھ تاخیر سے پوچھنے لگی۔

"سنو وہ لڑکی ندا، وہ تمہاری عزیز ہے؟"

"کزن ہے، میری خالہ کی بیٹی۔ کیوں؟"

"ڈاکٹر ہے؟" وہ اس کا "کیوں" نظر انداز کر گئی۔

"ہاں، ہاؤس جاب کر رہی ہے اور شام میں اسی کلینک میں ڈاکٹر جبین کے ساتھ بھی بیٹھتی ہے۔"

"وہ ندا کے بارے میں تفصیل سے بتا رہا تھا کہ اس کی آنکھوں میں حسرت دیکھ کر ایک دم خاموش ہو گیا۔ معاً یاد آیا کہ وہ بھی میڈیکل کی سٹوڈنٹ تھی اور غالباً اسے اپنی تعلیم ادھوری رہ جانے کا دکھ ہو رہا تھا اور دکھ کی بات تو تھی۔ قدرے توقف سے وہ اس کا دکھ کم کرنے کی غرض سے کہنے لگا۔"

"تم یہاں پڑھ سکتی ہو، چند مہینے بعد نیا سال شروع ہو گا تو تم فورتھ ایئر میں ایڈمیشن

لے لیتا، ایک سال گزرتے پتا بھی نہیں چلے گا پھر تم ندا کی طرح۔''

''اس کی بات ابھی جاری تھی کہ وہ اٹھ کر چلی گئی جس پر وہ پہلے حیران ہوا پھر سوچنے لگا کہ اس نے ایسی کیا بات کہہ دی جو وہ چلی گئی، لیکن وہ اس کا اٹھ کر جانا سمجھ نہ سکا۔''

☆

''پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ ندا غالباً مصروفیت کی وجہ سے نہیں آ پا رہی تھی پھر بھی ہر دوسرے دن صبح ہسپتال جاتے ہوئے وہ کھڑے کھڑے آمنہ کو ضرور دیکھ جاتی تھی۔ اس کے باوجود اس نے محسوس کیا۔ آمنہ دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہے، اس کی سفید رنگت پر آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے نمایاں نظر آنے لگے تھے۔ کچھ اکتائی ہوئی اور بیزار بھی لگتی تھی۔ وہ اماں سے کہتا اس کا خیال رکھیں اور اماں خود پریشان تھیں کہ ان کی بہت منت سماجت کے بعد وہ کھانا بھی بس زہر مار کرتی۔''

''ندا، دوا کے ساتھ خصوصاً اسے پھل کھلانے کی تاکید کر کے جاتی تھی لیکن وہ نہ تو دوا لیتی نہ کسی پھل کو ہاتھ لگاتی۔ جانے وہ ایسا کیوں کر رہی تھی۔ اس روز اماں نے اسے ساری صورت حال کہہ سنائی تو وہ اس پر بگڑنے لگا۔''

''کیوں خود سے غفلت برت رہی ہو۔ تم اپنا نہیں تو۔''

''وہ کہنے جا رہا تھا کہ بچے کا خیال کرو لیکن جس تیزی سے اس کے چہرے نے رنگ بدلا، الفاظ اس کے حلق میں ہی اٹک گئے پھر قدرے توقف سے نظریں چراتے ہوئے بولا۔''

''تمہیں اماں کا خیال کرنا چاہئے وہ تم سے کتنی محبت کرتی ہیں تمہاری کمزوری انہیں پریشان کر رہی ہے۔''

''میں کیا کروں۔ مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا۔''

''وہ بے اختیار رو دی جس سے وہ نرم پڑ کر اس کے قریب چلا آیا۔ دھیرے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بٹھایا۔ پھر ایسی ہی نرمی سے بولا۔''

''پلیز روؤ مت۔ مجھے تمہارے رونے سے بہت دکھ ہو رہا ہے۔''

''میں تم سب کو دکھ نہیں دینا چاہتی۔''

''وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے بولی۔'' فضا اچانک بہت بوجھل ہو گئی تھی کہ وہ مسلسل آنکھیں رگڑ رہی تھی لیکن آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ وہ اپنی جگہ خاموش کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

''تبھی ندا آ گئی تو وہ اشارے سے اسے چپ کرانے کا کہہ کر کمرے سے نکل آیا۔ لاؤنج میں اماں کے ساتھ کسی خاتون کو بیٹھے دیکھ کر وہ وہیں سے کچن میں آ گیا بوا کو چائے کا کہا اور گلاس میں پانی لے کر دوبارہ کمرے کی طرف آیا تو اندر سے آتی اس کی آواز نے دروازے ہی پر اس کے قدم روک دیئے۔ وہ اسی طرح روتی ہوئی ندا سے کہہ رہی تھی۔''

''کاش! میں اپنے پیٹ میں چھرا گھونپ سکتی۔ جانتی ہو، میرے اندر پرورش پانے والا کون ہے۔''

''ندا کی خاموشی اس نے محسوس کی کیونکہ وہ خود اچانک خاموشیوں کی زد میں آ گیا تھا اور اس کی سسکتی ہوئی آواز دل چیرنے لگی۔''

''گھن آتی ہے مجھے اپنے وجود سے اور جب تک میں اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر لیتی، مجھے چین نہیں آئے گا۔ تم...... تم...... ڈاکٹر ہو، اسے دنیا میں آنے سے پہلے ہی مار ڈالو ورنہ میں مار ڈالوں گی اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے انہی بھارتی کتوں کے آگے جا ڈالوں گی۔''

''میرے خدا۔'' وہ اس تصور سے ہی کانپ گیا جب کہ اس کے سامنے بیٹھی ندا جھرجھری لے کر بولی۔

''خدا کے لئے آمنہ! بس کرو، خاموش ہو جاؤ۔''

''اور وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر سسکنے لگی۔ کچھ دیر ندا نے اس کے خاموش ہونے کا انتظار کیا پھر عاجزی سے بولی۔''

''پلیز آمنہ! اس طرح خود کو ہلکان مت کرو۔''

''تمہاری حالت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے۔''

''کیا ہوا ہے مجھے، زندہ ہوں۔''

''اور ابھی تمہیں زندہ رہنا ہے۔'' ندا زور دے کر بولی۔

''ماضی میں نہیں حال میں اور مستقبل سے اچھی امیدیں وابستہ رکھو کون جانے آنے والے کل میں تمہارے لئے کتنی خوشیاں ہوں۔''

''میں خود کو فریب نہیں دے سکی۔ ڈاکٹر ندا، کیونکہ میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں کہ میرا حال اور مستقبل دونوں میرے ماضی سے جڑے ہوئے ہیں۔''

''وہ اچانک بہت تلخ ہو کر بولنے لگی۔''

''اور ماضی سے نظریں چرانا بھی میرے نزدیک گناہ ہے کہ ظلمت کے اندھیروں میں

ڈوبا ماضی ہی ہمیں ہمارے ارادوں میں اٹل کرتا ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔''

''ندا کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے یا شاید اس کی تیز نظروں نے گڑ بڑا دیا تھا۔ قدرے رک کر بات ختم کرنے کی غرض سے بولی۔''

''بہر حال تمہیں اپنا خیال رکھنا چاہئے۔ خالہ جان بتا رہی تھیں کہ تم میڈیسن بھی نہیں لے رہی اور نہ ٹھیک سے کھانا کھاتی ہو۔''

''وہ فکر مت کرو، بہت سخت جان ہوں میں۔'' وہ خود پر ہنسی، تبھی وہ اندر چلا آیا اور یوں جیسے کچھ سنا ہی نہیں بس اس کی آخری بات اور اس پر ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔

''کون سخت جان ہے؟''

''میں۔'' اس سے پہلے ندا بول پڑی ''ابھی میں آمنہ کو وہ ایکسیڈنٹ والا واقعہ سنا رہی تھی جس میں مجھے خراش بھی نہیں آئی تھی۔''

''اچھا وہ، لیکن اس سے تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ تم سخت جان۔''

''پھر آمنہ کو اٹھتے دیکھ کر فوراً اس کی طرف متوجہ ہوا۔''

''تم کہاں جا رہی ہو آمنہ! بیٹھو ناں، لو پانی پیو۔''

''نہیں بس۔'' وہ کمرے سے نکل گئی تو کچھ دیر اس کے پیچھے نظریں جمائے رکھنے کے بعد وہ ندا کو دیکھتے ہوئے ایک دم سنجیدہ ہو گیا پھر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔

''کیا خیال ہے تمہارا، جتنی خوفناک باتیں وہ کر رہی تھی۔ ان پر عمل بھی کر سکتی ہے۔''

''اس سے کچھ بعید نہیں۔''

''گہری سانس کے ساتھ کہتے ہوئے ندا نے اپنا سر کرسی کی بیک سے ٹکا لیا اور سامنے دیوار پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔''

''بہت زہر بھرا ہے اس کے اندر۔ اسی لئے میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ ابھی اسے مت چھیڑو، بہر حال اب تمہیں اس کا بہت خیال رکھنا ہے ورنہ وہ کچھ بھی کر سکتی ہے۔''

''مثلاً'' اس کے ہونٹوں نے اس لفظ کو چھوا تھا کہ ذہن کہیں اور بھٹک گیا۔

''مثلاً یہ کہ تمہارے سینے میں خنجر اتار کر میں تمہیں وہیں دفن کر دوں گی۔''

''اس نے کہا تھا تبھی اس نے دل ہی دل میں اس کے حوصلے کو سراہا تھا اور ابھی ندا نے جانے کیا کہا، اپنے خیال میں وہ سن نہیں سکا اور نہ ہی جاننے کی کوشش کی کیونکہ اپنے سوال کا

جواب اسے مل گیا تھا۔ وہ کشمیر کی بیٹی اپنے ارادوں کو اٹل رکھنے کی خاطر ماضی کی ڈور مضبوطی سے تھامے ہوئے تھی، اس کے لئے اپنے پیٹ میں خنجر گھونپنا کچھ مشکل نہیں تھا۔''

☆

''وہ جتنی دیر آفس میں ہوتا، اس کا دھیان آمنہ کی طرف رہتا۔ دن میں دو تین بار گھر فون کر کے اماں سے باتوں باتوں میں اس کے بارے میں پوچھتا کہ وہ کہاں ہے؟ کیا کر رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔''

''اس کے باوجود بھی جب تک گھر آ کر اسے دیکھ نہ لیتا اسے اطمینان نہیں ہوتا تھا، کیونکہ وہ مسلسل اس اندیشے میں گھرا ہوا تھا کہ کہیں وہ اپنے آپ کو نقصان نہ پہنچا بیٹھے۔''

''اور ندا بھی محض اس کا دھیان بٹانے کی خاطر ہر شام اس کے پاس آنے لگی تھی اور زیادہ اس کی توجہ اس کی طرف دلاتی کہ میڈیکل میں اس کا ایک سال باقی ہے، بہتر ہے وہ مکمل کر لے اس کے بعد زندگی اس کے لئے آسان ہو جائے گی۔''

''اور وہ ساری باتیں بس خاموشی سے سن لیتی تھی نہ انکار کرتی نہ اقرار جس سے اس رات وہ پھر اس سے الجھ گیا۔''

''یوں لگتا ہے جیسے میں بھینس کے آگے بین بجا رہا ہوں، آخر تم بولتی کیوں نہیں۔ کچھ تو کہو۔''

''مجھے ابھی خاموش ہی رہنے دو عمر! کچھ کہوں گی تو تم ناراض ہو گے۔''

''سادگی کے ساتھ اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا جسے اپنے جوش میں اس نے محسوس ہی نہیں کیا بلکہ فوراً بولا۔''

''نہیں، میں ناراض نہیں ہوں گا کہہ دو جو تمہارے دل میں ہے۔''

''دل میں تو جانے کیا کچھ ہے۔''

''ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ ٹکائے وہ کھوئی گئی اور ایک بار پہلے بھی اس نے اسے ایسے ہی عالم میں دیکھا تھا اس وقت اس کی آنکھوں کے پیالے چھلک رہے تھے اور اب آنکھوں میں جانے کس خیال کی پرچھائیں تھی، وہ دھیرے سے بولا۔''

''سب کہہ ڈالو۔''

''تم ناراض۔''

''نہیں ہوں گا، وعدہ لے لو۔'' وہ فوراً بولا تو وہ اپنے خیال سے چونک کر دیکھنے لگی۔

"وعدہ۔"

"ہاں وعدہ کر رہا ہوں، ناراض نہیں ہوں گا۔" وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر اس پر سے نظریں ہٹا کر بولی۔

"میں اپنے گھر جانا چاہتی ہوں، تم بس مجھے سرحد پر چھوڑ آؤ۔"

"آ......" اس کے ہونٹ نیم وا ہو کر رہ گئے۔ یہ تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ کبھی واپسی کی بات بھی کرے گی جب ہی آرام سے وعدہ کر گیا اور اب اپنے ہی وعدے کی دیوار راہ میں حائل تھی، قدرے توقف سے وہ کہنے لگی۔

"یہاں تمہارے گھر میں مجھے بہت آرام ملا، بلکہ اپنی اب تک کی زندگی میں، میں کبھی اتنے آرام سے نہیں رہی اور عمر! اس سے پہلے کہ یہ آرام مجھے میرے مقاصد سے غافل کر دے، مجھے جانے دو۔"

"وہ خاموش ہوئی تو ہر سو سناٹا چھا گیا لمحے بھی بنا آہٹ کے گزرنے لگے تھے۔ کتنی دیر بعد وہ پھر گویا ہوئی۔"

"میں جانتی ہوں، اماں میرے جانے کا سن کر پریشان ہو جائیں گی کیونکہ وہ مجھ سے بہت پیار کرنے لگی ہیں اور تم۔"

"وہ قدرے جھجکی پھر اعتماد سے بولی۔"

"تمہاری محبت بھی مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ حیران مت ہو، صحرا کے پیاسے کو ایک قطرہ بھی دور سے نظر آتا ہے۔"

"اور وہ اس قطرے کی طرف لپکتا ہے، منہ موڑ کر نہیں چل دیتا۔" وہ ایک دم بول پڑا۔

"تمہاری بات اس پر صادق آتی ہے جو اپنی زندگی صرف اپنے لئے جیتا ہے جب کہ میں تو بہت پہلے اپنی زندگی وقف کر چکی ہوں۔"

"لیکن آمنہ۔"

"پلیز عمر۔" اس نے عاجزی سے ٹوک دیا۔ "میں تمہیں دکھ نہیں دینا چاہتی، اس لئے اس بات کو یہیں ختم کر دو کیونکہ یہ طے ہے کہ مجھے واپس جانا ہے۔ میرے لوگوں کو میری ضرورت ہے اور اب تو میں اور نڈر ہو کر کام کروں گی کہ کچھ کھونے کا اندیشہ نہیں رہا۔ ماں، باپ، بھائی اور اپنا آپ، سب کچھ تو کھو چکی ہوں اور اتنا کچھ کھو کر اگر کچھ پانے کی آرزو ہے تو صرف کشمیر کی آزادی اور بس۔"

"بس۔" اس کے سینے میں دبی گہری سانس خارج ہوئی پھر اسے دیکھ کر بولا "میں تمہیں روک نہیں سکتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ ابھی جانے کی بات مت کرو۔"

"کیوں؟" اس نے بے دھیانی میں پوچھا لیکن پھر فوراً سمجھ گئی کہ اس کا اشارہ بچے کی طرف ہے اور سمجھتے ہی اس کے پاس سے اٹھ کر چلی گئی تو اپنی بے اختیاری کے بعد اب بے بسی کو وہ شدت سے محسوس کرنے لگا تھا۔

☆

"پھر جیسے جیسے اس کی ڈیلیوری کے دن قریب آ رہے تھے، وہ اسے خود سے دور ہوتی لگ رہی تھی، حالانکہ اسی روز سے وہ خود کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن جہاں اس کے جانے کا خیال آتا وہ اندر سے ٹوٹنے لگتا۔"

"ان دنوں وہ ذہنی طور پر بہت اپ سیٹ تھا نہ آفس میں کوئی کام ڈھنگ سے کر پاتا نہ گھر میں اماں کی باتیں سمجھ میں آتیں۔ ندا الگ اس کی غائب دماغی پر جھنجھلاتی اور اس وقت تو وہ اس کے سر پر کھڑی چیخ رہی تھی۔"

"سنا نہیں تم نے۔" گاڑی نکالو، آمنہ کو ہسپتال لے کر جانا ہے۔

"آمنہ ہسپتال۔"

"وہ جب سمجھا تو فوراً باہر بھاگا جب تک گاڑی نکالی۔ ندا اور ساتھ میں اماں بھی آمنہ کو لے کر آ گئیں اور ان کے بیٹھتے ہی وہ اسپیڈ سے گاڑی بھگا کر منٹوں میں ڈاکٹر جبین کے کلینک پہنچ گیا۔ اماں اور ندا آمنہ کو سہارا دے کر اندر لے گئیں تو وہ اچانک اس ماحول سے متنفر ہو کر پھر گاڑی سپیڈ سے دوڑانے لگا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہاں جا رہا ہے۔"

"کوئی گھنٹے بھر بعد گاڑی روکی تو خود کو کلینک کے سامنے دیکھ کر حیران ہوا پھر آمنہ کا خیال آیا تو اندر چلا آیا۔"

"اماں راہداری میں بنچ پر بیٹھی مل گئیں وہ چپ چاپ ان کے پاس بیٹھ گیا۔ زیادہ دیر نہیں گزری کہ ندا بوجھل قدموں سے اماں کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ اماں کے ساتھ اس نے بھی چونک کر دیکھا لیکن وہ اماں سے بولی۔"

"خالہ جان! آپ آمنہ کے پاس چلی جائیں۔" اماں فوراً اٹھ کر چلی گئیں تو وہ ان کی جگہ پر بیٹھتے ہوئے دکھ سے بولی۔

"بیٹا تھا۔"

"وعدہ۔"

"ہاں وعدہ کر رہا ہوں، ناراض نہیں ہوں گا۔" وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر اس پر سے نظریں ہٹا کر بولی۔

"میں اپنے گھر جانا چاہتی ہوں، تم بس مجھے سرحد پر چھوڑ آؤ۔"

"آ ....." اس کے ہونٹ نیم وا ہو کر رہ گئے۔ یہ تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ بھی واپسی کی بات بھی کرے گی جب ہی آرام سے وعدہ کر گیا اور اب اپنے ہی وعدے کی دیوار راہ میں حائل تھی، قدرے توقف سے وہ کہنے لگی۔

"یہاں تمہارے گھر میں مجھے بہت آرام ملا، بلکہ اپنی اب تک کی زندگی میں، میں کبھی اتنے آرام سے نہیں رہی اور عمر! اس سے پہلے کہ یہ آرام مجھے میرے مقاصد سے غافل کر دے، مجھے جانے دو۔"

"وہ خاموش ہوئی تو ہر سو سناٹا چھا گیا لمحے بھی بنا آہٹ کے گزرنے لگے تھے۔ کتنی دیر بعد وہ پھر گویا ہوئی۔"

"میں جانتی ہوں، اماں میرے جانے کا سن کر پریشان ہو جائیں گی کیونکہ وہ مجھ سے بہت پیار کرنے لگی ہیں اور تم۔"

"وہ قدرے جھجکی پھر اعتماد سے بولی۔"

"تمہاری محبت بھی مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ حیران مت ہو، صحرا کے پیاسے کو ایک قطرہ بھی دور سے نظر آتا ہے۔"

"اور وہ اس قطرے کی طرف لپکتا ہے، منہ موڑ کر نہیں چل دیتا۔" وہ ایک دم بول پڑا۔

"تمہاری بات اس پر صادق آتی ہے جو اپنی زندگی صرف اپنے لئے جیتا ہے جب کہ میں تو بہت پہلے اپنی زندگی وقف کر چکی ہوں۔"

"لیکن آمنہ۔"

"پلیز عمر۔" اس نے عاجزی سے ٹوک دیا۔ "میں تمہیں دکھ نہیں دینا چاہتی، اس لئے اس بات کو یہیں ختم کر دو کیونکہ یہ طے ہے کہ مجھے واپس جانا ہے۔ میرے لوگوں کو میری ضرورت ہے اور اب تو میں اور نڈر ہو کر کام کروں گی کہ کچھ کھوتے کا اندیشہ نہیں رہا۔ ماں، باپ، بھائی اور اپنا آپ، سب کچھ تو کھو چکی ہوں اور اتنا کچھ کھو کر اگر کچھ پانے کی آرزو ہے تو صرف کشمیر کی آزادی اور بس۔"

"بس۔" اس کے سینے میں دبی گہری سانس خارج ہوئی پھر اسے دیکھ کر بولا "میں تمہیں روک نہیں سکتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ ابھی جانے کی بات مت کرو۔"

"کیوں؟" اس نے بے دھیانی میں پوچھا لیکن پھر فوراً سمجھ گئی کہ اس کا اشارہ بچے کی طرف ہے اور سمجھتے ہی اس کے پاس سے اٹھ کر چلی گئی تو اپنی بے اختیاری کے بعد اب بے بسی کو وہ شدت سے محسوس کرنے لگا تھا۔

☆

"پھر جیسے جیسے اس کی ڈلیوری کے دن قریب آ رہے تھے، وہ اسے خود سے دور ہوتی لگ رہی تھی، حالانکہ اسی روز سے وہ خود کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن جہاں اس کے جانے کا خیال آتا وہ اندر سے ٹوٹنے لگتا۔"

"ان دنوں وہ ذہنی طور پر بہت اپ سیٹ تھا نہ آفس میں کوئی کام ڈھنگ سے کر پاتا نہ گھر میں اماں کی باتیں سمجھ میں آتیں۔ ندا الگ اس کی غائب دماغی پر جھنجھلاتی اور اس وقت تو وہ اس کے سر پر کھڑی چیخ رہی تھی۔"

"سنا نہیں تم نے۔" گاڑی نکالو، آمنہ کو ہسپتال لے کر جانا ہے۔

"آمنہ ہسپتال۔"

"وہ جب سمجھا تو فوراً باہر بھاگا جب تک گاڑی نکالی۔ ندا اور ساتھ میں اماں بھی آمنہ کو لے کر آ گئیں اور ان کے بیٹھتے ہی وہ اسپیڈ سے گاڑی بھگا کر منٹوں میں ڈاکٹر جبیں کے کلینک پہنچ گیا۔ اماں اور ندا آمنہ کو سہارا دے کر اندر لے گئیں تو وہ اچانک اس ماحول سے متنفر ہو کر پھر گاڑی سپیڈ سے دوڑانے لگا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہاں جا رہا ہے۔"

"کوئی گھنٹے بھر بعد گاڑی روکی تو خود کو کلینک کے سامنے دیکھ کر حیران ہوا پھر آمنہ کا خیال آیا تو اندر چلا آیا۔"

"اماں راہداری میں بنچ پر بیٹھی مل گئیں وہ چپ چاپ ان کے پاس بیٹھ گیا۔ زیادہ دیر نہیں گزری کہ ندا بوجھل قدموں سے اماں کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ اماں کے ساتھ اس نے بھی چونک کر دیکھا لیکن وہ اماں سے بولی۔"

"خالہ جان! آپ آمنہ کے پاس چلی جائیں۔" اماں فوراً اٹھ کر چلی گئیں تو وہ ان کی جگہ پر بیٹھتے ہوئے دکھ سے بولی۔

"بیٹا تھا۔"

''تھا؟'' اس نے چونک کر ندا کو دیکھا تو وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

☆

''اماں اور ندا کے لئے یہ اچانک انکشاف تھا کہ آمنہ واپس جا رہی ہے۔ ندا کو یقین نہیں آیا جب کہ اماں نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا اور وہ بڑے آرام سے انکشاف کر کے باہر نکل گیا تھا، کتنی دیر بعد واپس آیا تو اماں اور ندا اسے گھیرے بیٹھی تھیں اور وہ جانے روئی تھی یا آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں آنکھیں سرخ کئے بیٹھی تھی۔ وہ دور ہی دیکھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔
کچھ دیر بعد ندا اس کے پیچھے آگئی اور شاکی لہجے میں بولی۔''

''سنو، تم آمنہ کو روکتے کیوں نہیں؟''

''میں، میں کیسے روکوں؟''

''اپنے تئیں اس نے لاتعلقی کا مظاہرہ کیا لیکن ندا نے ایک دم اس کی شہ رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔''

''اپنی محبت کا واسطہ دے کر۔'' وہ ایک پل کو سناٹے میں آیا پھر فوراً سنبھل کر بولا۔

''تمہیں کس نے کہا کہ مجھے اس سے محبت ہے۔''

''جواب میں ندا نے کندھے اچکائے گویا فی الحال اس موضوع کو ٹالا پھر پوچھنے لگی۔''

''تم چھوڑنے جاؤ گے؟''

''ظاہر ہے۔''

''کہاں سرینگر؟''

''کچھ کہہ نہیں سکتا۔ ہوسکتا ہے اس کے گھر تک جاؤں یا شاید اس سے پہلے لوٹ آؤں۔''

''اس کی بات سن کر وہ خاموش ہوگئی اور اسی خاموشی سے جانے لگی کہ وہ پکار کر بولا۔''

''سنو۔ تم اماں کے پاس رک جانا۔'' وہ ذرا سا سر ہلا کر بولا تو وہ چلی گئی۔

''پھر لاکھ ضبط کے باوجود آمنہ وقت رخصت اماں کے ساتھ مل کر رو رہی تھی۔ وہ اس منظر سے نظریں چرا کر باہر نکل آیا۔ کتنی دیر بعد وہ ندا کے ساتھ باہر نکلی تو دروازے پر رک کر اس سے باتیں کرنے لگی۔ بالآخر اسے ٹوکنا پڑا تھا۔''

''دوران سفر وہ یوں خاموش تھا جیسے اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ ہو، اس کے برعکس وہ مسلسل بولتی رہی تھی۔ اپنے گھر، ماں باپ، بھائیوں کی باتیں، حماد کا ذکر جو آزادی کی جنگ لڑ رہا

تھا پھر اس کی اماں، ان کی محبت اور شفقت اور جس طرح انہوں نے اس کا خیال رکھا تھا۔ وہ بہت ممنونیت سے دہراتی رہی۔''

''میں کبھی نہیں بھولوں گی۔ جب کشمیر آزاد ہو جائے گا تب تم اماں کو لے کر میرے گھر ضرور آنا، اس وقت میں تمہاری بہت خاطر مدارت کروں گی اور ہاں ندا کو بھی ضرور لانا، میں اسے اپنے ہاتھ سے کڑھا ہوا کرتا دوں گی۔ اس پر بہت سجے گا۔''

کیسا خوش آئند تصور تھا جس نے اس کی آنکھوں میں ستارے بھر دیئے تھے۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔ تب وہ اپنے پیچھے نظر ڈال کر بولی۔

''بس عمر! یہاں سے تم واپس لوٹ جاؤ۔''

''کیا مطلب! تم اکیلی اتنی دور کیسے جاؤ گی۔'' وہ ایک دم چونک کر بولا۔

''مجھے زیادہ دور نہیں جانا، اس پہاڑی سے اتر کر کچھ آگے مجاہدین کا ڈیرا ہے۔ حماد بھی یہیں ہوتا ہے۔''

''اور اب میں بھی یہیں ہوں گی۔''

''پتا نہیں وہ اندر سے بھی اتنی پرسکون تھی، جتنے آرام سے بات کر رہی تھی۔ وہ بہرحال اس کے اطمینان پر حیران تھا، پھر اس کے پیچھے دور تک نظر دوڑاتے ہوئے بولا۔''

''میرا خیال ہے۔ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔''

''نہیں، میں چلی جاؤں گی۔'' راستے میرے دیکھے ہوئے ہیں بس اب تم جاؤ۔

''نہیں جب تک مجھے یہ اطمینان نہیں ہو جاتا کہ تم اپنے صحیح مقام پر پہنچ چکی ہو تب تک میں نہیں جاؤں گا۔'' وہ باقاعدہ جم کر کھڑا ہوگیا۔ تب وہ ہار مانتے ہوئے بولی۔

''اچھا ٹھیک ہے، ادھر دیکھو جہاں وہ پگڈنڈی ختم ہوتی ہے اس کے دائیں طرف پہاڑ کے دامن میں مجھے جانا ہے جب میں پگڈنڈی پار کر جاؤں تو سمجھ لینا میں اپنے مقام پر پہنچ چکی ہوں۔''

''اس نے بہت جلدی میں بتایا پھر خدا حافظ کہنے کے لئے اس کی طرف مڑی۔ تو کچھ رک گئی بس ایک پل اور اس ایک پل میں جانے کس خیال نے اس کی آنکھیں نم کر دیں پھر بے اختیار اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔''

''عمر! تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو ناں۔''

''اور وہ بولنے کی کوشش میں ناکام ہو کر نفی میں سر ہلانے لگا۔ تب اس کے ہاتھ کی

پشت آنکھوں سے لگا کر وہ تیزی سے مڑ گئی۔ وہ چپ چاپ اسے ڈھلوان اترتے دیکھ رہا تھا پھر دور پگڈنڈی تک نظریں اس کے ساتھ ساتھ گئیں۔"

"دائیں جانب مڑنے سے پہلے اس نے آخری بار ہاتھ ہلایا تھا اور وہ نظروں سے اوجھل ہوئی تو اس کی آنکھوں کے سامنے سارا منظر دھندلا گیا۔"

"واپسی کا سفر بہت مشکل تھا لیکن اسے معلوم تھا کہ ندا اس کی منتظر ہے اور وہ بہت تھکا ہوا بھی ہے۔"



نہیں دور بہاروں کے قدم

"نومیہ پیچھے سے اس کی شرٹ کھینچ کر بولی۔"

"کہا ناں، سو گئی اور اس کی طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔"

"تو میں کون سا اسے اٹھا رہا ہوں۔" وہ جھنجھلایا۔

"اچھا چلو کھانا کھاؤ۔"

"آپ نے کھا لیا؟" وہ اس کے پیچھے چلتا ہوا پوچھنے لگا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"اور امی، ابو؟"

"انہوں نے کھا لیا ہے۔"

"ٹھیک ہے جب آپ کو بھوک لگے گی تب میں آپ کے ساتھ کھا لوں گا۔" وہ ڈائننگ تک آ کر واپس پلٹنے لگا تو وہ جیسے زچ ہو کر بولی۔

"سعدی پلیز۔"

"کیا پلیز؟"

"کھانا کھا لو، میں صرف اس انتظار میں جاگ رہی ہوں ورنہ کب کی سو چکی ہوتی۔" اس نے منت سے کہا تو وہ اس کے لئے چیئر کھینچتا ہوا بولا۔

"خالی پیٹ سونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"چلیں بیٹھیں۔"

"کھانا تو گرم کرنے دو۔"

"میں کر لاتا ہوں۔ آپ بیٹھیں۔" وہ زبردستی اسے بٹھا کر کچن میں چلا گیا تو وہ اس کی آج کی روداد سننے کے لئے خود کو تیار کرنے لگی۔ وہ جانتی تھی اس کے پاس صرف ایک ہی موضوع ہے۔ جتنی دیر بیٹھے گا سارہ سارہ کرتا رہے گا۔

"لیجئے جناب! کھانا حاضر ہے۔" وہ ایک ہاتھ میں سالن کا ڈونگا اور دوسرے میں ہاٹ پاٹ لئے آ گیا۔

"تم اتنی دیر سے کیوں آئے ہو؟" اس نے پلیٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ سارہ کے ساتھ اس کے گھر چلا گیا تھا، وہیں دیر ہو گئی۔" اس نے بتایا تو وہ تعجب سے بولی۔

"ابھی تک وہیں تھے؟"

"ہاں، وہ تو ابھی بھی نہیں آنے دے رہی تھی۔"

"تو نہ آتے، کھانا بھی وہیں کھا لیتے۔" وہ چڑ کر بولی تھی۔

"ارے بھابی! اس نے تو بہت کہا لیکن میں آپ کے خیال سے چلا آیا۔ مجھے پتا تھا، آپ نے کھانا نہیں کھایا ہو گا۔ چلیں شروع کریں۔ خواہ مخواہ بھوکی رہتی ہیں۔ حالانکہ آپ کو ڈائٹنگ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ایسے ہی بہت اسمارٹ ہیں ماشاء اللہ۔"

"وہ اس کی پلیٹ میں سالن نکالنے کے ساتھ بولے جا رہا تھا۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی پھر اپنی پلیٹ پر جھک گئی کیونکہ اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔"

"اے بھابی!" وہ اس کی طرف دیکھ نہیں رہا تھا پھر بھی سمجھ گیا جب ہی فوراً متوجہ ہو کر بولا۔ "روئیں گی تو میں ابھی امی، ابو کو جگا کر یہاں لے آؤں گا۔"

"میں کوئی نہیں رو رہی۔" اس نے پلکیں جھپک کر ساری نمی اپنے اندر اتار لی۔

"ہاں شاباش، اب میں چائے بھی پیوں گا۔"

"زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کھانا ختم کر کے سیدھے اپنے کمرے میں جاؤ ورنہ میں امی، ابو کو جگا کر لے آؤں گی۔" اس نے فوراً اس کی دھمکی اسی پر آزمائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جا کہاں رہی ہیں۔ یہ برتن کون سمیٹے گا۔"

"تم۔" وہ کہہ کر ڈائننگ روم سے نکل آئی اور اس خیال سے کہ کہیں وہ اس کے پیچھے نہ چلا آئے۔ تمام لائٹس آف کرتے ہوئے اپنے کمرے کا دروازہ بھی اندر سے بند کر لیا پھر پہلے موی کی نیپی تبدیل کی اور فیڈر بنا کر اپنی جگہ پر آ لیٹی۔

"کچھ دیر پہلے واقعی اسے بہت نیند آ رہی تھی اور روزانہ ایسا ہی لگتا تھا جیسے وہ بستر پر گرتے ہی سو جائے گی۔ لیکن بستر پر آ کر اس کی نیند یوں غائب ہوتی کہ پھر کروٹیں بدلتے

بدلتے اکثر صبح ہو جاتی تھی۔"

"اس وقت کتنی دیر وہ یہی کوشش کرتی رہی کہ کسی طرح سو جائے لیکن جب نیند آ کے نہیں دی تب اس نے پوری آنکھیں کھول کر نظریں سامنے دیوار پر جما دیں۔ جہاں کچھ دیر بعد ایک فلم سی چلنے لگی تھی۔"

"آذر!" اس کے ہونٹوں سے سسکی نکلی اور پھر وہ تکیے میں منہ چھپا کر رو پڑی۔

"کتنی جلدی اس کی زندگی اندھیروں کی نذر ہو گئی تھی۔ ابھی دو سال پہلے وہ اس گھر میں دلہن بن کر آئی تھی تو سب لوگ اس کی قسمت پر رشک کر رہے تھے کون جانتا تھا کہ وقت اتنی جلدی کروٹ بدل جائے گا۔"

"وہ یقیناً بہت خوش تھی۔ کیونکہ صرف آذر ہی نہیں باقی سب گھر والے بھی اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ امی، ابو اور سعدی تو جتنا وقت گھر میں رہتا اس کے آگے پیچھے پھرتا رہتا تھا۔ اصل میں اس کی کوئی بہن بھی نہیں تھی اور وہ کمی بھی اس نے پوری کر دی تھی۔ البتہ آذر بعض اوقات جھنجھلا جاتے تھے۔"

"تم سعدی کو بہت سر چڑھا رہی ہو۔ اس سے کہو، اپنے کام خود کیا کرے۔"

"کرتا تو ہے بس کبھی کبھی بے چارہ مجھ سے کہہ دیتا ہے۔" وہ سعدی کی طرف داری کرتی۔

"اسی وقت کیوں کہتا ہے جب میں گھر پر ہوتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب تم میرے سامنے سے مت ہٹا کرو، میں پریشان ہو جاتا ہوں۔"

"آذر اسے اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہتے تھے اور وہ فطرتاً بہت سادہ تھی جب ہی گھبرا جاتی۔ ادھر آذر کی پریشانی کا خیال، ادھر سعدی نہ روٹھ جائے اور جو کبھی اماں اسے دو چار دن کے لئے اپنے ساتھ لے جاتیں تو وہاں اس کا دل ہی نہیں لگتا تھا۔ حالانکہ چھوٹی دونوں بہنوں سعدیہ اور فرح اس کی دوست ہوتی تھیں پھر بھی وہ ان کے ساتھ رات رکنے پر تیار نہیں ہوتی تھی اور اس بات سے اماں ناراض نہیں ہوتی تھیں بلکہ خوش تھیں کہ ان کی بیٹی اپنے گھر میں خوش ہے۔"

"ڈیڑھ سال بعد جب موی پیدا ہوئی تو اسے ایک اور خوبصورت مصروفیت ہاتھ آ گئی تھی۔ وہ ننھی سی گڑیا گھر بھر کی آنکھوں کا تارا تھی۔ ان ہی دنوں سعدی کو ایک اچھی فرم میں جاب

مل گئی اور آذر کی پروموشن ہوگئی تھی جس سے سب موی کو بھاگوان کہنے لگے، جبکہ آذر اپنی خوش بختی اسے قرار دیتے تھے۔"

"میری زندگی میں ساری خوشیاں، ساری خوبصورتیاں تمہاری ذات کی مرہون منت ہیں نومیہ! بس مجھے تمہاری ایک بات سے ڈر لگتا ہے۔"

"کس بات سے؟" وہ موی کو چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"تم بہت سادہ ہو۔ بے وقوفی کی حد تک۔" انہوں نے کہا تو وہ روٹھ کر بولی تھی۔

"جی نہیں میں بے وقوف نہیں ہوں۔"

"پھر کیا ہو؟" انہوں نے شرارت سے دیکھا۔

"بہت عقل مند۔"

"جب ہی ہر ایک کی باتوں میں آجاتی ہو۔" انہوں نے کہا تو وہ تیز ہو کر بولی۔

"میں کس کی باتوں میں آئی ہوں۔"

"ارے تم تو لڑنے لگیں، چلو مان لیتا ہوں کہ تم بہت عقل مند ہو۔" وہ اس وقت بحث کے موڈ میں نہیں تھے جب ہی بات بدل گئے۔ "دیکھو موی تمہیں دیکھ کر کھلکھلا رہی ہے۔"

"چلیں آپ سنبھالیں اسے۔ مجھے امی سے بات کرنی ہے۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا تو آذر اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھنے لگے۔

"کیا بات؟"

"وہ امی سعدی کے لئے لڑکی دیکھنے جانا چاہتی تھیں لیکن سعدی منع کر رہا ہے۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ وہ لڑکی پسند کر چکا ہے اور امی کے بارے میں امی کو بتانا ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے بتایا تو آذر بھی محظوظ ہو کر بولے تھے۔

"بہت تیز نکلا سعدی، کون ہے وہ جو اس کے چکر میں آگئی؟"

"پتا نہیں، سارہ نام بتا رہا تھا اور پتا ہے کیا کہہ رہا تھا کہ اگر مجھے سارہ نہ ملی تو میں مر جاؤں گا۔"

"اللہ نہ کرے، جاؤ امی کو بتاؤ۔" آذر نے فوراً اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

"پھر اس کے ساتھ آذر نے بھی سعدی کی بھرپور حمایت کی تھی اور امی ابو کو قائل کر کے چند دنوں میں سعدی کی سارہ کے ساتھ منگنی کرا کے دم لیا تھا اور ابھی گھر میں خوشی کے پھولوں کی

باس ماند نہیں پڑی تھی کہ وقت نے اسے عظیم سانحے سے دوچار کر دیا، آذر روڈ ایکسیڈنٹ کا شکار ہو کر صرف اسے ہی نہیں اپنے بوڑھے ماں باپ کو بھی زندہ درگور کر گئے تھے اور یہ زیادہ نہیں آٹھ مہینے پہلے کی بات تھی۔ جانے اس گھر کو کس کی نظر لگ گئی تھی کہ جہاں ہر پل محبتوں اور خوشیوں کے رنگ اترتے تھے وہاں اب دکھ اور وحشت تھی۔"

"عدت کی مدت اس نے اس گھر میں پوری کی تھی، اس کے بعد موی کو لے کر اماں کے گھر چلی گئی تو کچھ دن ہی وہاں رہ سکی۔ گو کہ وہ یہی سوچ کر آئی تھی کہ اب ہمیشہ اسے یہیں رہنا ہے لیکن اماں اس کے پیچھے پڑ گئیں۔"

"تم نے یہاں آکر اچھا نہیں کیا۔"

"کیوں اماں! یہاں نہ آتی تو اور کہاں جاتی۔" اس نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔ اسی گھر میں رہو۔ آذر نہیں رہا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس گھر پر تمہارا کوئی حق نہیں رہا۔ تمہاری بیٹی ان ہی کا خون ہے اور پھر بیٹا! وہ لوگ پھر ہم سے بہت اچھے ہیں۔ اچھا کھلا پہنا سکتے ہیں۔ ہماری جان کو سو فکریں لگی ہیں۔ ایک تمہارے ابا کمانے والے کہاں سے اتنا کریں گے، ابھی تو سعدیہ، فرح کی ذمہ داری سر پر ہے۔" اماں آبدیدہ ہو کر حالات کی تصویر کھینچ رہی تھیں۔

"میں جانتی ہوں اماں! اسی لئے میں نے سوچا ہے کہ میں آپ پر بوجھ نہیں بنوں گی۔ میں نوکری کر لوں گی۔" اس نے کہا تو اماں نے فوراً منع کر دیا۔

"نہیں بیٹا! نوکری تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ تم نہیں جانتیں باہر کی دنیا بہت خراب ہے اور پھر تمہارے ساس سسر کو پتا چلا تو وہ بھی اعتراض کریں گے۔"

"پھر میں کیا کروں؟" اس نے بے بسی سے اماں کو دیکھا تھا۔

"ان ہی کے پاس چلی جاؤ۔ ان کے پاس اللہ کا دیا بہت ہے۔"

"لیکن اماں؟"

"کوئی لیکن ویکن نہیں۔ ان سے کہنا، موی ان کے بغیر نہیں رہ سکتی اور تم موی کے بغیر۔ چلو، میں خیر تمہیں چھوڑ آتی ہوں۔ تم پتا نہیں کیا الٹا سیدھا بک دو۔ میں خود ان سے بات کروں گی۔"

"اور یوں اماں دوبارہ اسے اس گھر میں چھوڑ گئی تھیں گو کہ اس کی آمد پر سب نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ امی ابو موی کو دیکھ کر جیسے جی اٹھے تھے پھر بھی وہ اپنے آپ میں عجیب سا محسوس

کرنے لگی تھی۔ آذر تھے تو سب کچھ اپنا تھا اور اب اپنائیت کے اظہار میں بھی وہ اجنبیت ڈھونڈ لیتی تھی۔"

"ٹھیک ہے، موی ان کا خون ہے لیکن میں، میرا اب کیا تعلق ہے ان سے اور جن سے تعلق ہے، ان کے پاس بھی میرے لئے جگہ نہیں ہے۔" وہ اس دکھ میں مبتلا کڑھتی رہتی تھی۔

☆

"بھابھی! جلدی سے ناشتہ کرا دیں پھر مجھے جانا ہے۔" وہ کچن میں داخل ہوئی تھی کہ سعدی اس کے پیچھے آ کر بولا تو وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

"کیوں آج چھٹی نہیں ہے کیا؟"

"میں آفس جانے کی بات نہیں کر رہا۔"

"پھر؟"

"وہ سارہ کی طرف جاؤں گا، اصل میں اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے، فلو ہو گیا ہے اسے اور کچھ بخار بھی ہے۔"

"جواز پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، تم ایسے بھی جا سکتے ہو۔" اس نے ٹوک کر کہا۔

"میں جھوٹ نہیں کہہ رہا۔" وہ خجل سا ہو کر بولا۔

"اچھا بس، چائے کا پانی رکھو میں سلائس گرم کرتی ہوں۔" اس نے پھر ٹوک دیا۔

"امی ابو نے ناشتہ کر لیا؟" وہ کیتلی کے نیچے چولہا جلاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"ہاں، انہوں نے اپنے وقت پر ہی کر لیا تھا۔ تم ایک چھٹی کے دن اپنی روٹین کیوں خراب کرتے ہو۔"

"صبح ہی اٹھ جایا کرو۔ اب بارہ بجے ناشتہ کرو گے تو پھر دوپہر کا کھانا کب کھاؤ گے؟"

"شام میں آپ میرے لئے روٹی نہیں پکائیے گا۔"

"میں آج سارہ کے ہاں کھاؤں گا۔ وہ میری ایک عدد سالی ہے ناں اس نے سپیشل انوائٹ کیا ہے۔"

"سعدی نے بتایا تو وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر جب اس کے سامنے ناشتہ رکھ چکی تب کہنے لگی۔"

"سنو، امی سے کہو، اب تمہاری شادی کر دیں تاکہ تمہیں روز روز کے چکروں سے نجات ملے۔"

"ابھی نہیں بھابھی! ابھی تو آذر بھائی کو ایک سال بھی نہیں ہوا۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"یہ زخم تو سالوں میں بھی نہیں بھرے گا سعدی! لیکن کیا کریں دنیا کے کام رکتے تو نہیں ہیں اور ابھی تو سب کچھ اسی طرح ہو رہا ہے۔ میں خود امی سے بات کروں گی۔" وہ بہت ضبط سے بول رہی تھی پھر بھی آنکھوں میں نمی تیر گئی۔

"کوئی ضرورت نہیں امی سے کچھ کہنے کی اور ہاں میں کہیں نہیں جا رہا۔ آپ کے ساتھ شطرنج کھیلوں گا۔" سعدی نے فوراً سنبھل کر اس کی آزردگی سمیٹنے کی سعی کی تو وہ بھی قصداً مسکرا کر بولی۔

"نہیں، تم بے ایمانی کرتے ہو۔"

"تھوڑی سی بے ایمانی تو جائز ہے۔"

"سارہ کے ساتھ کرنا اور ہاں اگر تم بہت جلدی میں نہیں ہو تو پہلے مجھے اماں کے ہاں چھوڑ دو۔" اس نے کہا تو وہ چائے کا آخری گھونٹ لے کر بولا۔

"خیریت!"

"ہاں بہت دن ہو گئے ہیں گئے ہوئے اور ادھر سے بھی کوئی نہیں آیا۔"

"چلیں، جلدی سے تیار ہو جائیں۔" سعدی نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"بس پانچ منٹ۔" وہ کہہ کر کچن سے نکل آئی اور امی سے اجازت لے کر جلدی جلدی موی کی چیزیں بیگ میں ڈالیں پھر کپڑے تبدیل کر کے باہر آئی تو وہ موی کو اٹھائے چلنے کو تیار کھڑا تھا۔

"وہاں رکنے کا پروگرام تو نہیں ہے؟" سعدی نے بائیک سٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، موی زیادہ دیر کہیں نہیں رہتی۔ شام ہوتے ہی رونا شروع کر دیتی ہے۔" اسے اماں کی بات ازبر تھی۔

"میری بھتیجی کی یہ بات بہت اچھی ہے۔" اس نے موی کا گال چھو کر کہا پھر اس کے بیٹھتے ہی بائیک بڑھا دی۔

"چھٹی کا دن تھا۔ ابا بھی اس وقت گھر پر تھے اور اماں کے برعکس وہ اس سے یہی کہتے تھے کہ "اسے اب یہاں آ جانا چاہئے۔ بے شک اس کے ساس سسر بہت اچھے ہیں پھر بھی اس کا وہاں رہنا مناسب نہیں ہے اور مناسب تو اسے بھی نہیں لگتا تھا لیکن یہاں کے حالات دیکھتے

ہوئے اسے اماں کی باتیں ٹھیک لگتی تھیں جب ہی ان پر عمل کرتی اور ابا کو سہولت سے سمجھا دیتی تھی۔ اس وقت بھی انہوں نے پہلی بات یہی کی تھی۔"

"بیٹا! اس سے پہلے کہ تمہارے ساس سسر کا رویہ بدلے تمہیں یہاں آجانا چاہئے۔"

"آپ کیوں فکر کرتے ہیں ابا! ان کا رویہ کبھی نہیں بدلے گا کیونکہ موی میں ان کی جان ہے۔ یقین کریں میں جب بھی یہاں آنے لگتی ہوں امی، ابو دونوں پریشان ہو جاتے ہیں کہ کہیں میں ہمیشہ کے لئے تو نہیں جارہی۔ بار بار پوچھتے ہیں کہ شام میں آجاؤں گی ناں؟" اس نے ابا کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا تو وہ گہری سانس کھینچتے ہوئے بولے۔

"پھر بھی بیٹا! وقت کا کوئی بھروسہ نہیں۔ کل کو ان کی دوسری بہو آجائے گی تو پتا نہیں تمہارے ساتھ کیا سلوک ہو۔"

"کچھ نہیں ہوگا۔ سارہ بہت اچھی لڑکی ہے۔" وہ کہہ کر ان کے پاس سے اٹھ آئی۔

"سعدیہ اور فرح موی کے ساتھ لگی تھیں۔ وہ موی کا بیگ انہیں تھما کر اماں کے پاس آبیٹھی اور ان کے گلے میں بانہیں ڈالتی ہوئی بولی۔"

"اماں! کبھی تو میری طرف چکر لگا لیا کریں۔"

"دل تو بہت چاہتا ہے پر کیا کروں۔ بسوں کے کرائے اتنے بڑھ گئے ہیں کہ بس سوچ کر رہ جاتی ہوں۔ تم کس کے ساتھ آئی ہو؟" اماں نے اپنی مجبوری بتا کر پوچھا۔

"سعدی چھوڑ گیا ہے۔"

"اندر نہیں آیا؟"

"نہیں، اسے سارہ کے ہاں جانا تھا۔" اس نے پیروں سے سینڈل نکال کر ٹانگیں اوپر سمیٹتے ہوئے کہا تو اماں تعجب سے بولیں۔

"وہ ابھی بھی وہاں جاتا ہے۔"

"ابھی بھی کیا مطلب؟ باقاعدہ منگنی ہو چکی ہے اور اب تو وہ بتا کر جاتا ہے۔ منگنی سے پہلے البتہ چھپاتا تھا۔" اس نے سیدھے سادے انداز میں کہا تو اماں کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں پھر اس کے قریب ہو کر سرگوشی میں بولیں۔

"سنو، اس کا وہاں جانا بند کرو۔"

"کیوں اماں؟" اس کی سادگی پر اماں جھنجھلا کر بولیں۔

"تب ہی تو تمہاری واں جگہ بنے گی، میں تمہاری ساس کے کان میں بھی ڈال آئی

تھی۔ انہوں نے ابھی تک کچھ نہیں کیا؟"

"کیا......؟ کیا نہیں کیا؟" وہ الجھ کر دیکھنے لگی۔

"تمہاری اور سعدی کی شادی کے سلسلے میں۔"

"اماں نے کہا تو وہ اچھل پڑی۔"

"ہائیں! یہ آپ نے کیا کیا اماں! مجھے نہیں کرنی شادی وادی۔"

"ارے بیٹا پہاڑ سی زندگی ایسے نہیں گزرنے لگی اور اس طرح موی کے بہانے تم ہمیشہ وہاں نہیں رہ سکتیں۔ سعدی کی دلہن آگئی تو دوسرے دن تمہیں نکال باہر کرے گی۔"

"کوئی نہیں اماں! وہ تو اتنی اچھی ہے۔" اسے واقعی سارہ اچھی لگتی تھی۔

"چلو وہ اچھی ہے۔ لیکن دنیا بہت بری ہے۔"

"تمہیں چین سے جینے نہیں دے گی۔ سو سو الزام دھریں گے لوگ، پھر وہ جو اچھی ہے۔ اسے بدلتے بھی دیر نہیں لگے گی۔"

"اماں نے اسے آنے والے وقت سے ڈرایا تو وہ روہانسی ہو کر بولی۔"

"میں کیا کروں اماں! مجھے اپنے پاس رکھ لیں۔"

"ارے بٹیا! میرے سر آنکھوں پر رہو پر یہاں کیا ملے گا تمہیں، نہ اچھا کھانا نہ اچھا پہننا اور نہ اچھی تعلیم، سسک سسک کر زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ تم سعدی سے نکاح کر لو تمہاری بچی کو اگر سینے سے نہیں لگائے گا تو دھتکارے گا بھی نہیں کیونکہ اس کا اپنا خون ہے۔" اماں نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو وہ رو پڑی۔

"نہیں اماں! سعدی تو مجھے اپنا سگا بھائی لگتا ہے۔"

"کوئی بھائی نہیں ہے تمہارا، سمجھیں، میں جو کہتی ہوں وہ کرو، اس کے سامنے بڑی آپا بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ عمر میں تم اس سے چھوٹی ہی ہو" اس بار اماں نے ڈانٹ کر کہا تو وہ کچھ خائف سی ہو کر بولی۔

"اور وہ جو سارہ سے محبت کرتا ہے۔"

"ہے اللہ، ساری باؤلی لڑکیاں میرے ہی گھر میں پیدا ہوئی تھیں۔" اماں نے اپنا سر پیٹا پھر کہنے لگیں۔

"اے بی بی! مرد کبھی محبت نہیں کرتا نہ کسی ایک کا ہو کر رہتا ہے۔ اپنے گھر کے لئے اسے ایک بیوی چاہئے ہوتی ہے اور وہ کوئی بھی ہو۔ تم اگر سعدی کی آپا جان بننے کے بجائے اسے

بڑا مان لو تو پھر دیکھو، وہ کیسے سارہ کے پاس جاتا ہے۔"

"پتا نہیں اماں! آپ کیا کہہ رہی ہیں۔" وہ آنسو پونچھتے ہوئے منمنائی۔

"کوئی فارسی نہیں بول رہی میں۔ ٹھیک ہے تم نہ سمجھو۔ میں اب تمہاری ساس سے صاف لفظوں میں بات کروں گی۔" اماں نے اس کی طرف سے مایوس ہو کر کہا تو وہ پریشان ہو گئی۔

"نہیں اماں! خدا کے لئے آپ میری ساس سے اب کچھ نہیں کہیے گا، میں خود کوشش کروں گی۔"

"کیا کوشش کرو گی؟"

"وہ سعدی کو...... میرا مطلب ہے اسے سارہ کے پاس نہیں جانے دوں گی اور کہوں گی کہ موی کا باپ وہی بن سکتا ہے۔" وہ رک رک کر بول رہی تھی۔

"ہاں موی کا باپ وہی بن سکتا ہے۔" اماں کو اس کے سمجھ جانے پر اطمینان ہوا پھر مزید سمجھانے لگیں۔

"بیٹا! موی کی اور تمہاری بہتری بھی اسی میں ہے۔ اگر تم میرے پاس آجاؤ تب بھی میں تمہیں ساری زندگی بٹھائے تو نہیں رکھوں گی تو کسی اور گھر جانے سے اچھا ہے، تم اسی گھر میں رہو اور ایک مضبوط بندھن سے ہی تم ہمیشہ وہاں رہ سکتی ہو۔ کب کون سی بات کسی کو بری لگ جائے۔ کتنا بھی کر لو، کوئی خوش نہیں ہوتا۔ تم نے اس گھر پر حکمرانی کی ہے اگر دوسری عورت آگئی تو نوکرانی بنا کر رکھ دے گی تمہیں سمجھ رہی ہو ناں۔"

"جی۔" وہ گم صم سی ایک ٹک اماں کو دیکھے جا رہی تھی اور چاہتی بھی تو ان کی کوئی ایک بات نہیں جھٹلا سکتی تھی۔ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ان تمام باتوں کو اپنے طور پر سوچنے لگی تو پھر اس کا دھیان کہیں ادھر ادھر ہو کے نہیں دیا۔

"گھر آ کر بھی وہ ایسی ہی گم صم سی تھی۔ موی کو امی کے حوالے کر کے رات کا کھانا بنانے کھڑی ہوئی تو سامنے رکھی چیزیں نظر نہیں آ رہی تھیں، آخر عاجز سی ہو کر کچن سے نکلی اور سیدھی سعدی کے کمرے میں آگئی۔"

"سعدی! مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"کیا سمجھ میں نہیں آ رہا؟" وہ جو سارہ سے مل کر آیا تھا اور اس کے خیالوں میں لیٹا تھا، چونک کر اٹھ بیٹھا۔

"وہ رات کا کھانا...... کیا کھائیں گے؟" وہ خود نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ اسے کیا کہنا ہے۔

"ارے بھابی! یہ تو روز کا جھنجھٹ ہے جو پکائیں گی کھا لیں گے۔" سعدی نے کہا تو وہ الجھ گئی۔

"نہیں، نہیں پک رہا ناں۔"

"کیا نہیں پک رہا؟"

"کچھ بھی۔ مجھے چکر آ رہے ہیں۔" وہ بچ بچ چکرا کر گرنے کو تھی کہ سعدی نے فوراً اٹھ کر اسے تھام لیا اور اپنے بیڈ پر بیٹھاتے ہوئے بولا۔

"عجیب ہیں آپ بھی سیدھے سیدھے یہ نہیں کہہ سکتیں کہ طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ کھانا نہیں پک رہا تو یہ نہیں ہو رہا، وہ نہیں ہو رہا۔ بیٹھیں آرام سے۔ میں گلوکوز لاتا ہوں۔" سعدی کمرے سے نکل گیا تو وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بالوں میں پھنسا کر سر کو زور زور سے جھٹکنے لگی۔

"لیجیے، گلوکوز پئیں۔" سعدی بہت جلدی واپس آ گیا تھا۔ گلاس اس کے ہاتھ میں تھما کر کہنے لگا۔

"کتنی کمزور ہو گئی ہیں آپ، اپنا خیال نہیں رکھتیں۔ خدا کے لئے بھابی موی کی خاطر......اسے آپ کی ضرورت ہے۔"

"صرف میری ضرورت اور باپ۔" اس نے اسی قدر کہہ کر گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔

"اللہ کی مرضی۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ خدا کی قسم اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں اپنی زندگی دے کر بھائی کو بچا لیتا اور آپ موی کے لئے ایسا کیوں کہہ رہی ہیں۔ میں اس کا باپ نہیں ہوں لیکن انشاء اللہ باپ سے بڑھ کر چاہوں گا۔"

"سعدی نے پوری سچائی اور ایمانداری سے کہا تو وہ بہت خاموش نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔"

"چلیں جائیں، اپنے کمرے میں آرام کریں، کھانے وانے کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں لے آؤں گا بازار سے۔ چلی جائیں گی یا میں چھوڑ آؤں۔"

"چلی جاؤں گی۔" وہ گلاس خالی کر کے اٹھی تھی۔

☆

''وہ پُرسکون تو پہلے بھی نہیں تھی، اماں نے اسے مزید بے سکون کر دیا تھا۔ سارا وقت ذہن متضاد سوچوں کی آماجگاہ بنا رہتا اور ابھی اسے یہ دھڑکا بھی لگ گیا تھا کہ سارہ آ گئی تو اس کا کیا ہوگا۔ یہ سب اماں کی باتوں کا اثر تھا جنہیں وہ کسی طرح بھی جھٹلا نہیں پا رہی تھی اور جب سعدی کو دیکھتی تو اس کے خلوص پر بھی شبہ کرنے کو دل نہیں مانتا تھا۔ وہ بالکل سگے بھائیوں کی طرح اس کا خیال کرتا تھا۔ ایسے میں اگر اسے اماں کی باتیں یاد آتیں تو وہ اپنے آپ میں کٹنے لگتی تھی جبکہ تنہائی میں اسے یہی باتیں ٹھیک لگتی تھیں۔ گویا عجیب مشکل میں تھی۔ کبھی سوچتی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کہیں دور چلی جائے۔ اگر موی پاؤں کی زنجیر نہ ہوتی تو شاید وہ ایسا ہی کرتی۔ لیکن اب اس کے لئے مجبوری تھی۔''

''یونہی کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ آذر کی پہلی برسی ہوئی تو اس کے بعد سارہ کے گھر والوں نے شادی پر اصرار شروع کر دیا جس سے وہ مزید پریشان ہوگئی کہ اب وہ موی کو لے کر کہاں جائے گی۔ اس وقت وہ یہی سوچنے میں لگی تھی۔ پتا ہی نہیں چلا کب امی اس کے پاس آ بیٹھی تھیں۔ جب انہوں نے پکارا، تب چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔''

''بیٹی! تمہیں کیا ہوگیا ہے، بالکل گم صم ہو کر رہ گئی ہو۔ کیا سوچتی رہتی ہو؟'' امی نے محبت سے ٹوک کر پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔

''کچھ تو ہے۔ کوئی پریشانی کی بات ہے تو مجھ سے کہو۔ تمہارے میکے میں تو سب خیریت سے ہے ناں؟''

''جی......''

''پھر کیوں پریشان ہو، کہہ ڈالو بیٹی اندر کی بات دل پر بوجھ مت رکھو۔'' امی نے اس کا چہرہ تھاما تو وہ ان ہی کے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

''میں آپ کے پاس رہنا چاہتی ہوں امی! مجھے اپنے سے دور نہیں کریں۔''

''ہائیں! کون دور کر رہا ہے تمہیں؟'' امی متعجب ہوئیں۔

''مجھے نہیں پتہ، بس میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔'' وہ اس طرح روتے ہوئے بولی۔

''بیٹا! میں بھی تو یہی چاہتی ہوں۔ کیا تمہیں میری کسی بات سے ایسا لگا ہے کہ......''

''نہیں امی!'' اس نے فوراً چہرہ اونچا کر کے ان کے ہاتھ تھام لئے۔ ''آپ تو بہت

اچھی ہیں۔ میری اپنی ماں سے بھی زیادہ۔''

''پھر کس نے سعدی یا اس کے ابو......''

''نہیں، نہیں کسی نے کچھ نہیں کہا بس مجھے اپنے آپ وہم سا ہوگیا ہے کہ شاید میں یہاں نہیں رہ سکوں گی۔'' اس نے بمشکل بات بنائی تو امی اس کی پیشانی چوم کر بولیں۔

''پگلی! تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا کہ پتہ نہیں کس نے کیا کہہ دیا اور اگر تمہیں یہ وہم ہوگیا ہے تو اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ حالات انسان کو خوفزدہ کر ہی دیتے ہیں۔ پھر تمہارا کوئی سنگی ساتھی بھی تو نہیں ہے۔ مجھ بوڑھی سے تم کیا اپنے دکھ سکھ کہو گی الٹا مجھے دیکھ کر اور دکھی ہو جاتی ہو گی۔'' امی آبدیدہ ہوگئیں۔

''نہیں امی! آپ کی ذات سے تو مجھے بڑا سہارا ملتا ہے میں آپ کو دیکھ کر۔''

''سعدی کے آنے سے اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ وہ اپنی دھن میں آ رہا تھا۔ جب ان دونوں کو دیکھا تو کچھ ٹھٹک کر پوچھنے لگا۔''

''یہاں کوئی ٹریجڈی سین تو نہیں ہو رہا؟'' پھر صوفے پر گرتے ہوئے بولا۔ ''میں پہلے ہی تھکا ہوا آیا ہوں۔ کسی کے آنسو نہیں پونچھوں گا۔''

''کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تم ہر روز تھکے ہوئے آتے ہو۔ دنیا جہان سے نرالے ایک تم ہی نوکری کر رہے ہو جیسے۔'' امی اس پر بگڑتے ہوئے بولیں۔

''سارا وقت دفتر، گھر کی کوئی فکر نہیں۔ یہ نہیں ہوتا کبھی جلدی آ کر بھاوج کو کہیں گھمانے پھرانے لے جاؤ۔ بے چاری بے زبان کچھ بولتی نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا کسی بات کو دل ہی نہیں چاہتا ہوگا۔''

''تو سارا رونا دھونا اسی بات کا تو ہے، ارے آپ ایسے حکم کریں میں غلام حاضر کھڑا ہوں۔'' وہ فوراً اٹھ کر اس کے سامنے جھکتے ہوئے بولا۔ ''چلیں کہاں چلنا ہے؟''

''کہیں نہیں۔'' وہ ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں رگڑتی ہوئی بولی۔

''لیجئے، یہ تو منع کر رہی ہیں۔'' وہ امی سے بولا۔

''کوئی منع نہیں کر رہی، چلو بیٹا اٹھو منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدلو۔'' امی نے اسے بھی ڈانٹ کر اٹھا دیا تھا۔

''کچھ دیر بعد وہ کپڑے تبدیل کر کے آئی تو سعدی کو جوتوں سمیت صوفے پر دراز دیکھ کر اسے اس پر رحم آنے لگا کہ بیچارہ پہلے ہی تھکا ہوا آیا ہے اب اسے لے کر جائے گا۔''

"یہ واقعی اس کے ساتھ زیادتی ہے۔" اس نے سوچا اور واپس پلٹنے لگی تھی کہ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"امی سے شکایت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں چل رہا ہوں۔ ذرا منہ ہاتھ دھو آؤں۔ اگر اجازت ہو تو۔"

"سعدی! میں نہیں جا رہی۔" اس نے الجھ کر منع کیا۔

"کیوں؟"

"بس میرا دل نہیں چاہ رہا۔"

"آپ کے دل کی ایسی تیسی، چلیں۔" وہ اس کا ہاتھ بغل میں دبا کر کھینچتا ہوا چل پڑا تو وہ چیخی۔

"موی کو تو لینے دو۔"

"نہیں، وہ تنگ کرے گی۔"

"اور جو امی کو تنگ کرے گی۔" اس نے کہا لیکن وہ اب کچھ سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"عجیب فضول آدمی ہو تم، موی کے بغیر بھلا کیا اچھا لگے گا۔" وہ اس کے پیچھے بیٹھی مسلسل جھنجھلا رہی تھی۔

"تھری چیئرز فار بھابی، ہپ ہپ ہرے۔" وہ اونچی آواز میں گانے لگا تو وہ اس کی پیٹھ میں مکا مار کر بولی۔

"ہم روڈ پر جا رہے ہیں۔"

"تو کیا ہوا، کسی کے باپ کی تو نہیں ہے روڈ۔"

"ہمارے باپ کی بھی نہیں ہے۔" وہ فوراً بولی تو وہ زور سے ہنسا پھر سپیڈ بڑھا کر جانے کون کون سی سڑکوں پر بائیک دوڑاتا ہوا آخر ایک چائنیز ریسٹورنٹ کے سامنے روک کر بولا۔

"آج ہم چائنیز ڈنر کریں گے۔"

"چائنا پر احسان۔"

"اور کیا، چلیں۔" وہ بائیک لاک کر کے اس کی طرف پلٹا تو وہ آگے چل پڑی۔

ٹھنڈے پرسکون ماحول میں آ کر کچھ دیر کے لئے دونوں خاموش ہو گئے۔ پھر مینیو پر نشان لگانے کے بعد اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"بائی دا وے، آپ رو کس بات پر رہی تھیں؟"

"کب......؟" وہ انجان بن گئی۔

"جب میں آفس سے آیا تھا۔ آپ امی کے سامنے زار و قطار آنسو بہا رہی تھیں۔"

"کوئی نہیں زار و قطار تو نہیں بس یونہی آنسو چھلک پڑے تھے اور اگر تم صرف یہی جاننے کے لئے مجھے یہاں لائے ہو تو واپس چلو۔" وہ کچھ برا مان کر بولی۔ تو وہ جھنجھلا گیا۔

"یہاں میں اس لئے نہیں لایا۔ لیکن گھر جا کر میں آپ سے اگلوا کر رہوں گا سمجھیں۔"

"اچھا، بس خاموش ہو جاؤ۔" وہ اسے ٹوک کر اطراف کا جائزہ لینے لگی۔ چھت اور دیواروں پر بھی بڑے خوبصورت نقش و نگار بنے تھے۔ جنہیں سراہتی ہوئی اس کی نظریں اچانک اس شخص سے جا ٹکرائیں جو اسے بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اس کے دیکھنے پر نہ چونکا نہ نظروں کا زاویہ بدلا بلکہ پیشانی پر لکیریں ابھر آئی تھیں۔

"کون ہے۔" اس نے سوچا اور فوراً اپنا چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔ لیکن اب اس کے لئے بیٹھنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ شخص پتا نہیں کون تھا جو اس کے پہلو بدلنے اور ناگواری سے دیکھنے کے باوجود اس پر سے نظریں نہیں ہٹا رہا تھا۔ آخر وہ دانت پیس کر سعدی سے بولی۔

"سنو میں بہت کنفیوز ہو رہی ہوں۔"

"کیوں؟" سعدی اس کے پکارنے پر متوجہ ہوا تھا۔

"وہ شخص مجھے بری طرح گھور رہا ہے۔" اس نے آنکھوں سے ادھر اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہائیں! کون ہے، کس کی اتنی مجال۔" سعدی نے اس کے اشارے کی سمت گردن موڑی لیکن پھر فوراً اپنے رخ پر ہو کر بولا۔

"باپ رے! یہ تو آغا جی ہیں۔"

"کون آغا جی؟" وہ الجھ کر بولی۔

"وہ سارہ کے کزن آغا حسن۔ آپ نہیں جانتیں انہیں۔ یہ میرے باس بھی ہیں۔" وہ ٹپٹا کر بتا رہا تھا۔

"تو مجھے کیوں گھور رہے ہیں؟" اس نے سادگی سے پوچھا تو وہ سر پر ہاتھ مار کر بولا۔

"تو اور کسے گھوریں گے۔ ان کی کزن کے منگیتر کے ساتھ آپ بیٹھی ہیں۔"

"ارے تو میں تمہاری کون ہوں؟" وہ سمجھ کر غرائی۔

"بھابی، پیاری بھابی لیکن انہیں تو نہیں پتا ناں۔ چلیں تعارف کرا دوں۔"

''سعدی کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا لیکن وہ اسی طرح بیٹھی رہی اور کچھ گردن اکڑا کر بولی۔''

''میں تو نہیں جارہی۔''

''کیوں......؟''

''کیوں کا کیا مطلب؟ میں عورت چل کر جاؤں، جی نہیں، تمہیں اپنی پوزیشن صاف کرنی ہے، تم جاؤ۔''

اسے اس وقت سعدی کو ستا کر بہت مزہ آرہا تھا۔

''صرف میرے جانے سے کیا ہوگا۔ جب تک آپ۔''

''یعنی اب میں صفائی پیش کروں۔'' وہ فوراً بول پڑی کہ ''مسٹر آغا آپ کچھ غلط نہیں سمجھئے گا۔'' میں اس کی بھابھی ہوں۔

''نہیں آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''بس میں جو کہوں اس پر سر ہلا دیجئے گا۔'' سعدی نے بمشکل اپنی جھنجھلاہٹ پر قابو پا کر کہا۔

''وہ میں یہیں سے ہلا دوں گی۔ کیسے ایسے یا ایسے۔'' اس نے پہلے اثبات میں سر ہلایا پھر نفی میں تو وہ دانت پیستا ہوا اس شخص کے پاس چلا گیا۔

''وہ بڑے آرام سے ہتھیلی پر تھوڑی ٹکائے ان دونوں کو دیکھنے لگی، لیکن پھر فوراً سنبھل کر بیٹھ گئی کیونکہ سعدی انہیں ساتھ لے کر آرہا تھا اور ابھی نہیں ان کے لیے کرسی بھی کھینچ دی اور جب وہ بیٹھ گئے تب اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔''

''سر! یہ میری بھابھی ہیں۔ لومیہ، مسز لومیہ، مسز لومیہ آذر......۔''

''اسلام علیکم، مجھے آغا حسن کہتے ہیں۔'' انہوں نے خود ہی اپنا تعارف کرایا تو وہ ان کے سلام کا جواب دیکر بولی۔

''جی ابھی سعدی نے مجھے بتایا تھا کہ آپ سارہ کے کزن ہیں۔''

''حسن اتفاق ہے۔'' وہ مسکرائے تو وہ اس سے نظریں چرا کر سعدی سے مخاطب ہوئی۔

''سعدی! کیا خیال ہے، کھانا گھر چل کر۔''

''ارے نہیں بھابھی! بس ابھی آرہا ہے۔'' سعدی نے فوراً کہہ کر ویٹر کو اشارہ کیا۔

''او کے مسٹر سعدی! مجھے اجازت۔'' آغا حسن کا انداز پروفیشنل تھا یا شاید وہ ہمیشہ اس لہجے میں بات کرتے تھے،، وہ سمجھ نہیں سکی۔

''سر پلیز، کھانا آرہا ہے۔ آپ ہمارے ساتھ ضرور شریک ہوں۔ مجھے خوشی ہوگی۔''

سعدی نے انہیں اٹھنے نہیں دیا تو وہ برا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''پھر کھانا لگنے پر سعدی نے انہیں متوجہ کیا تو وہ پوچھنے لگے۔''

''آپ کے ہسبنڈ کہاں ہوتے ہیں؟''

''اللہ میاں کے پاس۔'' اس نے بظاہر بہت سکون سے جواب دیا۔

''او آئی ایم ساری۔'' وہ بے حد متاسف سے اسے دیکھے گئے تو وہ پوری اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔

''سر! آپ یہ لیجئے ناں۔'' سعدی نے اسے مشکل میں دیکھ کر آغا حسن کو اپنی طرف متوجہ کرلیا، تب کہیں وہ کھانا کھا سکی اور کھانے کے دوران جو سعدی نے سیاست کا موضوع چھیڑ دیا تھا۔ وہ کھانے کے بعد بھی ختم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔ آخر اس نے اکتا کر ٹوک دیا۔

''سعدی! اب گھر چلو، موی نے امی کو بہت تنگ کررکھا ہوگا۔''

''سوری ...... ایک تو میں زبردستی آپ کا مہمان ہوا، مزید آپ کو بور بھی کیا۔'' سعدی سے پہلے وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور سعدی سے ہاتھ ملا کر چلے گئے تو وہ آزادی کا سانس کھینچ کر بولی۔

''بہت ہی فضول ہو تم۔ گھر چلو، میں تمہیں بتاؤں گی۔''

''کیا بتائیں گی؟''

''بس تم گھر چلو'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ایک سنٹ بل پے کرلوں۔'' سعدی نے ویٹر کو بل لانے کا اشارہ کیا تو وہ قریب آکر بولا۔

''بل پے ہو چکا۔''

''کس نے؟ او آئی سی۔ آغا جی نے کیا ہوگا۔ چلیں بھابھی۔'' سعدی نے سمجھ کر اسے چلنے کو کہا تو وہ باہر آکر بولی۔

''انہوں نے بل کیوں پے کیا؟''

''یہ آپ ان ہی سے پوچھئے گا۔'' وہ کہہ کر بائیک سٹارٹ کرنے لگا۔

''کبھی ملیں گے تو ضرور پوچھوں گی۔'' وہ اس کے پیچھے بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''اور سن لو، آئندہ میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی۔''

"اچھا بابا! اب راستے میں تو خاموش رہیں۔"

"کیوں خاموش رہوں۔ ایک تو وہ مجھے گھور رہا تھا، اوپر سے لا کے سر پہ بٹھا دیا۔ دل چاہ رہا تھا۔ سوپ کا پیالہ اس کے سر پر الٹ دوں۔ اگر تمہارا سالا نہ ہوتا، نہیں اگر تمہارا پاس نہ ہوتا۔ اچھا اب بھی، تم اس کی اتنی خوشامد کیوں کر رہے تھے تاکہ دونوں جگہ معاملہ سیٹ رہے۔ لیکن بل اس نے کیوں پے کیا؟"

"اس کی سوئی کسی ایک جگہ نہیں ٹک رہی تھی اور سعدی نے جیسے طے کر لیا تھا کہ کچھ نہیں بولے گا۔ گھر آنے تک وہ اس کی بے سروپا سنتا رہا۔ جب گیٹ سے اندر داخل ہو گیا تب بڑے پیار سے پوچھنے لگا۔"

"آذر بھائی بھلا آپ کو کیا کہتے تھے؟"

"بے وقوف۔" وہ بے ساختہ کہہ کر چیخی۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"میں آذر بھائی سے پوری طرح متفق ہوں۔"

"وہ کہہ کر رکا نہیں۔ بھاگ کر اپنے کمرے میں بند ہو گیا تو وہ جھنجلاتی ہوئی پہلے اپنے کمرے میں جانے لگی لیکن پھر موی کا خیال آنے پر اسے لینے امی کے کمرے تک آئی تھی کہ ابو کے منہ سے اپنا نام سن کر دروازے کے پاس ہی رک گئی وہ کہہ رہے تھے۔"

"مجھے تومیہ کی زیادہ فکر ہے۔ میں سمجھتا ہوں، وہ ہماری ذمہ داری ہے اور میں اسے ایسے ہی نہیں بٹھائے رکھنا چاہتا۔"

"ہاں، ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ آگے پہاڑ سی زندگی ایسے تو نہیں کٹ سکتی اور میں اب کیا کہوں کاش سعدی کی منگنی نہ ہوئی ہوتی۔" امی کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"منگنی ہے کوئی نکاح تو نہیں۔ تم سعدی سے بات تو کرو۔" ابو نے کہا تو امی پرسوچ انداز میں بولیں۔

"سعدی سے بات کروں اور ادھر سارہ کے ہاں کیا کہیں گے؟"

"ہماری مجبوری ہے۔ ہم آذر کی بیوہ اور بیٹی کو خود سے جدا نہیں کر سکتے اور اپنے پاس رکھنے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ سعدی سے اس کا نکاح کر دیں۔"

"ہاں، لیکن سعدی مانے گا تب تو۔"

"اسے مناؤ، اسے ماننا پڑے گا۔" ابو کی آواز اونچی ہو گئی تھی جب ہی وہ گھبرا کر وہاں سے چلی آئی۔

"تو امی، ابو بھی یہی چاہتے ہیں۔" وہ سونے کیلئے لیٹی تو سوچنے لگی لیکن سعدی، وہ شاید کبھی نہیں مانے گا کیونکہ وہ سارہ سے بہت محبت کرتا ہے۔ آج اس کے کزن کے آگے کیسے بچھا جا رہا تھا۔

"کزن، آغا حسن۔" اس کے ذہن میں اچانک جھماکا ہوا تھا اور پھر وہ اس نئے پر سوچتے سوچتے سو گئی تھی۔

"صبح ناشتہ بناتے ہوئے وہ خاصی مضمحل سی تھی۔"

"روزانہ کی طرح جب سعدی اس کی مدد کو آیا تو کچھ دیر میں اس کی پژمردگی محسوس کر کے کہنے لگا۔"

"میرا تو خیال تھا۔ کل کی تفریح سے آپ فریش ہوں گی لیکن آپ تو......"

"باتیں بنانے کے بجائے امی ابو کو ناشتہ دو جا کر۔"

"اس نے ٹرے اٹھا کر سعدی کو تھما دی تو وہ منہ ہی منہ میں جانے کیا بڑبڑاتا ہوا چلا گیا اور کچھ ہی دیر میں واپس آ کر رازداری سے پوچھنے لگا۔"

"آپ امی کے کمرے میں گئی تھیں۔"

"ہاں، کیوں؟" وہ بدستور اپنے کام میں مصروف تھی۔

"کتنے پراسرار لگ رہے ہیں دونوں۔ مجھے لگتا ہے کوئی پلان بنائے بیٹھے ہیں۔ میرے آفس جانے کے بعد ذرا معلوم تو کیجئے گا۔"

"یہ ٹی پاٹ ٹیبل پر رکھو۔" وہ اس کی بات کا نوٹس نہ لیتی ہوئی بولی۔

"ہائیں! یعنی میں بکواس کر رہا ہوں۔" وہ اچھل کر بولا۔

"سعدی! میں بہت ڈسٹرب ہوں۔ پلیز، مجھے تنگ مت کرو۔" وہ کہہ کر کچن سے جانے لگی کہ سعدی نے اس کا بازو تھام لیا۔

"آپ ڈسٹرب ہیں اور امی، ابو پراسرار لگ رہے ہیں، اس کا مطلب ہے انہوں نے آپ سے کچھ کہا ہے۔"

"نہیں بخدا انہوں نے کچھ نہیں کہا۔" وہ پریشان ہو گئی۔

"پھر......؟"

"پھر کچھ نہیں۔ تم خواہ مخواہ کیوں پیچھے پڑ جاتے ہو، چھوڑو مجھے۔"

"وہ جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا کر کچن سے نکلی اور اپنے کمرے میں بند ہو گئی اصل میں صبح

آنکھ کھلنے کے ساتھ اسے پہلا خیال یہی آیا تھا کہ اگر سعدی نے اس سے شادی سے انکار کر دیا تو پھر وہ کہاں جائے گی۔ اگر بالفرض یہاں رہ بھی گئی تو اس کی حیثیت بقول اماں نوکرانی سی ہو کر رہ جائے گی، اسی خیال سے وہ مضمحل اور پریشان تھی اور اس کا دل چاہ رہا تھا کچھ کھا کر سو رہے لیکن پھر موی۔''

''کاش موی نہ پیدا ہوئی ہوتی۔ لیکن اس کا کیا ہے، وہ تو بچی ہے۔ دادی کے پاس رہ سکتی ہے۔''

''دادی کب تک رہیں گے، ان کے بعد۔'' وہ سوچتی اور خود ہی اپنی ہر سوچ کی نفی بھی کر رہی تھی۔

''کتنا وقت گزر گیا، ابو اور سعدی آفس جا چکے تھے اس کے کتنی دیر بعد امی نے اس کے دروازے پر دستک دے کر پکارا تو وہ خود کو سرزنش کرتے ہوئے اٹھی اور دروازہ کھولتے ہوئے کچھ نادم بھی تھی۔''

''سوری امی! میرے سر میں درد ہو رہا تھا، موی کہاں ہے؟''

''ابھی کھیلتے کھیلتے سو گئی۔ چلو تم ناشتہ کر لو، پھر میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلتی ہوں۔'' امی کہہ کر واپس پلٹ گئیں تو وہ پریشان ہو کر ان کے پیچھے آتے ہوئے بولی۔

''کوئی تشویش کی بات نہیں ہے امی! میں ناشتے کے بعد ڈسپرین لے لوں گی۔ بس سر میں درد ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا۔''

''اور جو اتنی کمزور ہو رہی ہو۔ چہرہ دیکھو، پیلا زرد۔''

''سعدی بتا رہا تھا کل تم چکرا کر گری بھی تھیں۔''

''نہیں تو، وہ تو بس یونہی ...... اچھا میں ناشتہ کر لوں۔''

''اس سے کوئی بات نہیں بن پڑی تو ناشتے کے بہانے فوراً کچن میں آ گئی۔ گو کہ اس کا کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن امی کو دکھانے کی خاطر اس نے انڈا فرائی کر لیا اور سلائس گرم کر کے ڈائننگ ٹیبل پر آ بیٹھی اور امی شاید یہی دیکھنے کے لئے وہیں بیٹھی تھیں کہ وہ ناشتہ کرتی ہے یا نہیں۔''

''آپ کے لئے چائے بناؤں۔'' اس نے تھرماس اٹھاتے ہوئے امی کو دیکھا تو وہ جانے کس خیال سے چونک کر بولیں

''ہاں، آدھا کپ۔'' اس نے کپ میں چائے ڈال کر ان کے سامنے کھسکایا پھر بظاہر

سرسری انداز میں پوچھنے لگی۔

''آپ کیا سوچ رہی ہیں امی؟''

''بیٹا! میں بڑی مشکل میں پڑ گئی ہوں۔'' سمجھ میں نہیں آ رہا، کیا کروں۔'' امی جیسے اس سے بات کرنے کا سوچ کر بولی تھیں۔''

''کیسی مشکل؟'' اسے اب براہ راست متوجہ ہونا پڑا۔

''تم اور سعدی دونوں میرے بچے ہو اور میں دونوں کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں، میں صرف ایک کا خیال کر کے دوسرے کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ تمہارے ابو چاہتے ہیں، سعدی اور تمہارا نکاح کر دیا جائے اور چاہتی تو میں بھی یہی ہوں۔ لیکن سعدی کا تمہیں پتا ہے۔ وہ سارہ سے کتنی محبت کرتا ہے۔ ادھر سارہ کے گھر والے بھی اب شادی کے لئے اصرار کر رہے ہیں۔ ایسے میں بتاؤ میں کیا کروں۔ کیسے سعدی سے یہ کہہ دوں کہ وہ سارہ کا خیال چھوڑ دے اور تم سے نکاح کر لے۔ گو کہ وہ میری بات رد نہیں کرے گا لیکن کیا یہ اس کے ساتھ زیادتی نہ ہو گی۔''

''امی بہت بے بس سی ہو کر بول رہی تھیں جب خاموش ہو کر اسے دیکھا تو وہ نظریں چرا گئی۔ بولی کچھ نہیں۔''

''تم، تم کیا چاہتی ہو؟'' امی نے چند لمحے توقف کر کے پوچھا تو وہ سوچتی ہوئی بولی۔

''میں ہمیشہ آپ کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔ آپ کی محبت کے سائے میں لیکن مجھے ڈر ہے، سارہ آ جائے گی تو کہیں مجھے اس سائے سے محروم نہ ہونا پڑے۔''

''امی اس کا جواب سن کر خاموش ہو گئیں پھر چائے کا کپ خالی کر کے کہنے لگیں۔''

''ہمیشہ یہاں رہنے کا تو ایک ہی طریقہ ہے اور اس کے لئے تم خود سعدی سے بات کرو تو زیادہ بہتر ہے۔ ورنہ وہ مجھے الزام دے گا کہ میں نے آذر کی بیوی اور بچی کا سوچا اس کی خوشی کا خیال نہیں کیا جبکہ خدا گواہ ہے مجھے تم دونوں کی خوشی کا خیال ہے۔''

''اس کے ساتھ ہی امی اٹھ کر چلی گئیں اور وہ خود کو بہت تنہا محسوس کرنے لگی تھی۔''

☆

''عورت کے سر سے سائبان اٹھ جائے تو وہ کتنی بے مایا ہو جاتی ہے۔ یہ اسے اب پتہ چلا تھا۔ مرنے والے کے نام کے ساتھ زندگی گزارنے کا تصور اور دعوا جتنا آسان ہوتا ہے۔ اس پر عمل اتنا ہی مشکل، عورت چاہے بھی تو دنیا جینے نہیں دیتی۔ سب سے پہلے اپنے پرائے ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک سائبان کے لئے اسے کیا کچھ نہیں قربان کرنا پڑتا۔ انا، خودداری، ہستی

کاغرور، اس کے بعد بھی پتا نہیں سائبانی میسر آئے گی کہ نہیں وہ یہی سوچ سوچ کر بستر سے جا لگی تھی۔''

''آج تیسرے دن بھی اس کا بخار کم نہیں ہوا تھا۔ ابھی امی اسے دوا دے کر گئی تھیں۔

کچھ دیر بعد سعدی آیا تو اس پر نظریں جما کر کھڑا ہو گیا۔ پتا نہیں کیا چاہتا تھا۔ وہ الجھن محسوس کرتی ہوئی، کبھی ادھر دیکھتی کبھی ادھر پھر تنگ آ کر بولی۔''

''بیٹھ جاؤ سعدی! نہیں تو اپنے کمرے میں جاؤ۔''

''ہاہا!'' وہ گہری سانس کھینچتا ہوا کرسی بیڈ کے قریب کھینچ کر بیٹھ گیا پھر اس کی کلائی پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''بخار تو ابھی بھی کم نہیں ہے۔ آخر کیا ہو گیا ہے آپ کو آرام کرنے کا موڈ ہے تو یونہی آرام کر لیں۔ بیمار پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ لے کے پریشان کر کے رکھ دیا ہے سب کو۔''

''واقعی، مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کسی کو مزید پریشان کرنے کا۔'' وہ دکھ سے بولی۔

''مزید سے کیا مطلب ہے آپ کا؟''

''کچھ نہیں۔ بس تم جاؤ یہاں سے، میں سوؤں گی۔'' اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

لیکن پھر کچھ دیر میں ہی جھنجھلا کر اٹھ بیٹھی کیونکہ وہ بہت مطمئن انداز میں گنگنانے لگا تھا۔

''کیا چاہتے ہو تم......؟''

''میں چاہتا ہوں، آپ مجھے سمجھیں اور بتائیں کہ آپ کیوں اتنی ڈیپریسڈ ہیں۔ کیا بات آپ کو پریشان کر رہی ہے۔ دیکھیں، اپنے آپ کڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ جو بھی بات ہے، کہہ ڈالئے۔'' وہ بہت دھیرج سے بول رہا تھا۔

''کیا کہوں؟'' وہ آزردگی میں گھر گئی۔

''وہی جو کہنا چاہتی ہیں۔'' اس نے حوصلہ دلایا تو وہ ایک دم کہہ گئی۔

''تم مجھ سے شادی کر لو۔'' اس کے ساتھ ہی پیشانی گھٹنوں پر رکھ دی جبکہ سعدی کو بڑے زور کا جھٹکا لگا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ایسا کچھ کہے گی۔ کتنی دیر تک بیٹھا بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا پھر اسی خاموشی سے اٹھ کر جانا چاہتا تھا کہ اس کی آنسوؤں میں بھیگی آواز نے قدم روک لئے۔

''میں کیا کروں سعدی! مجھے اس گھر سے، گھر کے مکینوں سے محبت ہے۔ میں یہاں سے جانا نہیں چاہتی اور یہاں رہنے کا کوئی جواز بھی نہیں ہے میرے پاس۔''

''تو آپ نے یہ جواز ڈھونڈا ہے؟'' وہ طنز سے بولا تھا۔

''صرف میں نے نہیں، امی ابو بھی یہی چاہتے ہیں۔''

''امی ابو'' اس کی پیشانی پر گہری لکیریں کھنچ گئیں اور جیسے خود کو کچھ کہنے سے روکنے کی خاطر اس نے ہونٹ بھینچے تھے پھر اسی طرح کمرے سے نکل گیا تب گھٹنوں سے سر اونچا کرتے ہی وہ یک لخت پشیمانی میں گھر گئی۔

''اف، یہ میں نے کیا کہہ دیا۔ کیا سوچے گا سعدی کہ میں اسی لئے یہاں رہ رہی ہوں۔''

''سچ تو یہی ہے۔ اماں نے اس لئے تو مجھے یہاں بھیجا ہے۔''

''اور میں ایسی بے وقوف، اماں کے کہنے میں آ گئی۔''

''پھر اور کیا کرتی۔ کہاں جاتی اور تو کوئی نہیں ہے میرا۔''

''پتا نہیں اب سعدی کیا کرے گا۔ ابھی تو غصے میں گیا ہے، بعد میں شاید ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچے تو اسے بھی یہی ٹھیک لگے۔''

''لیکن پھر سارہ کا کیا ہو گا؟''

''ہائے بیچاری، کتنی محبت کرتی ہے سعدی سے اور سعدی بھی اسے کتنا چاہتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے بغیر۔''

''اللہ نہیں۔ ان دونوں کو کچھ نہ ہو، میں مر جاؤں۔'' وہ اپنے آپ بولے جا رہی تھی۔

معا موی کے چیخ کر رونے کی آواز آئی تو وہ بھاگ کر کمرے سے نکلی لیکن آگے برآمدے میں ٹھٹھک کر رک گئی۔

موی تخت سے نیچے گری تھی اور اس سے پہلے پہنچ کر سعدی اسے اٹھا رہا تھا۔ پھر پلٹا تو اسے دیکھ کر بولا۔

''آپ کیوں آ گئیں؟''

''لاؤ، مجھے دو۔'' وہ اس کی بات ان سنی کر کے آگے بڑھ آئی اور موی کو لینے کے لئے ہاتھ بڑھائے لیکن وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔

''نہیں، آپ کو بخار ہے۔ آپ جائیں، آرام کریں۔''

''بہت آرام کر لیا، لاؤ۔ دیکھو، یہ میرے پاس آنے کے لئے رو رہی ہے۔'' وہ اب موی کو جھپٹنے کے لئے آگے بڑھی تھی، تب ہی امی آ گئیں۔

''کیا ہوا بیٹا؟''

''امی! آپ نے موی کو اکیلا یہاں چھوڑ دیا تھا۔''

''وہ امی پر خفا ہونے لگا۔''

''گر گئی کیا، ہائے کہاں چوٹ لگی ہے۔'' امی پریشان ہو گئیں۔

''بس رہنے دیں۔'' وہ غصے سے کہتا موی کو لیتے ہوئے باہر نکل گیا تو وہ وہیں تخت پر گر کر رونے لگی۔

''ارے تم کیوں رونے لگیں۔ بٹیا! بچے گرتے ہی ہیں۔ چلو اٹھو، سعدی آ گیا تو اور ناراض ہو گا۔'' امی نے اس کا سر سہلاتے ہوئے کہا تو وہ آنسو پونچھتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

''پھر اگلے دن ایسے ہی بخار کی حالت میں وہ اماں کے گھر جانے کو تیار ہو گئی۔ امی نے کہا بھی کہ طبیعت ٹھیک ہو جائے پھر جانا۔ سعدی بھی لے جانے کو تیار نہیں ہوا تو اس نے رونا شروع کر دیا۔''

''بیٹی! جانے کو منع نہیں کر رہی لیکن ایسی حالت میں جاؤ گی تو تمہارے گھر والے کیا کہیں گے کہ بیمار پڑی تو یہاں بھیج دیا۔''

''بس میں جاؤں گی۔'' وہ ایسی ضدی تھی تو نہیں شاید بخار نے چڑچڑا دیا تھا۔ امی نے یہی سمجھ کر اجازت دے دی۔ لیکن آگے سعدی اڑ گیا۔

''میں نہیں لے جاؤں گا۔''

''میں خود چلی جاؤں گی۔'' اس نے بیگ کندھے پر ڈال کر موی کو اٹھا لیا اور امی کو خدا حافظ کہہ کر گیٹ سے نکلی تب وہ فوراً بائیک گھسیٹتا پیچھے آ گیا اور رعب سے بولا۔

''چلیں بیٹھیں۔'' وہ خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔

''تمام راستہ وہ اپنے آپ جھنجھلاتا اور جانے کیا کچھ کہتا رہا۔ وہ چپ چاپ سنتی رہی اور جب گھر کے سامنے اتری تب بھی بس اتنا کہا۔''

''شام میں مت آنا۔''

''کیوں؟''

''میں یہیں رہوں گی۔'' وہ کہہ کر اندر آ گئی۔ اس کا ردعمل دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔

''ہائیں! تمہیں کیا ہوا ہے۔'' اماں نے اس کا زرد چہرہ دیکھتے ہی ٹوکا تو وہ پھٹ پڑی۔

''آپ کو کیا؟ آپ کی بلا میں مروں یا جیوں، آپ نے تو مجھے ایسے لاوارثوں کی طرح چھوڑ دیا ہے۔''

''میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں، صرف سعدیہ اور فرح ہی آپ کی اولاد ہیں۔ میرا کوئی نہیں ہے۔ میرا کوئی نہیں ہے۔'' وہ رونے لگی تھی۔

''ارے بیٹی۔'' اماں نے کھینچ کر اسے اپنے ساتھ لگایا۔ ''سعدیہ! پانی لاؤ بہن کے لئے فرح! ادھر آ کر موی کو اٹھاؤ۔''

''اللہ آپی! کیوں رو رہی ہیں۔'' فرح نے موی کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

''آپی! پانی لیں۔'' سعدیہ فوراً پانی لے آئی تھی۔ اماں نے گلاس لے کر اس کے منہ سے لگایا۔ پھر کچھ پانی ہاتھ میں لے کر اس کے چہرے پر ڈالتی ہوئی بولیں۔

''کیوں لاوارثوں کی طرح چھوڑوں گی میں تمہیں، بس ذرا اطمینان اس لئے ہے کہ تمہارے سسرال والے اچھے ہیں۔''

''کتنے بھی اچھے ہوں۔ میں اب وہاں نہیں جاؤں گی۔'' اس نے ناراضی سے کہا۔

''اچھا مت جانا۔ کوئی زبردستی تھوڑی ہے۔'' اماں اس کی دلجوئی کرنے لگیں۔ تو دھیرے دھیرے وہ کچھ پرسکون ہو کر سو گئی تھی۔

☆

وہ تومیہ کی بات سے بہت ڈسٹرب ہو گیا تھا اور جیسا کہ اس نے کہا تھا کہ امی، ابو بھی یہی چاہتے ہیں تو اس سے وہ سمجھ گیا کہ ان ہی کے کہنے پر تومیہ نے اس سے شادی کا کہا ہے۔ ورنہ خود سے وہ ایسا نہیں سوچ سکتی تھی۔ اس کے بارے میں وہ آذر بھائی کی رائے سے پوری طرح متفق تھا کہ وہ بے وقوفی کی حد تک سادہ ہے۔ ہر ایک کی باتوں میں آ جاتی تھی۔ اس لئے اس کا غصہ اور ناراضی تومیہ سے ہٹ کر امی کی طرف منتقل ہو گئی تھی کہ انہوں نے اس کی سارہ کے ساتھ وابستگی جاننے کے باوجود ایسا کیوں سوچ لیا اور پھر بجائے پہلے خود اس سے بات کرنے کے تومیہ سے کہلوا دیا۔ جسے وہ شروع سے بھابھی سے زیادہ بہن سمجھتا تھا اور وہ بھی ہمیشہ یہی کہتی تھی۔

''سعدی! اللہ نے میری بھائی کی کمی پوری کر دی۔ سچ اگر میرا سگا بھائی ہوتا تو وہ بالکل تمہارے جیسا ہوتا۔''

''اور اگر میری سگی بہن ہوتی تو وہ بالکل آپ جیسی ہوتی۔'' وہ بھی فوراً اس کی بات

دہراتا تھا۔

"اور ایسے مقدس اور پیارے رشتے کے درمیان امی نے کیا شوشہ چھوڑ دیا تھا۔ وہ سوچ سوچ کر پریشان تھا اور ایسے منتشر ذہن کے ساتھ وہ کام کیا کرتا، اِدھر کی فائل اُدھر، اُدھر کی اِدھر۔ خود اسے پتا نہیں تھا کہ کیا کر رہا ہے۔ جب اس کے ایک ساتھی نے ٹوکا تب اپنی غلطیوں کا احساس کر کے وہ بقیہ کام چھوڑ کر بیٹھ گیا اور پھر گھر جانے کا سوچ رہا تھا کہ آغا حسن کا بلاوا آ گیا، وہ سمجھ گیا۔ کچھ دیر پہلے انہیں جو پیپرز بھیجے ہیں ان میں کوئی غلطی ہو گئی ہے جب ہی ان کی طرف سے سخت سست سننے کے لئے تیار ہو کر وہ ان کے کمرے میں آیا تھا۔"

"یس سر۔"

"پلیز۔" آغا حسن نے فائل پر سے نظریں ہٹائے بغیر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر کچھ دیر بعد اسے دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"کیا پئیں گے؟"

"جی۔" وہ چونکہ سخت سست سننے کا منتظر تھا اس لئے حیران ہوا۔

"میرا خیال ہے، اس وقت آپ کو اسٹرانگ چائے کی ضرورت ہے۔" انہوں نے انٹر کام پر چائے کا کہا پھر اس کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔ مجھے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ ایسا ہی ہے ناں کوئی پرابلم؟

"نو سر! نو پرابلم۔" اس نے گہری سانس سینے میں روک کر کہا تو وہ مسکرا کر بولے۔

"اگر تم مجھے اس وقت سر نہ کہو تو میرا خیال ہے، ہم دوستوں کی طرح بات کر سکتے ہیں۔"

"جی!"

"تو اب دوستوں کی طرح بتا دو کہ کیا پرابلم ہے۔ جس میں الجھ کر تم نے سارے حساب کتاب الجھا دیئے ہیں۔" انہوں نے اپنے سامنے سے فائل اٹھا کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تو وہ جز بز ہو کر بولا۔

"سوری سر۔"

"نو، نو سر۔" انہوں نے ٹوکا۔

"آئی ایم سوری، اصل میں۔" اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے۔

"کیا اصل میں، سارہ سے لڑائی ہو گئی ہے کیا؟"

"انہوں نے فوراً قیاس ظاہر کیا تو وہ بھی فوراً بولا۔"

"جی نہیں۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

"میں صبح سے کچھ اچھا محسوس نہیں کر رہا۔ شاید میرا بلڈ پریشر لو ہو رہا ہے۔"

"اوہ!" یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔ فوراً چیک کراؤ۔

"جی!۔"

"اور وہ جو اس روز تمہارے ساتھ تھیں تمہاری بھابھی وہ تمہارے ساتھ رہتی ہیں؟۔"

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بچے بھی ہیں ان کے؟"

"ایک بیٹی ہے سال بھر کی۔"

"بڑی ٹریجڈی ہوئی ان کے ساتھ۔ میرا سلام کہئے گا انہیں۔" انہوں نے بہت سرسری انداز میں کہا تو وہ ایک دم یاد آنے پر بولا۔

"انہیں ایک شکایت ہے آپ سے۔"

"مجھ سے۔" وہ حیران ہوئے۔

"جی وہ یہ کہ اس روز بل آپ نے کیوں پے کیا تھا؟" اس نے بتایا تو وہ بے ساختہ مسکرا کر بولے۔

"کیونکہ میں باقاعدہ انوائیٹڈ نہیں تھا۔ ان سے کہئے گا اگر انہیں بل پے کرنے کا شوق ہے تو مجھے باقاعدہ انوائٹ کریں۔"

"میں انوائیٹ کر رہا ہوں لیکن کسی ریسٹوران میں نہیں بلکہ گھر آیئے گا۔" اس نے کہا تو وہ بس سر ہلا کر رہ گئے، پھر کچھ دیر رک کر وہ ان سے اجازت لے کر آفس سے نکل آیا تھا۔

"اور جب وہ گھر میں داخل ہوا تو غیر معمولی خاموشی کا احساس ہونے پر اسے یاد آیا کہ نومیہ صبح اپنی اماں کے ہاں گئی تھی اور ظاہر ہے، موی بھی اس کے ساتھ تھی جب ہی خاموشی چھائی تھی۔"

"نومیہ کو نہیں لائے؟" امی نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"نہیں۔ انہوں نے منع کیا تھا۔" اس نے بتایا تو امی تعجب سے پوچھنے لگیں۔

"کیوں، آج وہیں رہے گی کیا؟"

''مجھے کیا پتا، آپ کو بتا کر نہیں گئیں کہ کتنے دن وہاں رہیں گی۔'' وہ چڑ کر بولا۔

''رہنے کی بات تو نہیں کی تھی اس نے، فون بھی نہیں ہے ان کے ہاں جو معلوم کروں۔'' امی پرسوچ انداز میں اپنے آپ سے بولنے لگی تھیں، وہ سر جھٹک کر اپنے کمرے میں آگیا۔

''اگلے دن چھٹی تھی اور یہ پہلا موقع تھا کہ اسے چھٹی کا دن یاد نہیں تھا جب ہی صبح معمول کے مطابق اٹھ گیا اور روزانہ کی طرح ناشتہ بنانے میں نومیہ کی مدد کرنے کے ارادے سے کچن میں آیا تو آگے امی کو دیکھ کر اسے اپنے آپ پر غصہ آیا کہ وہ کیوں بھول جاتا ہے کہ نومیہ یہاں نہیں ہے اور شاید اب کبھی یہاں نہیں آئے گی۔''

''آج جلدی کیسے اٹھ گئے؟'' امی نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

''ایک کام سے جانا ہے۔ آپ ہٹیں میں بنالوں گا چائے وائے۔''

''بن چکی، تم یہ ٹرے ابو کے پاس لے جاؤ۔'' امی نے کہا تو اس نے ٹرے اٹھالی۔

''پھر ناشتے کے بعد وہ تیار ہو کر گھر سے نکل آیا۔ کیونکہ موی کے بغیر گھر کاٹنے کو دوڑ رہا تھا۔ پھر امی سے جو جھوٹ بول چکا تھا کہ کام سے جانا ہے وہ بھی نبھانا تھا۔ یوں دو گھنٹے وہ بے مقصد بائیک دوڑاتا رہا۔ اس کے بعد بھی گھر جانے کو دل نہیں چاہا تو سارہ کے گھر آ گیا۔''

''آج ہم تمہاری ہی طرف جانے کا پروگرام بنائے بیٹھے ہیں۔'' سارہ کی امی نے چھوٹتے ہی کہا تو وہ مروتاً بولا۔

''چلیں، ابھی چلیں۔''

''ابھی نہیں شام میں۔ تمہارے ابو کو کہیں جانا تو نہیں ہے ناں۔ مجھے ان ہی سے بات کرنی ہے، تمہاری شادی کے سلسلے میں آخر انہوں نے کیا سوچا ہے۔'' انہوں نے اپنے جانے کا مقصد بتا کر پوچھا تو وہ کچھ دیر رک کر کہنے لگا۔

''میں آپ کو اپنے گھر جانے سے تو منع نہیں کروں گا آنٹی لیکن۔ خاص اس مقصد سے ابھی نہیں جائیں۔ کیونکہ پچھلے کئی دنوں سے بھابھی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ شاید ٹائی فائڈ ہو گیا ہے جب ہی بخار اتر نہیں رہا۔ امی ابو ان کے لئے پریشان ہیں۔ ایسے میں وہ میری شادی کے بارے میں ٹھیک سے کچھ نہیں کہہ سکیں گے۔''

''تو تم نے پہلے نہیں بتایا چلو پھر آج نومیہ ہی کو دیکھ آئیں گے۔'' انہوں نے کہا تو وہ سٹپٹا کر بولا۔

''نہیں، بھابھی تو گھر پر نہیں ہیں۔ میرا مطلب ہے، بہت گھبرا رہی تھیں ابھی میں انہیں ان کے میکے چھوڑ کر آرہا ہوں۔''

''بخار کی حالت میں۔''

''جی پہلے ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا پھر وہاں سے وہ ادھر چلی گئیں۔ آجائیں گی ایک دو دن میں تو میں آپ کو مطلع کر دوں گا۔''

''اسے جھوٹ پر جھوٹ بولنا پڑ رہا تھا۔ جب ہی موضوع بدل گیا۔''

''وہ آنٹی! سارہ کہاں ہے۔ مجھے اس سے کام ہے۔''

''ہاں میں بھیجتی ہوں اسے۔'' وہ کہتی ہوئی چلی گئیں تو اس نے گہری سانس کھینچ کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''کچھ دیر بعد سارہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو وہ اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔''

''سنو میں یہاں نہیں بیٹھ سکتا۔ میرے ساتھ باہر چلو۔''

''باہر کہاں؟''

''کہیں بھی، اتنا بڑا شہر ہے جاؤ امی سے اجازت لے آؤ میں باہر انتظار کر رہا ہوں۔''

''وہ اسے کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر باہر نکل آیا اور اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ کچھ دیر بعد ہی وہ آگئی تھی۔''

☆

''رات اس نے سوچا تھا کہ وہ سارہ کو اس نئی صورتحال سے آگاہ کرے گا۔ یعنی اسے بتائے گا کہ امی ابو نومیہ کے لئے کیا سوچ رہے ہیں اور پھر اس سے کہے گا کہ وہ فی الحال اپنے گھر والوں کو اس کے ہاں نہ آنے دے جب تک وہ امی ابو کو اپنے حق میں ہموار نہ کر لے۔ اس وقت وہ یہی سب کہنے کے لئے اسے اپنے ساتھ لایا تھا۔ لیکن اب شش و پنج میں تھا کیونکہ جو کچھ اس نے سوچا تھا وہ کہہ دینا آسان نہیں لگا۔ گو کہ جتنا اسے۔ اپنی محبت پر بھروسہ تھا اسی قدر سارہ پر۔ پھر بھی وہ ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔''

''سنو، تمہیں کس نے کہا ہے کہ تم چپ بیٹھے سوچتے ہوئے اچھے لگتے ہو۔''

''کتنی دیر اس کے متوجہ ہونے کا انتظار کرنے کے بعد بالآخر مایوس ہو کر سارہ نے اس کے سامنے ٹیبل پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔''

''کیا بات ہے اسے، مایوس کیوں نظر آرہے ہو؟''

''مایوس نہیں ہوں یار۔'' وہ کرسی کی بیک سے کمر ٹیک کر سینے پر دونوں ہاتھ باندھتے ہوئے بولا۔ ''اور تم بھی مایوس مت ہونا۔''

''کس بات سے؟'' وہ کچھ کھٹکی تھی۔

''ہے ایک بات۔ سوچ رہا ہوں تم سے کہوں یا نہیں۔ ڈر رہا ہوں کہیں تم بدگمان نہ ہو جاؤ۔'' اس نے سوچتے ہوئے خدشہ ظاہر کیا۔

''بدگمان تم سے، نہیں سعدی! اگر مجھے تمہاری طرف سے بدگمان ہونا ہوتا تو کب کی ہو چکی ہوتی۔''

''سارہ نے کہا تو اس نے چونک کر پوچھا۔''

''کیا مطلب؟''

''بھئی، تمہارے گھر میں ایک خوبصورت سی لڑکی رہتی ہے اور میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گی۔''

سعدی! شروع میں میرے اندر یہ خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں تم ہمدردی میں یا کسی بھی جذبے کے تحت اپنی محبت کی قربانی دے کر نومیہ کو نہ اپنا لو لیکن میں نے دیکھا کہ تم اسے سگے بھائیوں کی طرح پیار کرتے ہو تب سے میں مطمئن ہو گئی۔

''سارہ نے صاف گوئی سے کہا تو وہ بس اسے دیکھتا رہ گیا۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ اس وقت ویٹر اس کا آرڈر سرو کرنے آ گیا تھا۔ جب ہی سارہ کا دھیان ہٹ گیا ورنہ ٹوکتی ضرور اور جب ویٹر چلا گیا تب پوچھنے لگی۔''

''ویسے تم لوگوں نے ان کے بارے میں کیا سوچا ہے۔ میرا مطلب ہے ان کی شادی، کیونکہ ابھی ان کی عمر تو اتنی نہیں ہے۔ میرے برابر ہی ہوں گی یا سال دو سال بڑی۔''

''ہاں سوچنا تو پڑے گا۔'' وہ اب اس موضوع کو ٹالنا چاہتا تھا۔ کیونکہ سارہ نے جس طرح اس پر اعتماد کا اظہار کیا تھا، اس کے بعد وہ یہ مسئلہ اس کے سامنے نہیں رکھ سکتا۔

''تمہارے امی ابو کیا کہتے ہیں؟''

''سوچ رہے ہیں وہ بھی، دیکھو کیا کرتے ہیں۔ چلو تم یہ سینڈوچ لو۔'' اس نے سارہ کا دھیان ہٹانے کے لئے پلیٹ اس کے سامنے رکھی لیکن اسے جیسے بات کرنے کا موقع ملا تھا، فوراً بولی۔

''میری نظر میں ایک پرپوزل ہے۔ میں بہت دنوں سے سوچ رہی تھی کہ تم سے کہوں

لیکن......!''

''کون......؟'' وہ یکدم پوری جان سے متوجہ ہوا تھا۔

''میرے کزن آغا حسن! تم جانتے ہو انہیں۔''

''سارہ نے کہا تو اس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔''

''میرا خیال ہے، وہ شادی شدہ ہیں اور شاید ان کے بچے بھی ہیں۔''

''ہاں دو بچے ہیں لیکن بیوی نہیں ہے۔'' سارہ نے اعتراف کے ساتھ بتایا تو وہ خاموش ہو گیا۔ پھر قدرے توقف سے سارہ خود ہی کہنے لگی۔

''آغا اپنی بیوی کو طلاق دے چکے ہیں۔ بلکہ اس نے خود طلاق لی تھی کیونکہ وہ کسی اور کو پسند کرتی تھی۔ بمشکل تین سال آغا کے ساتھ رہی پھر دونوں بچے ان کے حوالے کر کے چلی گئی۔ اس کے بعد آغا کو شاید کسی عورت پر اعتبار نہیں رہا۔ ان کے والدین ان کا دوبارہ گھر بسانے کی آرزو لئے دنیا سے اٹھ گئے۔''

''تو اب وہ کیسے آمادہ ہوں گے؟''

''میں بلکہ ہم دونوں کوشش کرتے ہیں۔ سچ سعدی! اگر ان دونوں کی شادی ہو جائے تو ان کے بچوں کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ ہے ناں۔'' سارہ نے اس سے تائید بھی چاہی۔

''ہاں دیکھو، ابھی تو تم نے چائے ٹھنڈی کر دی ہے۔'' اس نے چائے کو دیکھتے ہوئے برا سا منہ بنایا جس پر جھلی سی بن گئی تھی۔

''تمہاری باتوں میں ٹھنڈی ہو گئی۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''اس وقت سے تم بولے جا رہی ہو۔''

''حالانکہ بولنا تم چاہتے تھے، ارے تمہاری بات تو رہ ہی گئی۔ چلو اب کہو، کیا کہہ رہے تھے۔'' سارہ نے یاد آنے پر کہا تو وہ اب اطمینان سے بولا۔

''میں بھی یہی کہنا چاہتا تھا یعنی نومیہ کی شادی البتہ آغا حسن میرے ذہن میں نہیں تھے اور ہاں ایک اور بات کہ جب تک نومیہ کی شادی نہیں ہو جاتی، میں شادی نہیں کر سکتا۔ اسے تم میری مجبوری سمجھ لو اور اس کے لئے تمہیں ے ساتھ تعاون کرنا ہے۔''

''کیسا تعاون؟'' وہ اس کی بات پر اندر ہی اندر جز بز ہو رہی تھی۔

''تمہارے ماں باپ تمہاری شادی پر اصرار کر رہے ہیں اور میں چاہتا ہوں انہیں تم کسی بہانے سے روکو کیونکہ میں اگر کہوں گا کہ میں نومیہ کے بعد شادی کروں گا تو یہ بات شاید انہیں

بری لگے۔ تم سمجھ رہی ہو ناں۔"

"ہاں، لیکن میں کیا بہانا کروں اور پھر پتا نہیں امی ابو مانیں گے بھی کہ نہیں۔" سارہ شاید دامن بچا رہی تھی۔

"تمہیں ہرصورت انہیں منانا ہے سارا میری خاطر۔" اس نے زور دے کر کہا تو وہ زچ ہو کر بولی۔

"آخر تم ایسا کیوں چاہتے ہو۔" کیا مجبوری ہے تمہارے ساتھ؟

"یہ میں تمہیں ابھی نہیں بتا سکتا اور پلیز، تم ضد نہیں کرنا۔ بس مجھے یہ اطمینان دلا دو کہ تمہاری طرف سے فوری شادی کا تقاضا نہیں ہوگا۔"

"نہیں ہوگا۔" وہ فوراً بولی تھی۔

"ناراض ہو کر کہہ رہی ہو۔" وہ اسے اپنی نظروں کی گرفت میں لے کر پوچھنے لگا۔

"ہاں، بہت زیادہ اور سنو جب تک تم نومیہ کی شادی نہ کرا لو مجھ سے مت ملنا اب سارہ کے لہجے اور ہر انداز سے ناراضی ظاہر ہوگئی تھی جبکہ وہ بوکھلا گیا۔"

"یہ، یہ کیا کہہ رہی ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا، تم جانتی ہو۔ میں دو دن تمہیں نہ دیکھوں تو میری دنیا اندھیر ہونے لگتی ہے اور پھر نومیہ کی شادی کے لئے بھی تو ہم دونوں نے مل کر کوشش کرنی ہے۔"

"اچھا بس اب چلو۔" سارہ اٹھنے لگی تو وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"پہلے وعدہ کرو، میرا ساتھ دو گی۔"

"دے تو رہی ہوں اور کیسے دوں۔"

"ایسے۔" وہ اس کا ہاتھ زور سے دبا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"پھر سارہ کو گھر چھوڑ کر اس نے سوچا، پہلے نومیہ کے پاس جائے اور پوچھے کہ اس کا کیا پروگرام ہے۔ اسی بہانے موی سے بھی مل لے گا، اصل میں وہ موی کے لئے بے چین ہو رہا تھا لیکن نومیہ پر اپنی اس کمزوری کو وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے بہانا سوچ رہا تھا اور بس یہی سوچتے سوچتے وہ گھر آ گیا تو آگے امی یوں دیکھنے لگیں جیسے وہ پتا نہیں کیا بھول آیا ہو اور وہ سمجھ کر بھی انجان سا بن کر اپنے کمرے میں آ گیا اور ابھی جوتے اتار رہا تھا کہ امی آ کر پوچھنے لگیں۔"

"نومیہ کو نہیں لائے؟"

"میں انہیں لینے نہیں گیا تھا۔" وہ ان کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

"پتا ہے کام سے گئے تھے۔ واپسی میں نہیں لا سکتے تھے۔" امی نے غصے سے کہا تو وہ بھی تیز ہو کر بولا۔

"کیوں؟ کیوں لاؤں جب وہ آنا نہیں چاہتیں اور آپ کیوں انہیں زبردستی یہاں رکھنا چاہتی ہیں۔ اس گھر سے اب ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اب انہیں اپنی زندگی جینے دیں۔ یہاں رہ کر وہ اپنے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکیں گی۔"

"وہ کیا فیصلہ کرے گی۔ ابھی اس کے بڑے موجود ہیں، اس کی فکر کرنے والے اور یہ تم نے کیسے کہہ دیا کہ اس کا اس گھر سے کوئی تعلق نہیں۔"

"کیا تعلق ہے۔ آپ کی پوتی کی ماں، یہ کوئی ایسا تعلق نہیں ہے جس کی بناء پر آپ انہیں ہمیشہ کے لئے یہاں رکھ لیں۔"

"تمہیں آخر اس سے کیا دشمنی ہے۔ وہ تم پر بوجھ تو نہیں ہے۔ اللہ کا شکر ہے تمہارے باپ کمانے والے ہیں۔" امی نے کہا تو وہ دکھ سے بولا۔

"یہ کیا بات کہی آپ نے۔"

"غلط نہیں کہی۔"

"بالکل غلط اور مجھے بھی غلط سمجھ رہی ہیں آپ۔ میں اگر ان کا دشمن ہوتا تو آپ کی طرح سوچتا۔"

"میں دشمن ہوں اس کی؟"

"صرف ان کی ہی نہیں، میری بھی دشمن ہیں۔" وہ کہہ کر کمرے سے ہی نہیں گھر سے بھی نکل آیا تھا۔

☆

"رات وہ بہت دیر سے گھر لوٹا تھا۔ صرف اس لئے کہ امی سے سامنا نہ ہو۔ اس کے خیال میں وہ سو چکی ہوں گی، لیکن آگے دروازہ کھولنے کو وہی موجود تھیں پھر اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں چلی آئیں۔"

"کھانا کھاؤ گے؟"

"نہیں کھا چکا ہوں، آپ سوئیں آرام سے۔" وہ ان کے آنے سے جزبز ہوا اور انہیں ٹالنا بھی چاہا لیکن وہ پتہ نہیں کیا سوچ ہوئے تھیں۔ اس کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"فکروں میں نیند کہاں آتی ہے۔"

"آپ نے خوامخواہ کی فکریں پال رکھی ہیں۔" وہ کہتا ہوا وارڈ روب سے اپنے کپڑے نکال کر واش روم میں بند ہوگیا اور کچھ دیر بعد جب چینج کر کے نکلا تو امی کو بیٹھے دیکھ کر جھنجلا گیا۔

"اب کیا مسئلہ ہے؟"

"نومیہ کو لے آؤ۔ موی کے بغیر دل نہیں لگتا۔ گھر سونا ہوگیا ہے۔ تم سارا دن گھر پر رہو تو تمہیں پتا چلے۔" انہوں نے کہا تو وہ خود پر قابو پا کر ان کے پاس آ بیٹھا اور ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"میں جانتا ہوں امی! لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ چند دن یہاں رہیں گی پھر چلی جائیں گی۔" اس لئے بہتر یہ ہے کہ آپ بھی ان کے بغیر رہنے کی عادت ڈالیں۔

"تمہیں اب میں کیا کہوں۔" امی عاجز سی ہو کر بولیں۔

"جو آپ کہنا چاہتی ہیں، وہ میں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں اور یہ ممکن نہیں ہے۔ اگر آپ کو گھر سونا لگتا ہے تو آپ سارہ کو لانے کی بات کریں۔" اس نے بھی اب صاف بات کرنے کی ٹھان لی۔

"اور نومیہ کا کیا ہوگا؟" امی کے ذہن پر ہر طرف نومیہ سوار تھی۔

"وہ آپ کی ہماری ذمہ داری نہیں ہے پھر بھی میں ضرور کوشش کروں گا کہ ان کی کہیں اچھی جگہ شادی ہو جائے۔"

"تم کوشش نہ کرو، تب بھی اس کی شادی ہو جائے گی۔ محروم تو ہم رہیں گے۔ جوان جہان بیٹا اللہ نے لے لیا اور جو اس کی ایک نشانی موی، دل کی تسکین کا باعث تھی اسے بھی اب ترسیں گے۔" امی کی آواز بھرا گئی تھی۔

"کیوں ترسیں گے۔ میں صبح ہی موی کو لے آؤں گا۔" اس نے فوراً کہا تو امی بھی فوراً بولی تھیں۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے صرف موی کو لانے کی، وہ نومیہ کے ساتھ آئے گی ورنہ نہیں۔"

"تو پھر بھول جائیں دونوں کو۔" وہ چڑ کر بولا تھا۔

"ہاں بھول جاؤں گی لیکن ماں سے بچہ جدا کرنے کا ظلم کبھی نہیں کروں گی۔" امی کے آنسو ایک تواتر سے بہہ نکلے تھے۔ اس نے انہیں اپنے ساتھ لگانا چاہا لیکن وہ اس کے ہاتھ جھٹک کر چلی گئیں۔

"یا اللہ کس قدر جذباتی ہوتی ہیں یہ عورتیں اور جس بات پر اڑ جائیں توبہ، توبہ۔"

"اس نومیہ کی بچی کو تو میں چھوڑوں گا نہیں، عزت راس ہی نہیں آرہی اسے۔ بھابھی بھابھی کہتے میری زبان گھس رہی ہے اور وہ مسکین سی بن کر کہتی ہے، مجھ سے شادی کرلو۔ اس کی تو میں وہ شادی کراؤں گا کہ۔"

"وہ نیند آنے تک باقاعدہ آواز سے سوچتا رہا تھا۔"

"پھر اگلے کئی دن وہ خود پر جبر کرتا رہا گو کہ امی کا رونا اور ان کی آزردگی بری طرح محسوس کر رہا تھا اور خود اس کا دل بھی چاہتا تھا کہ جا کر نومیہ اور موی کو لے آئے لیکن صرف اس خیال سے رکا ہوا تھا کہ کہیں امی نومیہ اور موی کو اس کی کمزوری سمجھ کر پھر اپنا مطالبہ نہ دہرانا شروع کر دیں۔"

"ادھر امی نے اس روز کے بعد سے پھر اس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ جبکہ وہ اب ان کے کہنے کا انتظار کر رہا تھا۔ لیکن انہوں نے پتا نہیں کیا سوچ لیا تھا شاید اس کی طرف سے مایوس ہو کر وہ نومیہ اور موی کے بغیر رہنے کی عادت ڈال رہی تھیں اور اس خیال سے وہ مطمئن تو تھا لیکن سارہ کے ساتھ وہ جو نومیہ کی شادی کا پروگرام بنا چکا تھا تو اس کے لئے نومیہ کی یہاں موجودگی ضروری تھی۔ تب ہی تو وہ اسے آغا حسن سے ملوا سکتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ دو تین ملاقاتوں میں ہی وہ دونوں ایک دوسرے سے متاثر ہو کر سنجیدگی سے سوچنے لگیں گے اور فی الحال تو وہ نومیہ کو لانے کی سوچ رہا تھا اور کیونکہ امی اب اس کا تذکرہ بھی نہیں کرتی تھیں۔ اس لئے اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی خود سے اس کا ذکر چھیڑنے کی۔"

"روزانہ آفس سے واپسی پر تمام راستے وہ یہی سوچتا تھا کہ گھر میں داخل ہوتے ہی بھابھی بھابھی پکارنا شروع کر دے گا۔ شاید اسی بہانے امی کچھ کہیں۔ لیکن اس سے یہ بھی نہیں ہو سکا۔ پورا ایک مہینہ ہوگیا تھا اسے گئے ہوئے۔ اس وقت وہ یہی حساب لگا رہا تھا کہ نظروں کے عین سامنے اس کا چہرہ آگیا۔"

"بھابھی!" وہ سگنل کی پروا کئے بغیر بائیک اس کے قریب لے گیا۔ "سگنل کھلنے والا ہے۔ جلدی سے بیٹھ جائیں ورنہ۔"

"ورنہ کیا۔" وہ جو اس کی بائیک قریب آنے پر بوکھلا گئی تھی وارننگ پر پریشان بھی ہوگئی۔

"یہ ساری گاڑیاں آپ کو روندتی ہوئی گزریں گی۔" اس نے کہا تو وہ ادھر ادھر دیکھ کر

جلدی سے اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔

''امی کو یہی سعادت مندی نہیں بھولتی۔'' وہ اپنے آپ سے بولا تھا۔

''مجھ سے کچھ کہہ رہے ہو۔''

''ارے آپ سے تو بہت کچھ کہنا سننا ہے۔'' اس نے کہہ کر سپیڈ سے بائیک بھگا دی۔

کچھ دیر بعد وہ پیچھے سے چلانے لگی تھی۔

''کہاں جا رہے ہو سعدی! مجھے پلیز گھر چھوڑ دو۔۔''

''موی پریشان ہو رہی ہو گی اور سب کو تنگ کر رہا ہو گا۔ تم بس مجھے یہیں اتار دو، میں خود چلی جاؤں گی۔''

''وہ جیسے سن ہی نہیں رہا تھا۔ اپنی دھن میں مگن جانے کن راستوں پر بائیک دوڑاتا ہوا جب ایک ریسٹورنٹ کے سامنے رکا، تب اسے دیکھ کر بولا۔''

''پہلے تو بہت بولتی تھیں آپ۔''

''تم ابھی تک بہرے ہو، علاج نہیں کرایا اپنا۔''

''اس نے سلگ کر کہا تو وہ کان میں انگلی ڈال کر ہلاتا ہوا بولا۔''

''فرصت ہی نہیں ملتی۔''

''مجھے یہاں لانے کی فرصت ہے۔''

''ارے تم سے تو مجھے پرانے بدلے لینے ہیں۔''

''ہائیں تم ...... خبردار جو مجھ سے تم تو تڑاخ سے بات کی تو بڑی ہوں میں تم سے۔''

''بڑائی والا رشتہ ختم ہو گیا اور عمر میں، میں تم سے چار سال بڑا ہوں۔ ثبوت کے طور پر یہ شناختی کارڈ دیکھو۔ اپنا بھی نکالو۔'' وہ جیب سے شناختی کارڈ نکالتے ہوئے بولا۔ تو وہ مزید تپ گئی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا میرا۔ مطلب ہے کیا چاہتے ہو تم مجھ سے۔''

''اندر چلو، بتاتا ہوں۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا ریسٹورنٹ میں لے گیا اور جب بٹھا چکا تب اس کا ہاتھ چھوڑ کر پوچھنے لگا۔

''تم کس حساب سے میکے جا بیٹھی ہو اور کس کی اجازت سے؟''

''مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ ناراضی سے بولی۔

''ماشاء اللہ بڑی خود مختار ہو گئی ہو، جب ہی شام ڈھلے اکیلے سڑکوں پر دندناتی پھر

رہی ہو۔ کہاں تو اماں کے گھر تک اکیلی نہیں جا سکتی تھیں۔'' اس کے طنز آمیز انداز پر وہ یکدم روہانسی ہو گئی۔

''سعدی!'' مجھ سے اس طرح بات مت کرو۔ مجبوری انسان سے کیا کچھ نہیں کرواتی۔

''مجبوری۔''

''کیوں تم نہیں جانتے۔ میں بیوہ عورت ہوں، میری ایک بیٹی بھی ہے اور مجھے اس لئے کیا کچھ نہیں کرنا۔ کوئی کہاں تک ہمارا ساتھ دے گا۔ سال دو سال، اس کے بعد بھی تو آخر مجھے ہی باہر نکلنا ہے پھر میں ابھی سے کیوں نہ اپنی ذمہ داری سنبھال لوں۔'' آنسو پینے کی کوشش میں آخر میں اس کی آواز حلق میں اٹک گئی تھی۔

''اے خدا آزمائش بھی کن لوگوں پر ڈالتا ہے۔ یہ احمق لڑکی تو ابھی دنیا کے چلن سے واقف ہی نہیں ہے۔'' اس نے دکھ سے سوچا پھر اس کے سامنے ٹیبل پر انگلی بجا کر بولا۔

''اے رونا نہیں، ریلیکس ہو جاؤ۔ میں ابھی آتا ہوں۔''

''ک، کہاں جا رہے ہو؟'' وہ گھبرا کر پوچھنے لگی۔

''تمہیں چھوڑ کر بھاگوں گا نہیں، بس ابھی آتا ہوں۔'' وہ کہہ کر پہلے کاؤنٹر پر جا کر چند لمحے وہاں رکا پھر باہر نکل گیا اور پانچ منٹ میں واپس بھی آ گیا تو وہ اس کے بیٹھنے سے پہلے بولی۔

''چلو سعدی! بہت دیر ہو گئی ہے۔''

''تو کیا ہوا، میں ساتھ ہوں ناں، تمہیں یہاں سے اکیلا نہیں بھیجوں گا۔'' وہ آرام سے بیٹھ گیا اور مینیو اٹھا کر اس پر نشان لگانے لگا تو وہ عاجزی سے بولی۔

''سعدی! گھر میں تو کسی کو پتا نہیں ہے ناں کہ تم میرے ساتھ ہو۔ سب پریشان ہوں گے۔''

''ہونے دو۔'' وہ پہلے بے دھیانی میں بولا۔ پھر ایک دم ٹپٹا گیا۔ ''نہیں میرا مطلب ہے۔ کوئی پریشان نہیں ہو گا، سب کو پتا ہے اس وقت ٹریفک کتنی جام ہوتی ہے۔ ویسے اس وقت تم کہاں سے آ رہی تھیں۔''

''جاب کر رہی ہو کیا؟''

''نہیں، جاب کے لئے نکلی تھی۔ دو تین جگہ انٹرویو دیئے۔ دعا کرو کہیں کام بن جائے۔''

''میں کیوں دعا کروں۔ جس نے تمہیں جاب کا مشورہ دیا، دعا بھی اسی سے کراؤ۔''

اس نے ایک دم نروٹھے پن سے کہا تو وہ چیخ کر بولی۔

''مطلب کیا ہے تمہارا؟ میں خود سے کوئی کام نہیں کر سکتی۔''

''نہ، بالکل نہیں اور مجھے یہ بھی بتاؤ کہ مجھ سے شادی کا مشورہ تمہیں کس نے دیا تھا۔''

''سعدی پلیز، اس بات کو بھول جاؤ۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔'' اس نے بہت نادم ہو کر منت کی لیکن وہ اڑ گیا۔

'' پہلے میری بات کا جواب دو۔ وہ مشورہ کس کا تھا۔''

''میں نہیں بتا سکتی۔''

''اس کا مطلب ہے تم کسی اور کے کہنے میں آئیں۔ خود تم نے ایسا نہیں سوچا تھا اور میں بس یہی جاننا چاہتا تھا۔'' وہ اب جیسے مطمئن سا ہو گیا تھا۔

''اچھا بس اب چلو یا مجھے جانے دو۔''

''آرام سے بیٹھی رہو ورنہ۔'' وہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا کہ سارہ کو دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

''ارے سعدی! تم یہاں؟ اچھا نومیہ کے ساتھ آئے ہو۔ کیسی ہو نومیہ۔'' سارہ نے ان دونوں کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''تم کس کے ساتھ آئی ہو؟''

''آغا کے ساتھ، اصل میں ان کے بچے آئس کریم کے لئے ضد کر رہے تھے اور مجھے بھی زبردستی اپنے ساتھ لے آئے۔'' سارہ نے بتاتے ہوئے آغا کے پانچ سالہ بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر اسے آگے کیا تو وہ ایک نظر اس پر ڈال کر پیچھے کھڑے آغا حسن کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''سر پلیز، آیئے ناں۔''

''میرا خیال ہے، ہم لوگ وہاں۔'' انہوں نے اسی قدر کہا تھا کہ سارہ بول پڑی۔

''یہیں بیٹھتے ہیں آغا!''

''ایز یو لائیک۔'' وہ بیٹھتے تب نومیہ کو دیکھ کر پوچھنے لگے۔ ''آپ کیسی ہیں؟''

''ٹھیک ہوں۔'' وہ خاصی بے مروتی کا مظاہرہ کر گئی۔ کیونکہ ان لوگوں کی آمد سے اب اسے بہت دیر ہو جانے کا خدشہ لاحق ہو گیا تھا۔

''کیا بات ہے نومیہ!'' تمہاری طبیعت ٹھیک ہے۔ بہت کمزور لگ رہی ہو۔ سارہ نے اسے متوجہ کرتے ہوئے کہا تو اس سے پہلے وہ بول پڑا۔

''ہاں، پچھلے دنوں کافی بیمار رہی ہے یہ، میں نے تمہیں بتایا تو تھا کہ نومیہ کو ٹائیفائیڈ ہو گیا ہے۔ ویسے اللہ کا شکر ہے۔ اب بالکل ٹھیک ہے جب ہی تو میں اسے باہر نکال لایا ہوں۔''

''اچھا کیا۔ گھمایا پھرایا کرو اسے۔'' سارہ اس سے کہہ کر آغا حسن کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔

''آغا! آپ کو پتا ہے نومیہ کے ساتھ کتنی بڑی ٹریجڈی ہوئی ہے۔''

''ہوں۔ سعدی نے بتایا تھا۔ بہت افسوس ہوا اور بی بی! آپ کو بہت ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ آپ اکیلی نہیں ہیں۔ آپ کے پاس بیٹی ہے اور اس کے لئے تو ماں بھی آپ ہیں، باپ بھی آپ۔''

''آغا حسن بہت سنجیدگی سے اسے سمجھا رہے تھے۔''

''سعدی کچھ دیر سنتا رہا پھر سارہ کے بازو میں چٹکی کاٹ کر سرگوشی میں بولا۔''

''یہ کیا اس کے ابا بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''سارہ بے ساختہ زور سے ہنسی تو وہ شپٹا کر آغا حسن کے بچے کو گدگدانے لگا تھا۔''

☆

''وہ ہمیشہ کی طرح نومیہ کو اس کے گھر کے سامنے اتار کر جانے کے بجائے اس کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تو آگے واقعی اس کی اماں، ابا اور بہنیں بہت پریشان کھڑی تھیں، موی الگ رو رو کر ہلکان تھی۔''

''موی!'' اس نے سب کو نظر انداز کر کے بے اختیار موی کو بازوؤں میں بھر کر سینے میں بھینچ لیا تو روتی ہوئی بچی ایک دم چپ ہو گئی۔ جبکہ اس کا سینہ معصوم بچی کی ہلکی ہلکی سسکیوں سے شق ہونے لگا تھا۔ کتنی دیر وہ چپ چاپ کھڑا رہا۔ جب نومیہ نے اس کے بازوؤں سے موی کو نکالا تب اس نے چونک کر اپنے اطراف سب کو دیکھا پھر سنبھل کر سلام کرتے ہوئے بولا۔

''میں معافی چاہتا ہوں، میری وجہ سے نومیہ کو گھر آنے میں دیر ہوئی اور آپ سب پریشان ہوئے۔''

''بیٹھ جاؤ بیٹا!'' ابا کی جیسے جان میں جان آئی تھی۔

''بیٹھتے ہوئے بولے۔''

''شکریہ۔'' وہ بیٹھتے ہی کہنے لگا۔ ''میں آپ کی اجازت سے نومیہ اور موی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔''

''کہاں؟'' اماں نے ناگواری سے پوچھا تھا۔

''گھر اور یہ اب وہیں رہیں گی۔'' اس نے کہا تو اماں صاف انکار کرتے ہوئے بولیں۔

”نہ بیٹا! تم اس سے چار دن کی ہمدردی مت جتاؤ۔“

”اسے یہیں رہ کر کچھ کرنے دو۔“

”کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے انہیں۔ جب تک میں زندہ ہوں۔ ان کی ہر جائز ضرورت پوری کروں گا جبکہ موی کی ہر جائز ناجائز، بالکل اس طرح جیسے ایک باپ اپنی سب سے لاڈلی اولاد کے لئے کرتا ہے۔“

”وہ بے شک اچانک جذباتی ہوا تھا لیکن بہت ٹھوس لہجے میں بول رہا تھا۔ جب ہی اماں فوراً کچھ نہیں کہہ سکیں۔ لیکن جو خدشے ان کے اندر تھے انہیں دبانا بھی مشکل تھا، کچھ دیر سوچنے کے بعد پوچھنے لگیں۔“

”تم کس حیثیت، کس ناطے سے یہ سب کرو گے؟“

”کس ناطے سے؟ موی میری بھتیجی، میرے بھائی کی بیٹی، میرا اپنا خون ہے اور خونی رشتے سے بڑھ کر اور کون سا رشتہ ہے؟“

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن کل کو جب تمہاری بیوی آئے گی تو وہ کہاں برداشت کرے گی تمہاری بھتیجی اور بھاوج کو۔“ اماں نے اپنا خدشہ اس انداز سے بیان کیا تو وہ بہت ضبط سے بولا۔

”آپ کی اس بات پر میں کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ آپ کا خدشہ بے بنیاد ہے اور پھر میرا فی الحال شادی کا کوئی ارادہ نہیں۔“

”آخر تو ہو گی۔“

”ضرور ہو گی لیکن نومیہ کی شادی کے بعد۔“ اس نے ہمت کر کے کہہ ہی دیا اور پھر فوراً پوچھنے لگا۔ ”کیا آپ نومیہ کو ساری زندگی ایسے ہی بٹھائے رکھنا چاہتی ہیں؟“

”نہیں۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔“ اماں جو اس کی پہلی بات پر حیران ہو رہی تھیں سوال پر پہلو بدل کر بولیں۔

”بس تو ٹھیک ہے، اس کی شادی کرنے کے بعد ہی میں شادی کروں گا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے اور اب آپ کو اسے میرے ساتھ بھیجنے پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔“

”وہ کہہ کر ابا کو دیکھنے لگا کیونکہ اب ان کی طرف سے جواب چاہتا تھا اور ابا کہنے لگے۔“

”بیٹا! ہم نے تو پہلے بھی اعتراض نہیں کیا تھا لیکن لوگ باتیں بناتے ہیں۔“

”لوگوں کی بات چھوڑیں انکل! آپ صرف اپنی بات کریں اگر آپ کو مجھ پر، میرے ماں باپ پر بھروسہ ہے تو بلائیں نومیہ کو۔“

”وہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تو ابا نے اماں کی طرف دیکھا اور وہ اٹھ کر نومیہ کو بلانے چلی گئی تھیں۔“

”اور رات بارہ بجے کے بعد جب وہ نومیہ اور موی کو لے کر گھر پہنچا تو اتنی دیر ہو جانے پر امی جو ناراض اور غصے میں تھیں، اس کے پیچھے نومیہ کو دیکھتے ہی ان کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ لیکن اس سے پھر بھی بات نہیں کی البتہ نومیہ کو گلے لگایا تو وہ رونے لگی۔“

”ارے، روتی کیوں ہو بیٹا۔“ انہوں نے اپنے آنسو چھپا کر اس کی پیشانی چومی۔

”مجھے معاف کر دیں، میں نے آپ کو ناراض کیا۔“ نومیہ نے کہا تو وہ حیران ہوئیں۔

”ہائیں! میں کب ناراض ہوئی۔“

”کیوں ناراض نہیں تھیں کہ یہ آپ کو بتائے بغیر چلی گئی اور پھر پلٹ کر خبر نہیں لی۔“ وہ فوراً بولا کیونکہ راستے بھر نومیہ سے یہی کہہ کر خائف کرتا آیا تھا۔

”فضول بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لاؤ موی کو ادھر دو۔“ امی نے اسے ڈانٹا پھر موی کو لے کر نومیہ سے بولیں۔ ”چلو بیٹی! تمہارے ابو ابھی جاگ رہے ہیں۔ انہیں سلام کر لو۔“

”میرا سلام بھی کہہ دیجئے گا۔“ وہ کہتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔

”اس کا خیال تھا، امی اس سے ضرور پوچھیں گی کہ وہ نومیہ کو کیسے لے آیا اور شاید کیوں لائے کا سوال بھی اٹھائیں۔ لیکن کتنے دن گزر گئے، ان کی طرف سے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ البتہ وہ خوش بہت تھیں۔“

”سارا وقت موی کے ساتھ لگی رہتیں گھر میں بھی کافی رونق ہو گئی تھی۔ وہ اس طرف سے مطمئن ہو کر اب صرف نومیہ اور آغا حسن کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی تدبیریں سوچتا رہتا تھا۔ اس وقت وہ یہی سوچ رہا تھا کہ سارا کا فون آ گیا۔“

”کیا کر رہے ہو؟“

”سچ بتاؤں، میں ابھی تمہیں یاد کر رہا تھا اور اب پوچھو کیوں۔“ اس نے کہا تو ادھر وہ فوراً بولی۔

”کیوں؟“

”یار! کوئی پروگرام سیٹ کرو۔ ان دونوں کو ملوانے کا۔“

”میں نے اسی سلسلے میں تمہیں فون کیا تھا۔“ سارہ اب آواز دبا کر بولی تھی۔

''اچھا۔'' وہ خوش ہو گیا۔

''ہاں، میں اس وقت آغا حسن کے گھر سے ہی بات کر رہی ہوں اور تقریباً آدھے گھنٹے بعد ان کے ساتھ عوامی مرکز جاؤں گی۔ تم نومیہ کو لے کر وہیں آجاؤ۔''

''سارہ نے کہا تو وہ گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔

''ٹھیک ہے، وہیں ملتے ہیں۔'' اس کے ساتھ ہی وہ ریسیور رکھ کر کمرے سے نکل آیا۔

''امی! میں بازار جا رہا ہوں۔ کچھ منگوانا ہے آپ کو؟''

''مجھے۔'' امی کچھ دیر سوچ کر بولیں۔ ''نہیں، نومیہ سے پوچھ لو؟''

''کہاں ہے نومیہ؟'' وہ کچن کی طرف بڑھا پھر پلٹ آیا۔

''میرا خیال ہے اسے ساتھ لے جاتا ہوں اس کے اور موی کے کپڑے دلا دوں گا۔ خود سے تو وہ کہے گی نہیں۔''

''ہاں، کہاں کچھ کہتی ہے۔''

''تو آپ کہیں اس سے، میں جب تک شاور لے لوں۔'' وہ جلدی سے کہہ کر واپس اپنے کمرے میں آ گیا اور جب تیار ہو کر نکلا تو نومیہ تیار بھی تھی اور جانے سے انکار بھی کر رہی تھی۔ وہ زبردستی اسے کھینچتا ہوا باہر لے آیا۔

''مجھے کچھ خریدنا وریدنا نہیں ہے، سمجھے۔'' وہ اچک کر بائیک پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

''سمجھ گیا۔'' وہ سپیڈ سے بائیک بھگاتا ٹھیک وقت پر عوامی مرکز پہنچ گیا اور بظاہر ایک جگہ رک کر اپنے لئے جینز دیکھنے لگا لیکن اس کے کان سارہ کی آواز کے منتظر تھے۔ کیونکہ اس کا خیال تھا وہی اسے ڈھونڈتی ہوئی آئے گی اور یوں ظاہر کرے گی جیسے اتفاقاً ملے ہوں۔

''سنو، کیا صرف دیکھنے آئے ہو۔ لینی نہیں ہے۔''

''نومیہ نے اس کے سامنے ڈھیر ہوتی پینٹوں کو دیکھ کر کہا تو وہ چونک کر بولا۔''

''ہاں تم بتاؤ، کون سی لوں۔''

''مجھے جینز کی کوئی پہچان نہیں ہے۔ اپنی مرضی سے جو لینی ہو جلدی لو۔ ایک ہی جگہ جم کر کھڑے ہو گئے ہو۔'' وہ کہہ کر آگے بڑھ گئی تو اس نے جلدی سے جینز نکال کر پیک کروائیں پھر تیز قدموں سے اس کے قریب جا کر اپنا والٹ اس کے ہاتھ میں تھماتا ہوا بولا۔

''سنو، مجھے خواتین کی شاپنگ کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ یہ پیسے پکڑو اور اپنے اور موی کے لئے جو لینا ہو لے لو۔''

''میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مجھے کچھ نہیں لینا۔''

''بکو مت۔ دیکھو، یہ فراک کتنی خوبصورت ہے۔'' اس نے ڈانٹ کر اسے فراک کی طرف متوجہ کیا تھا تب ہی سارہ کی چہکتی آواز آئی۔

''ارے سعدی! یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''ظاہر ہے شاپنگ۔'' وہ کن انکھیوں سے نومیہ کو دیکھ کر بولا۔

''لیڈیز۔''

''نومیہ دیکھ رہی ہے۔'' اس نے نومیہ کا بازو ہلا کر سارہ کی طرف متوجہ کیا تو وہ قصداً مسکرائی۔

''کیسی ہو سارہ؟''

''بالکل ٹھیک۔''

''کس کے ساتھ ہو؟'' نومیہ نے اس کے آس پاس دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آغا حسن کے ساتھ۔ انہیں اپنے بچوں کے لئے شاپنگ کرنی تھی۔ آؤ ادھر ہی چلتے ہیں۔ تم دونوں اپنے اپنے بچوں کی شاپنگ کرنا۔ میں ذرا سعدی کے ساتھ گپ شپ لگا لوں گی۔ کیوں سعدی۔ سارہ نے کہہ کر اسے دیکھا تو وہ کندھے اچکا کر بولا۔''

''ہاں اتفاق سے یہ موقع ہاتھ آیا ہے، چلو نومیہ۔''

''نومیہ اسے گھورنے لگی لیکن وہ انجان سا بن کر آگے چل پڑا اور جب دیکھا کہ سارہ ان دونوں کا سامنا کرا چکی ہے تب وہیں رک گیا۔''

''چلو اب تم آرام سے اپنی شاپنگ کر سکتے ہو۔''

''سارہ اس کے قریب آ کر بولی پھر بھی اس نے سنا نہیں کیونکہ اس کا دھیان نومیہ کی طرف تھا۔ جو گھبرا کر شاید اسی کی تلاش میں نظریں ادھر ادھر دوڑا رہی تھی۔''

''کہاں کھو گئے؟'' سارہ نے اس کا بازو ہلایا تو وہ چونک کر بولا۔

''وہ نومیہ۔ یار! وہ اکیلی گھبرا رہی ہے۔''

''اکیلی کہاں، آغا ہیں ناں۔''

''ہاں لیکن......''

''سعدی! وہ اسی طرح ایک دوسرے کے قریب آئیں گے۔ چلو ہم ادھر چلتے ہیں۔'' سارہ نے زبردستی اس کا رخ موڑا تو وہ اس کے ساتھ چل پڑا اور چند قدموں کے بعد واقعی بھول گیا کہ

اس کے ساتھ نومیہ بھی تھی۔ تقریباً آدھ پون گھنٹے بعد وہی اسے ڈھونڈتی ہوئی آئی تھی اور سارہ کا خیال کر کے ہی اسی قدر بولی۔

''چلو سعدی۔''

''ہو گئی تمہاری شاپنگ؟'' وہ بغیر اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولا۔

''ہاں۔''

''اور آغا کہاں ہیں؟'' سارہ نے پوچھا تو وہ بظاہر سیدھے سادے انداز میں بولی۔

''وہ میرے ساتھ تو نہیں تھے۔''

''ارے! تم دونوں ایک ہی۔ خیر آ گئے۔'' سارہ نے آغا حسن کو آگے دیکھ کر کہا تو وہ پھر سعدی سے بولی۔

''چلو ناں سعدی۔''

''ایک منٹ۔ آغا سے ہیلو ہائے کر لوں۔'' وہ اس سے کہہ کر فوراً ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''السلام علیکم سر۔''

''وعلیکم اسلام'' وہ مسکرائے۔ ''شاپنگ ہو رہی ہے۔''

''ہو چکی سر۔''

''گڈ۔ چلیں سارہ! بچے انتظار کر رہے ہوں گے۔'' انہوں نے کہا تو سارہ اسے دیکھ کر بولی۔

''او کے سعدی! پھر تم آنا۔ نومیہ کو بھی لے کر آنا۔'' اس نے بس سر ہلا دیا اور نومیہ کو اشارہ کر کے آگے چل پڑا تھا۔

''سنو! یہ آغا حسن ہر جگہ سارہ کو کیوں اپنے ساتھ لئے پھرتے ہیں۔'' گھر آتے ہی نومیہ نے بہت سادگی سے اس سے پوچھا تو وہ ان سے ہمدردی جتاتے ہوئے بولا۔

''کیا کریں بے چارے اکیلے جو ہیں۔''

''کیوں بیوی کہاں گئی؟''

''وہ انہیں چھوڑ کر چلی گئی۔''

''اللہ میاں کے پاس۔'' اس نے جس انداز سے اپنے شوہر کے بارے میں یہ جواب آغا حسن کو دیا تھا، اسی انداز سے ان کی بیوی کے بارے میں پوچھا تو وہ بمشکل اپنی بے ساختہ ہنسی روک کر بولا۔

''نہیں۔ ان کے ساتھ دوسری ٹریجڈی ہوئی ہے۔ وہ لڑکی کسی اور کو پسند کرتی تھی، ماں باپ نے زبردستی ان کے ساتھ شادی کر دی اور وہ انہیں دو بچوں کا تحفہ دے کر چلی گئی۔ شاید اسی کے پاس جسے پسند کرتی تھی۔''

''اف۔ ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ بچوں کو بھی چھوڑ دیا۔'' وہ واقعی دنیا سے نابلد تھی۔

''ہاں۔''

''چہ چہ۔'' وہ کچھ دیر افسوس کا اظہار کرتی رہی پھر وہی بات۔

''لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ وہ اب اپنے ہر کام کے لئے سارہ کو بلا لیں۔''

''تو کیا ہوا اگر جو سارہ انکے بچوں کا خیال کر لیتی ہے۔ نیکی کا کام ہے، جب تک ان کی شادی نہیں ہو جاتی۔'' وہ پتا نہیں کیا کہنے جا رہا تھا کہ وہ حیرت سے بولی۔

''وہ انکل اب شادی کریں گے۔''

''ان۔کل......'' وہ اچھل پڑا۔ ''وہ انکل کسے کہہ رہی ہو۔''

''وہی آغا جی۔'' وہ بڑی لاپرواہی سے کہہ کر شاپر میں سے چیزیں نکالنے لگی۔

''وہ تمہیں انکل لگتے ہیں؟'' وہ اس کے ہاتھ سے شاپر کھینچتے ہوئے بولا۔ لیکن اس کے انداز میں ذرا برابر فرق نہیں آیا۔

''کیوں تمہیں نہیں لگتے؟'' چشمہ لگوا لو، یقیناً تمہاری نظر کمزور ہو گئی ہے۔

''اور تمہارا دماغ خراب ہے جو اتنے ہینڈسم شخص کو انکل بتا رہی ہو۔''

''تو تمہیں کیوں اتنا برا لگ رہا ہے۔ میں نے تمہیں تو نہیں انکل کہہ دیا۔''

''انہیں بھی مت کہو کیونکہ وہ مجھ سے دو چار سال ہی بڑے ہوں گے۔'' وہ اپنی شرٹ کے کالر سیدھے کرتے ہوئے بولا۔

''تم دنیا کے پہلے مرد ہو جو خود کو بوڑھا کہہ رہے ہو۔'' وہ شاپر اس کے منہ پر مار کر کمرے سے نکل گئی تھی تو وہ سچ مچ اپنے بال نوچنے لگا تھا۔

☆

''وہ یہ سوچ کر سارہ کے پاس آیا تھا کہ اسے آغا حسن کے بارے میں نومیہ کی رائے بتائے گا اور ان کی رائے بھی پوچھے گا لیکن اس سے پہلے ہی سارہ نے ان کی تعریف شروع کر دی تھی۔''

''سعدی! میں نے آغا حسن کو اب قریب سے دیکھا ہے، وہ اتنے پیارے اتنے

نفیس انسان ہیں کہ۔'' وہ ایک لمحہ کو کھو گئی پھر چونک کر بولی تھی۔ ''نومیہ ان کے ساتھ بہت خوش رہے گی۔''

''ہاں۔'' وہ اندر ہی اندر جز بز سا ہو کر پوچھنے لگا۔

''تم نے ان سے نومیہ کے بارے میں بات کی؟''

''نہیں، میں کیوں کروں گی۔ میرا مطلب ہے، وہ خود جب کہیں گے۔ کیا ہم ان دونوں کو اس لئے نہیں ملنے کے مواقع فراہم کر رہے تا کہ وہ ایک دوسرے کو پسند کر لیں؟'' سارہ کہہ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''ہوں۔ ویسے ان کی نومیہ کے بارے میں کیا رائے ہے۔ کچھ کہا تو ہو گا انہوں نے۔''

اس نے اثبات میں سر ہلا کر پوچھا تو وہ سوچتی ہوئی بولی۔

''نومیہ کے بارے میں۔ نہیں ابھی تک تو کچھ نہیں کہا۔ البتہ میں نے نومیہ کا ذکر چھیڑ کر ان کے تاثرات دیکھے تھے اور میرا خیال ہے وہ انہیں اچھی لگتی ہے۔ تم نے نومیہ سے پوچھا وہ کیا کہتی ہے۔''

''انکل!'' وہ بڑے مزے سے کہہ گیا اور غلطی کا احساس سارہ کے چیخنے پر ہوا تھا۔

''کیا انکل......!''

''وہ میں اپنے انکل کی بات کر رہا ہوں، آج کل آئے ہوئے ہیں، اس لئے مجھے نومیہ سے بات کرنے کا موقع نہیں مل رہا۔'' اس نے بڑی جلدی بات بنالی اور گہری سانس کھینچتے ہوئے بولی۔

''او گاڈ! تم نے تو مجھے چکرا دیا تھا۔''

''خیر، یہ کوئی چکرانے والی بات تو نہیں تھی۔ میں آغا حسن کو انکل کہہ دوں......''

''خود ہی شرمندہ ہو جاؤ گے۔'' وہ فوراً بولی تھی۔

''واقعی۔ ویسے کیا ایج ہو گی ان کی؟'' اس نے تائید کے ساتھ پوچھا۔

''فورٹی یا فورٹی ٹو۔ اس ایج میں مردوں کی پرسنالٹی نکھر جاتی ہے ناں؟'' سارہ نے آغا حسن کی عمر بتا کر تعریف بھی کی اور اس سے تائید بھی چاہی تو اس نے یونہی سر ہلا دیا کیونکہ اس کا ذہن نومیہ کی طرف چلا گیا تھا۔ جس نے غالباً مذاق میں انہیں انکل کہہ دیا تھا۔

''تم کیا سوچنے لگے؟'' سارہ نے ٹوکا تو وہ اسے دیکھ کر بولا۔

''میں سوچ رہا ہوں۔ ان دونوں کا معاملہ جلد طے ہو جانا چاہئے تا کہ ہماری باری آئے۔''

''مشکل ہے۔ میرا مطلب ہے، بہت جلدی تو ممکن نہیں ہے، کچھ وقت لگے گا۔'' سارہ اپنے کسی خیال میں گھری بول رہی تھی، وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔

''پھر متوجہ کر کے پوچھنے لگا۔''

''اچھا سنو۔ آئندہ کا کیا پروگرام ہے۔ اگلا پروگرام ملاقات کا؟''

''میں تمہیں فون کر دوں گی۔''

''ٹھیک ہے پھر میں چلتا ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''آغا حسن کے گھر چھوڑ دینا۔ میں امی سے کہہ آؤں۔''

''وہ کہتی ہوئی اندر چلی گئی تو وہ وہیں رکنے کے بجائے باہر آ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔

پھر اس کے آتے ہی بائیک سٹارٹ کر دی۔''

''میں آج آغا کو کریدنے کی کوشش کروں گی۔''

'' کچھ دیر بعد وہ خود ہی بولی تھی۔ اس کے بعد بھی جانے کیا کیا کہتی رہی۔ وہ بس ہوں ہاں کرتا رہا اور اسے آغا کے گھر اتارتے ہوئے اسے لگا جیسے اس نے بائیک روکی ہی نہیں تھی بلکہ اپنے گھر آ کر اسے یقین ہوا کہ اس کی بائیک یہیں رکی ہے۔''

''پھر سارہ کیسے اتری؟'' وہ حیران ہوتا سیدھا اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد ہی نومیہ آ کر تشویش سے پوچھنے لگی۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک ہے......؟'' وہ چھت سے نظر ہٹا کر اسے دیکھنے لگا بولا کچھ نہیں تو وہ مزید متوحش ہو گئی۔

''ایسے کیسے آ کر لیٹ گئے ہو۔ صبح تو اچھے بھلے تھے۔''

''ابھی بھی اچھا بھلا ہوں۔ کچھ نہیں ہوا مجھے۔'' وہ اٹھ بیٹھا۔

'' کچھ تو ہوا ہے۔ کھوئے کھوئے اور کچھ روٹھے روٹھے بھی لگ رہے ہو۔ اچھا سمجھ گئی، سارہ نہیں ملی ہو گی۔''

''اسی سے مل کر آ رہا ہوں۔'' وہ قصداً مسکرا کر بولا۔

''جب ہی ایسے آ کر لیٹ گئے تھے۔'' وہ یوں بولی جیسے اب سمجھی ہو۔

''یا اللہ۔ کیا چیز ہو تم، جاؤ...... جاؤ اپنا کام کرو۔'' اس نے بری طرح جھنجھلا کر اسے جانے کا اشارہ کیا تو وہ ہنستی ہوئی دروازے تک جا کر پھر پلٹی۔

''یاد آیا سعدی! تمہارے آنے سے کچھ دیر پہلے انکل کا فون آیا تھا۔''

"کون انکل؟" وہ فوراً سمجھا نہیں۔

"ارے وہی، کیا نام ہے ان کا آغا حسن۔" اس نے سوچتے ہوئے بتایا تو وہ یکدم پوری جان سے متوجہ ہو کر پوچھنے لگا۔

"آغا حسن! کیا کہہ رہے تھے؟"

"اور......؟"

"اور کہہ رہے تھے کہ تمہارے پاس جو فائل ہے وہ کل لیتے جانا۔"

"اور......؟"

"اور بس۔" وہ کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔ تو وہ اپنے آپ سوچ کر مسکراتا ہوا بڑبڑایا۔

"تو آغا جی لائن پر آ رہے ہیں۔ گڈ ویری گڈ۔"

☆

"پھر اگلے روز آفس ہی میں سارہ کا فون آ گیا تھا کہ شام میں ہم لوگ ساحل پر جائیں گے۔ تم بھی نومیہ کو لے کر آ جانا اور وہ اتنی جلدی پروگرام سیٹ ہونے پر خوش ہو گیا۔ آفس سے بھی کچھ پہلے نکل آیا تھا تاکہ ایک ادھ گھنٹہ آرام کر سکے اور وہ اسی ارادے سے لیٹا تھا لیکن ایسی نیند آئی کہ پھر شام ڈھلے وہ بھی نومیہ کے جھنجھوڑنے پر اٹھا تھا۔"

"ک۔ کیا ہوا ہے؟"

"ہونا کیا ہے۔ اتنی دیر سے پڑے سو رہے ہو۔ اٹھو، موی کو باہر لے جاؤ ذرا۔ کب سے روئے جا رہی ہے۔" وہ غالباً موی کے رونے سے پریشان تھی اور ناراض اس پر ہو رہی تھی۔

"باہر!" اسے ایک دم یاد آیا تو فوراً گھڑی دیکھ کر بولا۔

"چلو تم بھی جلدی سے تیار ہو جاؤ پھر چلتے ہیں۔"

"کہاں؟"

"موی کو گھمانے۔" وہ چھلانگ لگا کر وارڈ روب تک پہنچ گیا اور بہت عجلت میں کپڑے نکال کر واش روم کی طرف جاتے ہوئے بولا۔

"جلدی کرو۔ میں بس پانچ منٹ میں آ رہا ہوں۔"

"اور واقعی وہ پانچ منٹ میں تیار ہو کر چلانے لگا تھا کیونکہ پہلے ہی بہت دیر ہو گئی تھی۔"

"تم تو ایسے شور مچا رہے ہو جیسے ہم باقاعدہ کہیں انوائٹ ہوں اور دیر ہو جانے پر خفت اٹھانی پڑے گی۔"

"بس زیادہ باتیں نہیں۔ چلیں۔" اس نے فوراً بائیک سٹارٹ کر دی اور ہوا سے باتیں کرتا جب ساحل پر پہنچا تو تاریکی پھیل جانے کے باعث لوگوں کو واپس جاتے دیکھ کر وہ مایوسی اور جھنجھلاہٹ کا شکار ہو کر خود کو گالیاں دینے لگا کیونکہ غلطی اس کی اپنی تھی کہ سو گیا تھا۔

"یہاں آ کر لوگ خوش ہوتے ہیں۔" نومیہ اسی قدر کہتی ہوئی دیوار پر جا بیٹھی اور اشارے سے موی کو جانے کیا کیا دکھانے لگی۔ وہ کچھ دیر ان دونوں کو دیکھتا رہا پھر مجبوراً ان ہی کے پاس جا بیٹھا اور موی کو گدگداتے ہوئے بولا۔

"اب تو یہ خوش ہو گئی ہے۔"

"ایک بس تم ہی خوش نہیں ہوتے اور میں جانتی ہوں کہ تم ایسے کیوں ہو۔" وہ پھیکی ہنسی کے ساتھ بولی۔ تو اس نے فوراً پوچھا۔

"کیوں ہوں؟"

"جب انسان کی منزل قریب ہو اور اچانک درمیان میں کوئی رکاوٹ آ جائے تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے۔ مایوسی، جھنجھلاہٹ، غصہ۔" وہ بولتی ہوئی ایک دم خاموش ہو گئی۔

"منزل پر پہنچنے کے بعد کیا رہ جاتا ہے۔ زندگی تو جستجو میں ہے۔" وہ سر اونچا کر کے آسمان دیکھنے لگا، تب ہی کھنکتی ہوئی آواز آئی تھی۔

"ارے سعدی!" وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"سارہ! تم لوگ ابھی......" وہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا کہ سارہ نے فوراً بات سنبھال لی۔

"نہیں، ہم لوگ بہت دیر سے آئے ہوئے ہیں۔ اب تو واپس جا رہے تھے۔"

"اچھا اچھا۔ اسلام علیکم سر۔ آئیے پلیز بیٹھیں۔"

"وہ آغا حسن سے مخاطب ہو گیا۔"

"بس بھئی۔ بچے تھک گئے ہیں۔" انہوں نے کہا پھر نومیہ کی گود میں موی کو دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"یہ آپ کی بیٹی ہے۔"

"جی۔"

"ماشاء اللہ۔ او کے سعدی۔ کسی روز گھر پر آنا انہیں لے کر۔" انہوں نے نومیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ خوش ہو کر بولا۔

"ضرور سر۔ ضرور آؤں گا انہیں لے کر۔"

''چلیں سارہ۔''

''جی اچھا، تومیہ! پھر ملاقات ہوگی۔'' سارہ، تومیہ سے کہہ کر آغا حسن کے ساتھ گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

''وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ان کے پیچھے دیکھ رہا تھا جب گاڑی روانہ ہوگئی تب واپس اسی جگہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

''چلیں گے کسی دن آغا جی کے ہاں۔''

''ہوں!'' وہ جانے کیا سوچنے لگی تھی پھر خود ہی چونک کر بولی۔

''سعدی! تم نے نوٹ کیا؟''

''کیا؟'' وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''ہم جہاں جاتے ہیں، یہ لوگ وہیں آجاتے ہیں۔''

''تمہارے سسرالی۔''

''اتفاق ہے۔'' وہ سٹپٹا کر نظریں چرا گیا۔

''نہیں سعدی! اتفاق ایک آدھ بار ہوتا ہے، بار بار نہیں۔'' وہ اسے قائل کرنے کے انداز میں بولی۔

''ہو جاتا ہے بار بار بھی۔'' وہ حد درجہ بے نیاز بننے کی کوشش کرنے لگا۔

''نہیں۔ مجھے تو کوئی چکر لگ رہا ہے۔'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی تو وہ بمشکل جھنجھلاہٹ پر قابو پا کر بولا۔

''کیسا چکر؟''

''ضرور یہ لوگ ہماری جاسوسی کر رہے ہیں۔''

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔ وہ ہماری جاسوسی کیوں کرنے لگے اور اس طرح تو وہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم ان کی جاسوسی کر رہے ہیں۔'' اس نے بگڑ کر کہا تو وہ ناک سکیڑ کر بولی۔

''ہم شکل سے جاسوس نہیں لگتے۔''

''اور وہ لگتے ہیں؟''

''پتا نہیں، اگلی بار غور کروں گی بلکہ تم کل ہی غور کرنا۔ اگر آغا حسن کے ناک کے بائیں طرف تل ہو تو سمجھ لینا، وہ پکے جاسوس ہیں اور ہاں......''

''بس۔ آگے ایک لفظ مت کہنا۔ چلو اٹھو، گھر چلو۔'' اسے واقعی غصہ آگیا تھا۔ اس کے

بازو میں ہاتھ ڈال کر کھینچتا ہوا بائیک کے پاس لے آیا تھا اور تمام راستہ اسے سخت سست کہتا رہا۔ وہ چپ چاپ سنتی رہی۔ جب گھر آئی تب اسی کی بات لوٹاتی ہوئی بولی۔

''سنو، پہلے تو تم بہت بولتے تھے۔ اب کیا ہو گیا ہے۔''

''پاگل ہو گیا ہوں۔'' وہ دھاڑا۔

''اور تمہیں پاگل کرنے والے آغا حسن ہیں۔'' وہ آرام سے بولی لیکن بھاگی بہت تیز تھی اور وہ تلملاتا ہوا اپنے کمرے میں آیا اور دروازہ اندر سے لاک کر دیا۔ کچھ دیر بعد وہ دروازہ پیٹ کر بولی تھی۔

''سعدی! کھانا کھالو۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے اور میں سو رہا ہوں۔'' وہ فوراً لیٹ گیا۔

''ہائیں ابھی تو سو کر اٹھے تھے۔'' اس نے کہا تو اس بار وہ خاموش رہا اور شاید وہ بھی چلی گئی تھی۔ کچھ دیر انتظار کے بعد اس نے مطمئن سے ہو کر کارنر سے ایک فلمی میگزین اٹھا لیا اور اس کی ورق گردانی میں پتا نہیں کتنا وقت گزر گیا۔ وہ کیونکہ شام میں ایک نیند لے چکا تھا اس لئے یہی سمجھتا رہا کہ ابھی نو ہی بجے ہوں گے۔ وہ تو جب گھڑی پر نظر پڑی تب حیران ہوا۔

''ایک بج گیا۔ صبح آنکھ کیسے کھلے گی۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا میگزین پھینک کر لائٹ آف کرنے اٹھا تو پیٹ میں سے آوازیں آنے لگیں۔ جب تک میگزین میں مگن تھا بھوک کا احساس نہیں ہوا اور اب بغیر کچھ کھائے سو نہیں سکتا تھا۔ احتیاط سے دروازہ کھول کر کچن میں آیا تو آگے تومیہ کو کھڑے دیکھ کر اچھل پڑا۔

''تم ابھی تک سوئیں نہیں۔''

''موی نے نہیں سونے دیا۔ اصل میں اسے بخار ہو گیا ہے، بہت بے چین ہو رہی تھی۔ ابھی سوئی ہے۔'' وہ فیڈر میں برش چلاتی ہوئی بولی۔

''کوئی دوا نہیں ہے گھر میں؟''

''کال پول دی ہے۔ تم کھانا کھاؤ گے؟'' اس نے جواب کے ساتھ پوچھا تو وہ چولہا جلاتے ہوئے بولا۔

''ہاں۔ میں لے لوں گا۔'' پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

''موی کو بخار کیسے ہو گیا۔ شام میں تو ٹھیک تھی۔''

''میرا خیال ہے، سمندری ہوا اسے ٹھنڈ لگ گئی ہے۔ ہم بھی تو رات میں لے گئے

اسے۔ مجھے سردی لگ رہی تھی وہ تو بچی ہے۔“

”ہوں ...... صبح ڈاکٹر کو ضرور دکھا دینا۔“ اس نے تاکید سے کہا اور سالن نکال کر وہیں ٹیبل پر بیٹھ کر کھانے لگا۔

”سعدی! میں اس وقت سے ایک بات سوچ رہی ہوں۔“ وہ موی کی فیڈر ہلاتی ہوئی اس کے سامنے بیٹھ کر بولی۔

”کیا......؟“ وہ سر اونچا کر کے اسے دیکھنے لگا۔

”تمہیں سارہ کو آغا حسن کے ساتھ دیکھ کر جیلسی محسوس نہیں ہوتی۔“

”سارہ سے پوچھ کر بتاؤں گا۔“ اس نے کہہ کر نوالہ منہ میں ڈالا۔

”میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔“

”نہیں۔ پہلے اس سے پوچھو کہ تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر اسے جیلسی نہیں ہوتی۔“ اس نے اندر ہی اندر محظوظ ہو کر کہا تو وہ ایک دم خاموش ہو کر جانے کیا سوچنے لگی پھر اسی طرح اٹھ کر چلی گئی۔

”بے وقوف......!“ وہ اب مسکرایا تھا لیکن پھر جب سونے لیٹا تو نیند آنے تک یہی سوچتا رہا تھا کہ اسے جیلسی محسوس کیوں نہیں ہوتی۔

☆

”چھٹی کا دن تھا۔ ناشتے کے بعد وہ کچھ دیر موی کے ساتھ لگا رہا۔ پھر اسے امی کے حوالے کر کے ابو کے پاس آ کر بیٹھا تو وہ کہنے لگے۔“

”بیٹا! میں اور تمہاری امی آج شام میں سارہ کے ہاں جا رہے ہیں۔“

”خیریت!“

”ہاں، تمہاری شادی کی تاریخ رکھنے۔“ ابو نے یوں بتایا جیسے وہ خوش ہو جائے گا لیکن اس کے برعکس وہ بہت سنجیدگی سے بولا۔

”ابھی نہیں ابو......!“

”کیوں......؟“ ابو حیران ہوئے۔

”پہلے نومیہ کی کہیں بات ہو جانے دیں اور میں اس کے بعد ہی شادی کروں گا۔“ اس نے کہا تو ابو قدرے خفگی سے بولے۔

”میرا خیال ہے۔ میں آج شام میں تمہارا نومیہ ہی کے ساتھ نکاح پڑھوا دیتا ہوں۔

آخر تم دونوں چاہتے کیا ہو۔ تم اس کے بعد شادی کرو گے اور اس کا اصرار ہے، فوراً تمہاری شادی ہو۔“

”نومیہ۔ نومیہ کا اصرار ہے کیوں؟“

”کیوں کا کیا مطلب ہے۔ ظاہر ہے، اسے احساس ہوتا ہوگا کہ اس کی وجہ سے تمہاری شادی رکی ہوئی ہے۔“

”ابو نے کہا۔“

”کوئی ضرورت نہیں ہے اسے ایسا کچھ سوچنے کی۔“

”فضول میں پتا نہیں کیا کچھ سوچتی رہتی ہے کہہ دیں اس سے کہ......“

”میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔“ ابو نے صاف منع کر دیا۔

”ٹھیک ہے، میں خود بات کرتا ہوں اس سے۔“ وہ فوراً ان کے پاس سے اٹھ کر نومیہ کے کمرے میں آیا تو پہلی نظر میں وہ اسے نظر نہیں آئی ادھر ادھر دیکھ کر واپس پلٹنے لگا تھا کہ اس کی آواز آئی۔

”کیا چاہیے؟“

”تم۔ تم نے ابو سے کیا کہا ہے؟“ اس نے آواز کی سمت الماری کے پٹ کے پیچھے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ تو وہ وارڈ روب بند کرنے کے بعد اس کی طرف گھوم کر پوچھنے لگی۔

”کیا کہا ہے؟“

”میری شادی کا۔“

”ہاں، میں چاہتی ہوں۔ اس گھر میں رونق ہو۔“

”خوشی آئے۔“ کتنا مزہ آئے گا سعدی جب......

”بس۔“ وہ اسے خاموش کرا کے بولا۔ ”اس گھر میں پہلے ہی بہت رونق ہے۔ تم آئندہ امی، ابو کو اکسانے کی کوشش مت کرنا۔“

”میں یہاں ہوں گی تو اکساؤں گی۔“ وہ کہہ کر ادھر ادھر پھیلی موی کی چیزیں سمیٹنے لگی۔

”کیا مطلب ہے تمہارا......؟“ وہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا تھا۔

”مجھے میری ماں کے گھر چھوڑ آؤ۔ میں یہاں نہیں رہوں گی۔“ وہ مصروف سے انداز میں بولی۔

”کیوں؟“

"کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے تم سارہ کو کھو دو۔" وہ اب رک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"کہیں نہیں کھو رہی وہ۔"

"کیسے نہیں کھو رہی۔ تمہارے سامنے وہ آغا حسن کے ساتھ گھومتی پھرتی ہے۔ تم سے زیادہ اسے اہمیت دیتی ہے۔ کیوں؟ اس لئے ناں کہ اس نے مجھے تمہارے ساتھ دیکھ لیا ہے اور ابھی تو وہ ایسا ضد میں کر رہی ہے لیکن اس کی یہ ضد ضرور کوئی گل کھلائے گی۔"

"تم خواہ مخواہ شک کر رہی ہو۔" وہ اس کی پوری بات سن کر بولا۔

"خواہ مخواہ نہیں سعدی! تم اگر اسے کھونا نہیں چاہتے تو فوراً شادی کر لو۔" وہ کہہ کر پھر آگے بڑھ گئی۔

"اور جو تمہارے اماں، ابا سے وعدہ کر چکا ہوں کہ تمہاری شادی کرنے کے بعد ہی اپنا سوچوں گا۔" اس نے کہا تو وہ ایک جھٹکے سے اس کی طرف پلٹی تھی۔

"کیا۔ کیا کہا تم نے۔" وہ نظریں چرا کر دوسری سمت دیکھنے لگا۔

"ادھر دیکھو سعدی!" وہ اس کی شرٹ کھینچ کر چیخی۔

"دھیرج یار!" وہ اسے کندھوں سے تھام کر بٹھاتے ہوئے بولا۔ "اس روز وہ تمہیں میرے ساتھ بھیجنے پر تیار نہیں تھے۔ تمہاری اماں کو یہ خدشہ تھا کہ میری بیوی آجائے گی تو تمہارے اور موی کا وجود برداشت نہیں کرے گی۔ اسی پر میں نے ان سے وعدہ کیا تھا اور میں خود بھی یہی چاہتا ہوں۔"

"وہ پوری آنکھیں کھولے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ جب وہ خاموش ہوا تو سر جھکا لیا بولی کچھ نہیں۔"

"سنو۔" قدرے توقف سے وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ وہ بول پڑی۔

"بس۔ اب اور کچھ مت سنانا سعدی اور پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دو۔"

"نہیں۔ میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔" وہ بیڈ سے اٹھ کر صوفے پر جا بیٹھا اور ٹانگیں سامنے ٹیبل پر سیدھی کر لیں تو وہ زچ ہو کر بولی۔

"کیا چاہتے ہو تم؟"

"میں چاہتا ہوں، تم میرے ساتھ تعاون کرو۔ جیسے سارہ کر رہی ہے۔" اس نے کہا تو وہ کچھ چونک کر پوچھنے لگی۔

"وہ کیا کر رہی ہے؟"

"وہ..... وہ بس شادی ملتوی کرانے میں لگی ہوئی ہے۔ ورنہ تم نے دیکھا نہیں تھا، اس کے گھر والے کتنا اصرار کر رہے تھے۔ میں نے سارہ سے کہا کہ میں فوری شادی نہیں کر سکتا، اس لئے وہ کسی بہانے سے اپنے والدین کو روکے کیونکہ اگر میں روکوں گا تو وہ برا مانیں گے۔" اس نے بتایا تو وہ جز بز ہو کر بولی۔

"تم دونوں خواہ مخواہ میری فکر میں لگے ہو جبکہ مجھے شادی کرنی ہی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے پھر میں بھی ساری زندگی کنوارا رہ لوں گا۔" وہ آہ بھر کر بولا۔

"کیوں۔ تم کیوں کنوارے رہو گے، امی ابو آج شام میں جا رہے ہیں تمہاری تاریخ رکھنے۔"

"وہ نہیں جا رہے کیونکہ انہیں میری زندگی عزیز ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میں انہیں بتا چکا ہوں کہ میں نے تمہارے اماں، ابا سے اور اپنے آپ سے کیا وعدہ کیا ہے اور وہ جانتے ہیں وعدہ خلافی میری موت ہے۔" وہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تو وہ سلگ کر بولی۔

"میں بس یہاں نہیں رہوں گی۔"

"کہیں بھی رہو۔ وعدہ، وعدہ ہے اور میرا خیال ہے۔ مجھے سارہ سے کہہ دینا چاہئے کہ وہ میرے انتظار میں بوڑھی ہونے کے بجائے اپنے لئے کوئی اچھا ساتھی تلاش کر لے۔" اس نے بہت جذباتی ہو کر کہا تو وہ چڑ کر بولی۔

"تمہیں کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ پہلے ہی تلاش کر چکی ہے۔"

"کون۔ آغا حسن۔ بہت ہی بے وقوف ہو تم اور تمہاری اس بے وقوفی پر میں ایک دن بہت ہنسوں گا۔"

"وہ کہتا ہوا اس کے کمرے سے نکل آیا اور ٹیلی فون سیٹ لے کر اپنے کمرے میں بند ہو کر سارہ کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔"

"دوسری طرف مسلسل بیل جا رہی تھی اور پتا نہیں سب لوگ کہاں تھے جو کسی نے ریسیور نہیں اٹھایا تین چار بار ٹرائی کرنے کے بعد اس نے جھنجلا کر ریسیور پٹخ دیا اور کمرے سے نکلا تو آگے وہ موی کو اٹھائے ادھر ہی آ رہی تھی۔"

''سنو، ابو کہہ رہے ہیں۔ مجھے اماں کے ہاں چھوڑ آؤ۔''

''چلو۔'' وہ مزید جھنجلاتا بائیک لے کر باہر نکل آیا اور تمام راستہ سارہ سے بات نہ ہو سکنے کا غصہ اس پر اتارا۔ جب وہ گھر کے سامنے اتری تب اور رعب سے بولا۔

''میں شام میں لینے آجاؤں گا۔''

''نہیں۔ میں امی، ابو سے کہہ آئی ہوں کہ اب میں تمہاری شادی میں ہی آؤں گی۔'' اس نے بہت آرام سے کہا تو وہ بری طرح سلگ کر بولا۔

''میری شادی تو آج ہے۔''

''شکر ہے، تم نے یہ نہیں کہا کہ قیامت میں ہوگی۔''

''قیامت تو میں اٹھاؤں گا اگر تم نے امی ابو سے ایسی کوئی بات کی ہوگی تو .....'' اس نے کہہ کر اسپیڈ سے بائیک بھگا دی اور پھر ایک موڑ پر اچانک سارہ کے ہاں جانے کا سوچ کر اس نے بائیک اسی طرف موڑ دی اور کچھ فاصلہ طے کیا تھا کہ قریب سے گزرتی آغا حسن کی گاڑی میں ان کے ساتھ سارہ کو دیکھ کر اس نے پہلے بائیک روکی پھر ان کا تعاقب کرتا ہوا آغا حسن کے گھر تک آگیا اور جیسے ہی وہ دونوں اترے وہ بائیک سارہ کے قریب لے آیا۔

''تم؟'' وہ اسے دیکھ کر تعجب سے بولی۔

''میں تمہارے گھر جارہا تھا لیکن راستے میں تمہیں دیکھ کر پھر میں تمہارے پیچھے آگیا۔'' وہ اس سے کہہ کر آغا حسن کی طرف متوجہ ہوا۔ ''السلام علیکم سر!''

''وعلیکم السلام۔ آؤ اندر چلو.....'' انہوں نے کہا تو وہ معذرت کرتے ہوئے بولا۔

''سوری سر! اس وقت مجھے سارہ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو میں انہیں اپنے ساتھ لے جاؤں۔''

''یہ جانا چاہیں تو ضرور لے جائیں بلکہ ایسا کریں آپ دونوں یہیں بیٹھ جائیں۔ میں آپ کی باتوں میں مخل نہیں ہوں گا۔'' انہوں نے کہا تو سارہ فوراً ان کی تائید کرتے ہوئے بولی۔

''ہاں سعدی! آؤ اندر چلو۔ یہیں بات کر لیتے ہیں۔''

''چلو.....'' وہ بائیک بند کر کے ان کے ساتھ اندر آیا تو آغا حسن ان دونوں کو ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر خود اندر چلے گئے۔

''واؤ! کیا شاندار ڈرائنگ روم ہے۔'' وہ سارا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ پھر گرنے کے انداز میں نرم صوفے میں دھنس گیا تو وہ کچھ ناراضی سے بولی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔ آغا کیا سوچیں گے۔''

''وہ کون سا دیکھ رہے ہیں۔ اچھا سنو، تمہارے سب گھر والے کہاں گئے ہیں۔ میں کتنی دیر فون ٹرائی کرتا رہا۔ کسی نے اٹھایا ہی نہیں۔''

''فون خراب ہے اور تم کیا یہی دیکھنے میرے گھر جارہے تھے کہ سب لوگ کہاں گئے۔'' سارہ نے فون کا بتا کر پوچھا۔

''ارے نہیں۔ وہ تو میں نومیہ کو اس کے میکے چھوڑ گیا تھا۔'' اس نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

''تم کیا ساری زندگی یہی کام کرتے رہو گے۔''

''جب ذمہ داری اٹھائی ہے تو نبھانی بھی پڑے گی۔'' وہ گہری سانس کے ساتھ بولا۔

''تو اس ذمہ داری کو تم اپنی زندگی میں شامل کیوں نہیں کر لیتے۔ میرا مطلب ہے اس سے شادی کر لو۔''

''سارہ نے اپنے ناخنوں سے کھیلتے ہوئے کہا تو وہ اچھل پڑا۔''

''ہائیں! یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہوں سعدی! تمہارے لئے یہی بہتر ہے اور خود اپنے بارے میں، میں تمہیں بتاؤں کہ میں آغا حسن کے ساتھ شادی کا فیصلہ کر چکی ہوں اور اس کے لئے تم مجھے کوئی الزام مت دینا کیونکہ خود تم نے مجھے ان کی طرف مائل کیا تھا۔ اس سے تمہارا مقصد خواہ کچھ بھی رہا ہو لیکن تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہئے تھا کہ میں ایک لڑکی ہوں اور اچھی زندگی کا خواب ہر لڑکی دیکھتی ہے۔'' وہ سر جھکائے بول رہی تھی۔ آخر میں پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ تاسف بھری ذرا سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

''کیا میں تمہیں اچھی زندگی نہیں دے سکتا؟''

''اس کے لئے تمہیں سالوں بہت جدوجہد کرنی پڑے گی۔'' وہ چاروں طرف نظریں بھٹکاتی ہوئی بولی۔

''جبکہ آغا حسن کے پاس ابھی سب کچھ موجود ہے۔''

''بچوں سمیت۔'' اس نے کہا تو وہ پہلو بدل کر بولی۔

''بچے مجھ سے بہت مانوس ہو گئے ہیں۔''

''ہوں!'' وہ سر ہلانے کے ساتھ کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر اپنے آپ سے گویا ہوا۔

''قدرت ہمیں ہماری منزل تک پہنچانے کے لئے کتنے راستوں سے گزرتی ہے جبکہ منزل ہمارے ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔ تمہاری منزل تمہارے ساتھ تھی اور میری منزل میرے ساتھ۔ ٹیڑھے میڑھے راستے یوں طے کروائے گئے کہ ابھی منزل چھونے کا وقت نہیں آیا تھا لیکن اب وقت آچکا ہے۔ ہے ناں؟''

''تم۔تمہیں برا نہیں لگا؟'' وہ کچھ حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔ ''دکھ نہیں ہوا تمہیں؟''

''نہیں سارا! دکھ وہاں ہوتا ہے جہاں محبتیں پامال ہوتی ہیں اور ہمیں شاید ایک دوسرے سے محبت تھی ہی نہیں۔ ورنہ کہیں تو تم مجھے نومیہ کے ساتھ اور میں تمہیں آغا حسن کے ساتھ دیکھ کر جیلس ہوتا۔ اس کے برعکس ہم کتنے اطمینان سے اپنے اپنے راستے پر چل پڑتے تھے۔ کیونکہ ہماری محبتیں ہمارے ساتھ ہوتی تھیں۔'' وہ ایک نقطے پر نظریں جمائے بولتا ہوا کچھ کھو گیا تھا پھر ایک دم چونک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں چلوں! بہت کام کرنے ہیں۔''

''کیا کام......؟'' سارہ نے پوچھا تو اس کے ہونٹوں سے پھسل کر ایک جملہ نغمے کی صورت فضاؤں میں بکھر گیا تھا۔

''آج میری شادی ہے۔''



محبت ایسا دریا ہے

اماں کو گئے ہوئے دو گھنٹے ہو گئے تھے اور اس کا ڈر کے مارے برا حال تھا حالانکہ پہلے وہ ایسی ڈرپوک نہیں تھی اور اب شاید حالات نے اسے حد درجہ بزدل بنا دیا تھا۔ ہوا سے ذرا سا پتا بھی ہلتا تو وہ خوفزدہ ہو کر دیکھنے لگتی۔ اماں نے بھی تو اتنی دیر کر دی تھی۔ پتا نہیں کہاں چلی گئی تھیں، کچھ بتایا بھی نہیں تھا اور باہر آوارہ لڑکے تو اسی انتظار میں رہتے تھے، جہاں اماں گھر سے نکلیں وہ چار دیواری کے آس پاس منڈلانے لگتے۔ اونچی آواز میں فحش گانے اور ایسی ہی باتیں اور وہ اندر بیٹھی سچ مچ اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیتی تھی۔ اب اس کی سمجھ میں آتا تھا کہ بیمار اور لاغر سے ابا میاں جو چارپائی سے اٹھ بھی نہیں سکتے تھے، اماں ان کی درازی عمر کے لئے اتنی دعائیں کیوں مانگا کرتی تھیں۔

اتنے کمزور ہو کر بھی وہ کتنا بڑا سہارا تھے کہ کوئی خوف کوئی ڈر نہیں تھا اور ان کے رخصت ہوتے ہی گھر کی دیواریں اتنی کمزور ہو گئی تھیں کہ ہر دم ان کے گرنے کا دھڑکا لگا رہتا۔ سر پر چھت نہ ہو تو خالی دیواریں کہاں تک پناہ دے سکتی ہیں نہ تپتی دھوپ کا رخ موڑا جا سکتا ہے نہ برستے مہینہ کا۔

اماں نے ساری زندگی حالات کی چکی میں پستے گزاری تھی لیکن اس نے کبھی انہیں شاکی نہیں دیکھا نہ حالات سے، نہ مجازی خدا سے اور نہ خدا سے۔ پیٹ بھر روٹی نہ ملتی تب بھی شکر کیا کرتی تھیں۔ انہی کی زبانی اسے معلوم ہوا تھا کہ ابا میاں ریلوے میں ملازم تھے اور یہ کوارٹر انہیں گورنمنٹ کی طرف سے ملا تھا اور یہ پتا نہیں کب کی بات تھی ورنہ اس نے تو جب سے ہوش سنبھالا تھا ابا میاں کے ہاتھ میں ایک دوا کی شیشی دیکھی تھی جسے لئے وہ سرکاری ہسپتال کے چکر لگایا کرتے، بیماری نے انہیں وقت سے پہلے ہی بوڑھا کر دیا تھا اور اماں سارا دن مشین پر جھکے جھکے دوہری ہو گئی تھیں، بہرحال کچھ بھی تھا اماں اتنی پریشان کبھی نہیں ہوئی تھیں جتنی اب نظر آنے لگی تھیں اور یہ ساری پریشانی اس کی وجہ سے تھی جس پر جوانی نے اپنی تمام حشر سامانیوں

سمیت در کھولے تھے اور اماں جو سچ مچ بہت بہادر عورت تھیں اس مقام پر خود کو انتہائی بے بس محسوس کرنے لگیں۔

ابا میاں کے انتقال کو ابھی تین چار مہینے ہی ہوئے تھے اور اس عرصے میں اہل محلہ نے اس طرح آنکھیں پھیریں کہ اماں خوفزدہ ہو گئیں حالانکہ ابا میاں سدا کے مریض کبھی کسی سے اتنا واسطہ تعلق نہیں رکھا۔ وہی سب سے ملتی تھیں پھر بھی سارے لحاظ مٹ گئے۔ دنیا جہان کے نکمے، آوارہ لڑکوں کو موقع مل گیا۔ دھڑلے سے اس گھر کے عین سامنے بیٹھک بناتی، اماں نے ایک ایک گھر جا کر ان کی ماؤں کے سامنے ہاتھ جوڑے لیکن سب کا ایک ہی جواب تھا جوان لڑکے ہیں ہم انہیں باندھ کر تو نہیں بٹھا سکتے اور نہ سارا وقت ان کی نگرانی کر سکتے ہیں، تم ہی اپنی لڑکی کو سنبھال کر رکھو۔

اور وہ کیسے سنبھال کر رکھتیں، کبھی بلاضرورت کیا ضرورتاً بھی اسے باہر نہیں نکلنے دیا تھا اور یہ حقیقت ہے کسی نے اس کی جھلک بھی نہیں دیکھی ہو گی البتہ اپنی ماں بہنوں کی زبانی چرچے سنے ہوں گے کہ وہ ایسی حسین ہے، بہر حال اب اماں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے لے کر کہاں جائیں، سارا دن ایسی ایسی آوازیں آتیں کہ ماں بیٹی ایک دوسرے سے نظریں چرائے پھرتیں، سچ مچ اس کا مر جانے کو دل چاہتا تھا۔

کسی کسی وقت تو وہ بہت سنجیدگی سے سوچنے بیٹھ جاتی کہ اسے واقعی مر جانا چاہئے، اس کی وجہ سے اماں بھی زیادہ پریشان ہیں، وہ نہیں ہو گی تو اماں آرام سے رہ لیں گی لیکن پھر اماں ہی کا خیال کہ بیچاری کتنی اکیلی ہو جائیں گی، ابھی بھی پتا نہیں کہاں چلی گئی تھیں۔ اتنی دیر تو وہ کہیں نہیں رکتی تھیں، سلائی کپڑے دینے اور لینے جاتیں تو کھڑے کھڑے ہی لوٹتی تھیں۔

اور اب تو دو گھنٹے سے زیادہ ہو گئے تھے وہ ڈر کے مارے کمرے سے باہر بھی نہیں نکل رہی تھی حالانکہ دل چاہ رہا تھا اماں کے آنے سے پہلے روٹی پکا کر رکھ دے لیکن باہر تیز آواز میں ٹیپ بج رہا تھا ساتھ ہی بے ہنگم قہقہے تھے جس کی وجہ سے وہ کچن تک جانے کی ہمت بھی نہیں کر سکی۔ اپنا ہی گھر کتنا بے اماں ہو گیا تھا، وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، کتنی دیر گزر گئی۔

اس کے آنسو آپ ہی آپ تھم گئے، تب اسے اماں کی طرف سے تشویش ہونے لگی، سو طرح کے اندیشے تھے جنہوں نے اسے ہولا کر رکھ دیا اور وہ شدت سے اماں کی خیریت سے واپسی کی دعائیں مانگنے لگی، تبھی دروازے پر مخصوص دستک سنائی دی تو وہ بھاگ کر کمرے سے نکل کر آئی لیکن پھر رک کر پہلے اماں کے ہونے کا یقین کیا، پھر دروازے کی کنڈی کھول کر ایک

طرف ہو گئی اور جیسے ہی اماں نے اندر آ کر دروازہ بند کیا وہ ان سے لپٹ گئی۔

''کہاں چلی گئی تھیں اماں؟ اتنی دیر لگا دی'' آنسو پھر چھلک گئے اور اماں کو اس کی پریشانی کا اندازہ تھا، پھر بھی اسے خود سے الگ کرتے ہوئے بولیں۔

''رونے کی کیا بات ہے، کام سے گئی تھی، دیر سویر تو ہو جاتی ہے، چلو اندر ذرا میرے لئے پانی لیتی آؤ۔''

اس نے رک کر اماں کو دیکھا بہت مضمحل سی اندر جا رہی تھیں، اس نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کیں پھر کچن سے پانی لے کر کمرے میں آئی تو اماں اس کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

''کوئی آیا تو نہیں تھا؟'' وہ خاموش رہی اور اماں بھی جواب کا انتظار کئے بغیر پانی پینے میں لگ گئیں، پھر خالی گلاس اسے تھما کر لیٹ گئیں تو اس نے ان کے آس پاس نظریں دوڑا کر پوچھا ''کیا ہوا اماں، سلائی کے کپڑے نہیں ملے؟''

''میں کپڑے لینے نہیں گئی تھی!''

''پھر؟'' اس کی حیرت بجا تھی۔

''اپنے لئے کوئی اور ٹھکانا دیکھنے گئی تھی!'' کتنا دکھ تھا ان کے لہجے میں، وہ کتنی دیر تک انہیں دیکھے گئی پھر الجھ کر بولی۔

''کہاں جائیں گے اماں ہم، اپنا گھر چھوڑ کر، ہمارے لئے ساری جگہیں ایک سی ہیں، ہمیں کہیں امان نہیں ملے گی، پتا نہیں اللہ میاں نے ہمارے ساتھ!''

''ناں، ناں میری بچی! اللہ سے شکوہ نہیں کرتے۔'' اماں نے فوراً ٹوک دیا، پھر گہری سانس کھینچ کر کہنے لگیں۔ ''جاؤ تم ایک بکس میں کچھ ضروری سامان رکھ دو ہم شام سے پہلے یہاں سے نکل جائیں گے۔''

''کیا؟'' وہ پھر حیران ہوئی ''کہاں جائیں گے؟''

''تم سامان سمیٹو'' اماں کے قدرے سختی سے ٹوکنے پر وہ اٹھ کھڑی ہوئی پھر جاتے جاتے رک کر پوچھا۔

''کون سا سامان سمیٹوں؟''

''یہ دونوں کمرے خالی کرتے ہیں، ان کا سامان سٹور میں بند کر دو، میں جمن بی سے کہہ آئی ہوں وہ یہ کوارٹر کرائے پر چڑھا دیں گی اور بس ایک بکس میں اپنے اور میرے

کپڑے رکھ لو۔''

اماں کہتے ہوئے خود بھی اٹھ گئیں اور اس کے ساتھ چیزیں اٹھا اٹھا کر سٹور میں رکھنے لگیں، کوئی اتنا زیادہ سامان نہیں تھا پھر بھی چھوٹی موٹی چیزیں سمیٹنے میں کافی وقت لگا اور اس دوران وہ کافی الجھتی رہی۔

اماں کے انداز سے ظاہر تھا کہ وہ کچھ بتانا نہیں چاہتیں، اس لئے وہ خود ہی قیاس کرتی رہی لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا، سمجھتی بھی کیسے کبھی کسی عزیز رشتے دار کو گھر میں آتے جاتے نہیں دیکھا تھا، پہلے اماں سے بہت پوچھا کرتی تھی اور ایک بار انہوں نے بتایا تھا کہ جب وہ شادی ہو کر یہاں آئی تھیں تو گھر میں ابا میاں کے علاوہ اس کی دادی تھیں جو سال بھر بعد ہی اللہ کو پیاری ہوگئیں اور ابا میاں کے ایک بڑے بھائی کہیں باہر رہتے تھے، بڑے آدمی تھے، غریب بھائی سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے، دادی کے انتقال پر کچھ دنوں کے لئے آئے تھے، تب ہی اماں نے انہیں دیکھا تھا اس کے بعد جو گئے تو دوبارہ کبھی شکل نہیں دکھائی تھی اور ایسے تایا جو اس کے ابا میاں سے نہیں ملتے تھے، ان سے ملنے یا انہیں دیکھنے کی اسے کوئی آرزو نہیں تھی۔

پھر بارہا اس نے اپنے ننھیال کے بارے میں پوچھا تھا تو جانے کیوں اماں خاموشی اختیار کر لیتیں یا پھر فوراً ہی اس کا دھیان ادھر اُدھر کر دیتی تھیں، اس وقت سوچتے ہوئے اچانک اسے خیال آیا کہ شاید اماں کو اپنا کوئی عزیز رشتہ دار مل گیا ہے اور وہ فوراً پوچھے بغیر رہ بھی نہیں سکی۔

''اماں! کیا ہم نانا کی طرف جا رہے ہیں؟''

''کون نانا؟'' اماں نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا تو وہ گڑبڑا گئی۔

''وہ، میرا مطلب ہے، آخر آپ بتاتی کیوں نہیں؟'' وہ الجھ کر رونے لگی تو اماں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھا لیا پھر اس کے آنسو پونچھ کر کہنے لگیں۔

''کیا بتاؤں، تمہارے ابا میاں کے ایک جاننے والے ہیں، انہی کے پاس گئی تھی، اپنی آپ بیتی سنائی اور وہ کوئی ایسے خدا ترس آدمی تو نہیں ہیں بس اللہ نے ہماری طرف سے کچھ رحم ان کے دل میں ڈال دیا۔ اپنے گھر میں ایک کمرہ دینے پر آمادہ ہوگئے، بس وہیں چل کر رہیں گے۔''

''کیا وہ اکیلے رہتے ہیں؟'' اس کی تسلی نہیں ہوئی بلکہ اور سہم کر پوچھا۔

''ارے نہیں بال بچوں والے ہیں، اتنا بڑا گھر ہے ان کا ایک کونے میں ہم پڑے

رہیں گے، انہیں پتا بھی نہیں چلے گا اور دیکھو تم ذرا احتیاط سے رہنا، ان کی بیگم کا مزاج، خیر ہمیں کسی کے مزاج سے کیا لینا دینا، گالیاں بھی دیں گی تو سن لیں گے۔''

''کیوں اماں گالیاں کیوں سنیں گے؟''

''بیٹا! وہ گالیاں کہیں بہتر ہیں ان لوفر لپاڑوں کی باتوں سے، خیر تم دل چھوٹا نہیں کرو، گالیاں بھی کوئی خواہ مخواہ نہیں دیتا اور ہم انہیں موقع ہی نہیں دیں گے، چلو اب تم دروازے بند کرو میں رکشہ لے کر آتی ہوں، جمن بی کو چابی بھی دیتی آؤں گی!۔''

اماں اٹھ کر برقعہ اوڑھنے لگیں، اس نے خاموشی سے انہیں جاتے ہوئے دیکھا پھر آ کر کمروں کے دروازے بند کرنے لگی، کچھ دیر بعد جب باہر رکشہ رکنے کی آواز آئی تو وہ بکس کھینچ کر دروازے کے پاس لے آئی اور بڑی سی چادر کو اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ کر چہرہ بھی چھپانے لگی، معاً اماں پر نظر پڑی، بڑی حسرت سے بند دروازوں کو تک رہی تھیں پھر آہ بھر کر بولیں۔

''اللہ کی مرضی، جس حال میں رکھے، چل بیٹا؟''

اس نے پہلے بکس باہر دھکیلا جسے اماں کے کہنے پر رکشہ والے نے اٹھا کر رکشہ میں رکھا پھر وہ اماں کے ساتھ بیٹھ گئی، سامنے بیٹھے لڑکوں نے پہلے حیرت سے دیکھا پھر بھاگے چلے آئے۔

''بڑی بی کہاں جا رہی ہو؟'' اماں نے کوئی جواب نہیں دیا، رکشہ والے سے کہنے لگیں۔

''چلو بیٹا! جلدی چلو۔''

''کیا ٹرین چھوٹ رہی ہے؟''

''اور اسے کہاں لے جا رہی ہو؟'' مختلف آوازیں تھیں جو اگر رکشے کا شور نہ ہوتا تو جانے کہاں تک تعاقب کرتی چلی آتیں۔

''آ گئیں بوا؟'' اتنے کشادہ اور جدید فرنیچر سے آراستہ کمرے میں وہ اماں کے ساتھ کچھ سہمی ہوئی سی کھڑی تھی کہ اس آواز پر چونک کر دیکھنے لگی، اس کا چہرہ ابھی بھی چادر میں چھپا ہوا تھا، جھری میں سے دیکھ رہی تھی، قیمتی ساڑھی میں ملبوس بہت ماڈرن قسم کی خاتون تھیں وہ مرعوب ہوئی لیکن اماں کو ان کا بوا کہنا بالکل اچھا نہیں لگا، یوں جیسے نوکر کو مخاطب کیا جاتا ہے اور اماں کے جواب نے اسے مزید دکھ سے ہمکنار کیا۔

''جی بیگم!''

''یہ تمہاری لڑکی ہے؟'' اس کے چادر میں لپٹے وجود پر نظر ڈال کر نخوت سے پوچھا۔

''جی بیگم!''

''اسے کام وام بھی آتا ہے یا؟''

''غریب کی لڑکی کو کام ہی تو آتا ہے پر بیگم آپ کو اسے بلانے کی ضرورت نہیں پڑے گی، مجھ میں ابھی اتنا دم خم ہے کہ۔''

''اچھا اچھا، جاؤ چوکیدار سے کہو، تمہیں کوارٹر دکھا دے۔''

اماں کمال ضبط کا مظاہرہ کر رہی تھیں جبکہ وہ کوارٹر میں آتے ہی رونے لگی، اس لئے نہیں کہ تقدیر لکھنے والے نے یہ دن دکھایا تھا بلکہ اس لئے کہ اس کے بندوں نے زندگی کے راستے تنگ کر دیئے تھے کہ اپنا گھر چھوڑ کر اماں دوسرے کی نوکری کرنے پر مجبور ہوئیں۔

''ہائیں! تم رونے کیوں لگیں؟'' اماں سب سمجھ رہی تھیں پھر بھی تعجب کا مظاہرہ کیا۔

''اماں؟ اب آپ دوسروں کے برتن مانجھیں گی'' وہ اس طرح روتے ہوئے بولی۔

''دوسروں کے کپڑے بھی تو سیتی تھی، خیر یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے، تم جی چھوٹا نہیں کرو بلکہ اللہ کا شکر کرو کہ اس نے سر چھپانے کو ٹھکانا بھی دے دیا ہے ورنہ میری تو راتوں کی نیندیں حرام ہو گئی تھیں۔''

اماں نے قصداً اس کے رونے کو زیادہ اہمیت نہیں دی اور بات کرتے ہوئے بکس کھول کر اس میں چادریں نکالنے لگیں، پھر اس کی طرف بڑھا کر بولیں۔

''لو یہ چارپائی پر رکھ دو، رات میں کچھ ٹھنڈ ہو جاتی ہے۔''

اس نے خاموشی سے چادریں لے لیں تو اماں نے بکس بند کر کے چارپائی کے نیچے دھکیل دیا پھر اٹھتے ہوئے بولیں۔

''تم بیٹھو آرام سے، میں بیگم کے پاس جا رہی ہوں، رات کا کھانا وغیرہ پکانا ہوگا۔''

''اماں، یہاں کوئی آئے گا تو نہیں؟''

''نہیں کوئی نہیں آئے گا اور تم بھی کوٹھی کی طرف مت آنا جب ضرورت ہوگی یا جب میں مناسب سمجھوں گی تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ سمجھ گئیں ناں۔''

اس نے بس سر ہلانے پر اکتفا کیا اور اماں کے جانے کے بعد کمرے سے آگے گھرے چھوٹے سے احاطے کا جائزہ لینے لگی جس کے ایک طرف باتھ روم اور دوسری طرف چھوٹا سا کچن بنا ہوا تھا۔ گو کہ اپنا گھر بہت بڑا نہیں تھا پھر بھی اس سے کہیں بہتر تھا یہاں تو پہلے مرحلے پر ہی گھٹن کا احساس ہونے لگا تھا اور کچھ بھی تھا اب تو جانے کب تک یہیں رہنا تھا۔

پھر چند دن اس چار دیواری میں وہ ایک طرح سے محصور رہی، اس کے بعد غالباً اماں

نے دیکھ لیا کہ کوٹھی میں اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں یعنی بیگم کی چار اولادیں تھیں، سب سے بڑا بیٹا اس کے بعد لائن سے تین لڑکیاں تھیں، صبح ناشتے کے بعد ہی صاحب کے ساتھ ان کا بیٹا بھی آفس چلا جاتا، بڑی بیٹی یونیورسٹی اور چھوٹی دونوں کالج میں پڑھتی تھیں، یوں دوپہر تک وہ تینوں بھی گھر میں نہیں ہوتی تھیں، اس لئے اماں نے اسے کوٹھی آنے جانے کی اجازت دے دی کیونکہ وہ بہت نڈھال نظر آنے لگی تھی اور سب اماں جانتی تھیں کہ وہ کبھی اس طرح فراغت سے بیٹھی نہیں تھی۔

بہت کم عمری میں ہی اس نے گھر کے سارے کام کاج سیکھ لئے تھے، اماں تو سارا دن مشین پر بیٹھی رہتیں، باقی سارے کام وہی کرتی تھی اور ادھر چند دنوں کی فراغت نے اسے مرجھا دیا تھا۔ تبھی اس روز اماں اسے اپنے ساتھ لے آئیں امریکن طرز کا کشادہ کچن دیکھ کر ہی وہ دنگ رہ گئی۔

''اماں! یہ اتنا بڑا باورچی خانہ ہے، یہاں تو کھانا پکانے میں بھی مزہ آتا ہوگا۔'' وہ ایک ایک شے چھو کر دیکھنے لگی۔

''اچھا سنو!'' اماں نے اسے متوجہ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ رک کر دیکھنے لگی، تب اماں آواز دبا کر بولیں۔ ''میں تمہیں یہاں اس لئے لائی ہوں کہ اکیلے میں تم گھبراتی ہو لیکن تم پر کوئی زبردستی نہیں ہے کہ کسی کام کو دل چاہے تو کرنا ورنہ نہیں اور ہرگز مت سمجھنا کہ تم اس گھر کی نوکر ہو۔''

''میرے نہ سمجھنے سے حقیقت تو نہیں بدل جائے گی اماں!'' وہ افسردگی میں گھر کر بولی۔ ''میں تمہیں حقیقت ہی بتا رہی ہوں کہ تم کسی سے کم نہیں ہو۔''

وہ چپ چاپ اماں کو دیکھے گئی، تبھی بیگم کی اونچی ہیل کی ٹک ٹک سن کر اماں اس کا ہاتھ چھوڑ کر ذرا پیچھے ہٹ گئیں اور وہ کچھ خائف سی ہو کر بیگم کو دیکھنے لگی جنہوں نے پہلے اس پر توجہ نہیں دی اور اماں سے پوچھنے لگیں۔

''رحمت سودا لے آیا ہے؟''

''نہیں بیگم! ابھی تو نہیں آیا!''

''اچھا، پھر جب تک تم ڈرائنگ روم کی جھاڑ پونچھ کر دو اور ذرا جلدی کرنا، صاحب کے کچھ مہمان آنے والے ہیں۔'' بیگم نے اماں سے کہتے ہوئے اسے دیکھا تو اس سے کہنے لگیں۔ ''بلکہ ایسا کرو تم آجاؤ، کیا نام ہے تمہارا؟''

"جی ام کلثوم" بیگم نے نام سن کر سرتا پا اسے دیکھا کہیں سے بھی ملازمہ نظر نہیں آ رہی تھی، شکل صورت کے علاوہ حلیہ بھی ٹھیک ٹھاک تھا سر جھٹک کر بولیں۔

"آؤ میرے ساتھ اور بوا، بارہ بجے تک کھانا تیار کر لینا، صاحب کے مہمان باہر سے آ رہے ہیں کھانا اچھا ہو اور مرچیں ذرا کم ڈالنا۔"

"جی بیگم!" اماں نے انہیں جواب دے کر اسے آنکھوں سے جانے کا اشارہ کیا تو وہ بیگم کے پیچھے ڈرائنگ روم میں آ گئی، انہوں نے کھڑے کھڑے اسے کچھ ہدایات دیں اور عجلت میں دوسرے دروازے سے نکل گئیں تو وہ چمکتی ہوئی چیزوں کو مزید چمکانے لگی، حیران بھی ہو رہی تھی کہ کہیں ہلکی سی گرد کا شائبہ تک نہیں تھا تب اسے اپنا گھر یاد آیا جو صبح شام صفائی کے باوجود بھی اس طرح نہیں چمکتا تھا۔

پھر بھی اپنے گھر کا خیال آتے ہی اس کی پلکیں نم ہو گئیں، دھندلائی آنکھوں سے ٹیبل کی چمکیلی سطح پر اسے اپنا ہیولا دھندلا نظر آیا تو وہ بجائے آنکھیں صاف کرنے کے کارپٹ پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھی اور دوپٹے کے پلو سے ٹیبل صاف کرنے لگی، کچھ دیر بعد پھر جھک کر اپنا آپ دیکھنا چاہا تو پلکوں پر اٹکے قطرے چھلک گئے، تب گھبرا کر پہلے آنکھیں صاف کیں پھر جلدی جلدی ٹیبل صاف کر رہی تھی کہ دروازے پر آہٹ سن کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا خیال تھا بیگم ہوں گی لیکن جیسے ہی پلٹ کر دیکھا ٹھٹک گئی۔ تھری پیس براؤن سوٹ میں ملبوس ادھیڑ عمر کے غالباً صاحب تھے جو ایک سرسری نظر اس پر ڈال کر ادھر اُدھر دیکھنے لگے۔ اور کسی اور کو موجود نہ پا کر دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو کشمکش و پیچ میں تھے۔ غالباً سمجھ نہیں پائے کہ وہ کون ہے اور اسے کیسے مخاطب کریں، پھر کچھ اس طرح بول پائے۔

"وہ بیٹا، کیا نام ہے تمہارا؟"

"ام کلثوم!"

"ماشاء اللہ بہت" اسی قدر کہا تھا کہ بیگم کی آمد پر ان سے پوچھنے لگے "بھئی یہ بچی کون ہے؟"

"بوا کی لڑکی ہے، ہاں کلثوم تم نے صفائی کر لی ہے تو جاؤ اپنی اماں کا ہاتھ بٹاؤ۔"

بیگم نے ساتھ ہی اسے بھی جانے کا کہہ دیا تو وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ڈرائنگ روم سے نکل آئی، عجیب سی الجھن تھی اماں نے بتایا تھا کہ یہ ابا میاں کے جاننے والے ہیں اور اسے بھی یہی لگ رہا تھا جیسے پہلے کہیں دیکھا ہے لیکن فوراً یاد نہیں آ رہا تھا جبھی اماں کے پاس آتے

ہی پوچھنے لگی۔

"اماں! یہ صاحب کیا ابا میاں کے دوست تھے؟" پیاز کاٹتے ہوئے اماں نے ایک لحظہ رک کر اسے دیکھا پھر دوبارہ چھری چلاتے ہوئے بولیں۔

"پتا نہیں۔"

"آپ ہی نے تو بتایا تھا کہ ابا میاں کے جاننے والے ہیں۔"

"ہاں پھر؟" اماں نے قدرے تیکھی نظروں سے دیکھا تو وہ خاموش ہو گئی لیکن اندر ہی اندر الجھ رہی تھی کہ آخر اس نے ایسی کیا بات کہہ دی ہے جو اماں بگڑنے لگیں۔

پھر کتنے سارے دن گزر گئے، اسے تنہا اور فارغ بیٹھنے سے کوٹھی میں کوئی نہ کوئی کام کرتے رہنا زیادہ بہتر لگتا تھا کیونکہ اس طرح کم از کم وقت گزرنے کا پتا تو چلتا تھا۔ ابتدائی دنوں میں کچھ جھجک سی تھی لیکن اب ہر کام بڑے آرام سے کر لیتی۔ بیگم کو کہنے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی تھی۔ فرح، رُشنا اور روبی کے جانے کے بعد ان کے کمرے ٹھیک ٹھاک کر دیتی۔

فرح اور روبی کے کمرے تو ٹھیک ہی ہوتے تھے، البتہ رُشنا بہت چیزیں پھیلاتی تھی جنہیں سمیٹنے میں اسے کافی وقت لگتا تھا، آخر میں بیگم کے کمرے میں جاتی تو ان کے موڈ پر منحصر ہوتا تھا کبھی کہتیں بیڈ کی چادر وغیرہ چینج کر دو اور کبھی دروازے ہی سے لوٹا دیتیں۔

اس وقت بھی وہ ان کے کمرے میں داخل ہوئی لیکن صاحب کو موجود دیکھ کر اس خاموشی سے واپس پلٹنے لگی کہ انہوں نے پکار لیا۔

"آؤ آؤ کس کام سے آئی تھیں؟"

"صفائی کرنی تھی۔"

"صفائی" انہوں نے تعجب سے کہا۔ "تم سے کس نے کہا صفائی کرنے کو، میرا مطلب ہے وہ صفائی والی ماسی کہاں گئی؟"

"پتا نہیں صاحب! میں نے تو اسے نہیں دیکھا" اس نے سادگی سے کہا تو جانے کیوں وہ نظریں چرا گئے۔

"اچھا تم جاؤ اور سنو آئندہ تم یہ صفائی وغیرہ کے کام نہیں کرنا۔"

"اور کیا کروں؟" وہ بلا ارادہ پوچھ گئی۔

"کچھ نہیں، تم کچھ مت کیا کرو" وہ الجھ کر بولے تو وہ بھی الجھتی ہوئی ان کے کمرے سے نکل آئی اور اماں کے پاس آ کر بولی۔

''صاحب نے مجھے صفائی کرنے سے منع کردیا ہے۔''

''اچھا!'' اماں ہنسیں پھر اس کے تعجب سے دیکھنے پر کہنے لگیں'' ان کے منع کرنے سے کیا ہوتا ہے خیر جس دن وہ گھر پر ہوا کریں تم کوئی کام نہیں کیا کرو۔''

''کیوں اماں؟''

''انہیں نہیں جو اچھا لگتا اور آج چھٹی کا دن تو نہیں ہے پھر وہ گھر پر کیسے ہیں، طبیعت ٹھیک ہے ان کی'' اماں نے اچانک خیال آنے پر پوچھا تو وہ ذرا سے کندھے جھٹک کر بولی۔

''مجھے کیا پتا؟''

''اچھا تم کوارٹر میں جاؤ، میں کرلوں گی سب!''

''نہیں اماں! وہاں میرا دل نہیں لگتا۔''

''کیا'' اماں چونک کر اسے دیکھنے لگیں، کچھ اکتائی ہوئی بیزار سی بیٹھی تھی، انہیں تشویش ہونے لگی اور اس سے پہلے کہ ٹوکتیں وہ ان کے پاس سے اٹھ کر چلی آئی۔

ہمیشہ کی طرح سردی اچانک ہی شروع ہوئی تھی، اتنے دنوں سے موسم خوشگوار سا تھا اور اماں کہہ بھی رہی تھیں کہ گھر سے لحاف لے آئیں گی لیکن ان کا جانا نہیں ہوا تھا اور اس رات غالباً کوئٹہ میں برفباری کے باعث سرد ہوائیں چلنے لگیں تھیں۔ وہ رات بھر ایک چادر میں ٹھٹھرتی رہی اور اماں تو صبح اٹھ ہی نہیں سکیں۔ سردی کے ساتھ انہیں تیز بخار نے آلیا تھا، اس نے جلدی سے اپنے کچن میں آکر چائے بنائی پھر انہیں اٹھاتے ہوئے بولی۔

''آپ نے تو کمال کردیا اماں؟ پتا بھی تھا کہ سردی ایکدم شروع ہوجاتی ہے پھر بھی لحاف نہیں لائیں۔''

''آج لے آؤں گی۔'' اماں اپنے آپ میں سکڑتے ہوئے بولیں۔

''آج کیسے لائیں گی، اتنا تو بخار ہورہا ہے آپ کو۔''

''ٹھیک ہو جاؤں گی، ذرا دھوپ نکل آئے تو سردی بھی اتر جائے گی، تم جاکر ان کا ناشتا بنادو۔''

''میں'' وہ بے اختیار کہہ گئی کیونکہ اماں ہی کے کہنے پر وہ ناشتے وغیرہ کے بعد ہی اس طرف جاتی تھی، پھر کچھ جز بز ہوکر بولی۔ ''میں نہیں جارہی اماں بیگم خود ہی بنالیں گی۔''

''وہ نہیں بنائیں گی بلکہ تمہیں بلانے آجائیں گی اور بگڑیں گی الگ، مجھ میں ہمت نہیں ہے ورنہ میں خود۔''

''بس آپ لیٹ جائیں آرام سے'' وہ ان کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی، پھر اپنی چارپائی سے گدا کھینچ کر انہیں اوڑھایا اور خود چادر اوڑھ کر چلی آئی۔

اس نے سوچا سب کے ڈائننگ روم میں آنے سے پہلے ہی ناشتا بنا کر ٹیبل پر رکھ دے تاکہ بار بار سب کے سامنے جانا نہ پڑے۔ اسی لئے جلدی جلدی ڈبل روٹی کا پیکٹ کھول رہی تھی کہ عقب سے آواز آئی۔

''بوا! آج ابھی تک چائے۔'' اور بلا ارادہ وہ پلٹی اور بوا کی جگہ اسے دیکھ کر وہ اپنی جگہ ٹھٹھک گیا، پھر خجل سا ہو کر بولا۔

''آئی ایم سوری، میں سمجھا بوا، بوا کہاں ہیں؟'' ''بیمار ہیں'' وہ کیتلی اٹھا کر سنک کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

''اور آپ میرا مطلب ہے آپ!'' صاحب کی طرح وہ بھی الجھ گیا کہ اسے کیا سمجھے، اور اس نے پہلے کیتلی چولہے پر رکھ کر چولہا جلایا پھر بڑے آرام سے بولی۔

''میرا نام ام کلثوم ہے اور میں بوا کی بیٹی ہوں۔''

''آپ!'' اسے جیسے یقین نہیں آیا پھر فوراً پوچھنے لگا۔'' آپ کہاں سے آئی ہیں، میرا مطلب ہے کہاں رہتی ہیں؟''

''یہاں کوارٹر میں!''

''لیکن میں نے تو اس سے پہلے آپ کو نہیں دیکھا۔''

''میں نے بھی اس سے پہلے آپ کو نہیں دیکھا صاحب حالانکہ آپ یہیں رہتے ہیں۔''

اس کی بات پر وہ بے ساختہ ہنسا تبھی اس کے عقب سے بیگم کی آواز آئی۔

''کیا ہوا سیف؟'' وہ گڑبڑا کر پیچھے ہٹا۔

''وہ، مما، چائے۔''

''ہاں یہ ابھی تک چائے کیوں نہیں بنی!'' بیگم کہتی ہوئی کچن کے اندر آئیں اور اسے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔'' آج تم ناشتا بنا رہی ہو۔''

''جی بیگم! اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''اچھا تو جلدی کرو، صاحب لوگوں کو آفس جانا ہے۔ بیگم تنبیہہ کرتے ہوئے وہیں ٹیبل پر بیٹھ گئیں، تو وہ جو دروازے میں کھڑا تھا خاموشی سے چلا گیا، وہ کپ میں چائے بنا کر پلٹی اور اسے موجود نہ پا کر کپ بیگم کے سامنے رکھ دیا۔ اس کے بعد ناشتا بنانے میں لگ گئی۔ پھر جتنا وہ

جلدی کرنا چاہ رہی تھی اتنی ہی دیر ہو رہی تھی اور سب کی موجودگی میں بار بار اسے کچھ نہ کچھ لے کر ڈائننگ روم میں جانا پڑا۔ گو کہ کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی، پھر بھی وہ پریشان ہوگئی کیونکہ بار بار خیال آ رہا تھا، میں کسی کی نوکر تو نہیں ہوں جو ایک ایک چیز اٹھا کر دے رہی ہوں۔

''نوکر ہی تو ہوں'' جب ناشتے سے فارغ ہو کر بیٹھی تو آزردگی میں گھر کر سوچا۔

''میں سودا لینے جا رہا ہوں بیٹا! تمہاری اماں کی دوائی لانی ہے؟''

رحمت بابا ہاتھ میں تھیلا لیے پوچھ رہے تھے اس نے چونک کر دیکھا۔

''ہاں بابا! اماں کی دوا لانی ہے، ٹھہریں میں پیسے لے کر آتی ہوں۔''

وہ بھاگ کر اماں سے پیسے لے آئی اور ادھر اُدھر سے تلاش کر کے ایک شیشی بھی انہیں تھما دی، پھر کچن کی صفائی میں لگ گئی، یہاں سے فارغ ہو کر کمروں کا رخ کیا، جب رُشنا کے کمرے میں آئی تو اسے کمبل میں لپٹے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''کیا آپ کو بھی بخار ہو گیا ہے؟''

''اور کسے ہے؟'' رُشنا نے میگزین پر سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔

''اماں کو، رات اتنی سردی میں خالی چادر میں پڑی رہی، بخار تو ہونا ہی تھا۔''

''کیوں، کیا تمہارے پاس لحاف وغیرہ نہیں ہیں۔''

''ہیں، آج اماں لے آئیں گی۔''

''کہاں سے؟'' رُشنا یونہی بات کرنے کی غرض سے پوچھ رہی تھی اور معاً اسے خیال آیا۔ اماں نے اپنے بارے میں کچھ بھی بتانے سے منع کیا تھا، فوراً بات بناتے ہوئے بولی۔

''اس سے پہلے جہاں ہم رہتے تھے، کافی چیزیں وہیں رہ گئیں، اماں نے کہا تھا آہستہ آہستہ لے آئیں گی، لحاف بھی وہیں ہیں۔''

''اچھا سنو! تم نے کچھ پڑھا بھی ہے'' رُشنا کمر کے پیچھے تکیہ سیدھا کر کے بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی، تو وہ نظریں چرا کر بولی۔

''بس پڑھ لیتی ہوں۔''

''کیا پڑھ لیتی ہو۔''

''یہی اخبار اور رسائل وغیرہ۔''

''اخبار اور رسائل'' رُشنا نے دہراتے ہوئے بغور اسے دیکھا، پھر براہ راست پوچھا۔

''کہاں تک پڑھا ہے؟''

''بس رُشنا بی بی! زیادہ نہیں پڑھ سکی حالانکہ ابا میاں چاہتے تھے، میں بی اے، ایم اے کروں لیکن۔'' وہ انجانے میں پھر سچ بولنے لگی۔'' ابا میاں کی زندگی نے وفا نہیں کی ورنہ میں ضرور پڑھتی۔''

''پھر بھی کتنا پڑھا ہے؟'' رُشنا کا تجسس فطری تھا۔

''میٹرک کیا ہے؟''

''واہ......'' رُشنا نے بے اختیار سراہا پھر کہنے لگی،'' ویسے مجھے پہلے ہی شبہ تھا کیونکہ روزانہ میرے کمرے کی صفائی کرتے ہوئے جس طرح تم میری کتابوں کو ترتیب سے رکھتی ہو اس سے میں سمجھ گئی تھی کہ تمہیں کتاب کی سمجھ بوجھ ہے۔''

''لیکن رُشنا بی بی! آپ کسی کو بتایئے گا نہیں'' وہ کچھ پریشان ہو کر بولی۔

''کیوں، یہ کوئی معیوب بات تو نہیں ہے بلکہ کالج میں ایڈمیشن لو، پرائیویٹ کر سکتی ہو۔'' رُشنا نے خلوص سے مشورہ دیا لیکن وہ نفی میں سر ہلا کر تاسف سے بولی۔

''کیا کروں گی بی بی پڑھ کر۔؟''

''بہت کچھ کر سکتی ہو، پہلی بات پڑھی لکھی شہری کہلاؤ گی، پھر اچھی جاب کر لینا، اس کے بعد تمہارے لئے رشتوں کی لائن لگ جائیگی کیونکہ شکل ویسے ہی اتنی پیاری ہے۔'' وہ کچھ نہیں بولی، چپ چاپ دیکھتی رہی تو رُشنا نے ہنس کر پوچھا۔

''کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔'' وہ نفی میں سر ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کی ادھر اُدھر بکھری چیزیں سمیٹنے لگی، جس خواہش کو دبا کر وہ اطمینان سے ہوگئی تھی، اسے رُشنا نے ہوا دے کر ایک بار پھر اسے مضطرب کر دیا تھا۔

رات میں کتنی دیر تک وہ کروٹیں بدلتی رہی، رُشنا کی باتوں نے اسے بے چین کر دیا تھا، بار بار سر جھٹک کر دھیان ادھر اُدھر کرنے کی کوشش کرتی لیکن کچھ دیر بعد ذہن پھر ادھر ہی الجھ جاتا، بالآخر اٹھ کر بیٹھ گئی، اماں کو دیکھا بے خبر سو رہی تھیں اور اس سے اتنا صبر نہیں ہوا کہ صبح کا انتظار کر لیتی، اسی وقت انہیں اٹھا دیا۔

''کیا ہو گیا، خیریت تو ہے۔'' اماں پریشان ہو گئیں۔'' سب ٹھیک ہے اماں! بس مجھے نیند نہیں آ رہی۔'' وہ عاجزی سے بولی۔

''آؤ میرے پاس بیٹھو۔'' اماں نے کنارے کھسک کر اس کے لئے جگہ بنائی، تو وہ اس کے ساتھ لیٹ گئی۔ بخار کے باعث ان کا جسم ابھی بھی بہت گرم ہو رہا تھا، وہ تشویش سے بولی۔

"اماں! آپ کو تو ابھی بھی اتنا بخار ہے، دوا لی تھی آپ نے؟"

"ہاں۔"

"صبح آپ رحمت بابا کے ساتھ چلی جائیے گا، ڈاکٹر کے پاس، پتا نہیں کیسی دوا دی ہے اس نے۔"

"اچھا بس، اب تم چپ چاپ سو جاؤ۔" اماں خود نیند میں تھیں اس لئے اس کا باتیں کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا، وہ خاموش ہو گئی لیکن جیسے ہی اماں نیند میں جانے لگیں، انہیں ہلا کر بولی۔

"اماں! پہلے میری بات تو سن لیں۔"

"اب کیا بات ہے؟" اماں کی جھنجھلاہٹ کے باوجود وہ اپنی بات کہے بغیر نہیں رہ سکی، اور پھر کسی تمہید کے بغیر بولی۔

"اماں! میں پھر سے پڑھنا شروع کر دوں، بی اے ایم اے کر سکتی ہوں۔"

کوئی ایسی بات تو نہیں کی تھی اس نے لیکن اماں کی نیند اڑ گئی، پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور وہ اپنی دھن میں بولے گئی۔

"اچھا ہے ناں اماں! پڑھ لوں گی تو کسی اچھی جگہ نوکری مل جائے گی، مجھے اس طرح دوسروں کے گھر میں نوکروں کی طرح رہنا اچھا نہیں لگتا، بتائیں ناں اماں۔" اور اماں گہری سانس کھینچ کر بولیں۔

"نہیں بیٹا! کوئی فائدہ نہیں، تم کتنا بھی پڑھ لو، رہنا ہمیں یہیں ہے، اب تمہیں اچھا لگے یا نہ لگے، یہاں کم از کم عزت تو محفوظ ہے ورنہ مجھے اپنا گھر چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی۔" پھر سمجھاتے ہوئے کہنے لگیں۔ "تم نے دیکھا نہیں اکیلی عورتوں کے ساتھ لوگ کیسا سلوک کرتے ہیں حالانکہ ہم نہ کسی کا کھاتے تھے نہ کسی سے مانگتے تھے، پھر بھی لوگوں کو نہ میری بیوگی کا خیال تھا نہ تمہاری یتیمی کا، الٹا ہم پر زندگی تنگ کر دی۔"

"سب لوگ تو ویسے نہیں ہوتے اماں۔"

"سب ایک سے ہوتے ہیں بیٹا! وہ ذرا جاہل اور کم پڑھے لکھے لوگ تھے، انہیں اپنی عزتوں کا بھی پاس نہیں تھا جبکہ پڑھے لکھے لوگ خود پر آنچ نہیں آنے دیتے، خیر تم کیوں فکر کرتی ہو، تمہیں کون سا زیادہ دن یہاں رہنا ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ بالکل نہیں سمجھی اور اماں اس کی پیشانی پر آئے بال ہٹاتے

ہوئے بولیں۔

"میں نے صاحب سے کہا ہے کوئی اچھا رشتہ دیکھ کر تمہاری شادی کر دیں، تم اپنے گھر کی ہو جاؤ گی تب مجھے کوئی فکر نہیں رہے گی۔"

"اماں!" وہ اس قدر کہہ سکی، ابھی ایسی ہی عمر میں تھی جہاں شادی کے نام پر ہونٹ تحرک کر رہ جاتے ہیں۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے، رُشا ابھی بھی جب موقع ملتا اسے پڑھنے پر اکساتی لیکن اسے اماں کی باتوں میں زیادہ صداقت نظر آئی تھی، شاید اس لئے کہ جن تلخ حقائق کی اماں نے نشاندہی کی تھی ان سے وہ گزر بھی چکی تھی، اور آگے بھی اسے یہی سب نظر آتا تھا، اس لئے رُشا کی باتیں بس سن لیتی تھی۔

انہی دنوں اچانک فرح کی شادی طے پا گئی تو بیگم نے اماں کو کتنے بہت سارے کاموں میں الجھا دیا غالباً ان دو تین مہینوں میں انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ کسی مجبوری کے تحت ہی وہ گھر کی نوکری کرنے پر مجبور ہوئی ہیں ورنہ گھریلو معاملات میں سمجھ بوجھ، نشست و برخاست میں سلیقہ اور رکھ رکھاؤ انہیں کچھ اور ہی ظاہر کرتا تھا، اس لئے بیگم ان پر کافی اعتماد بھی کرنے لگی تھیں۔

فرح کے جہیز کی ہر چیز میں ان سے مشورہ لیتیں اور اماں بھی یوں مصروف تھیں جیسے اپنے گھر کی شادی ہو جبکہ کچن کا سارا کام اس کے سر آ پڑا تھا، پھر کمروں کی جھاڑ پونچھ بھی کرنی ہوتی تھی، وقت بے وقت مہمانوں کی آمد پر چائے پانی کا انتظام الگ۔

وہ واقعی گھن چکر بنی ہوئی تھی، اس وقت ابھی دوپہر کے کھانے کے برتن دھو کر فارغ ہوئی تھی کہ بیگم نے سیف کا کمرا صاف کرنے کا حکم صادر کر دیا جس سے وہ بوکھلا گئی کیونکہ سیف کا کمرہ اوپر تھا اور وہ کبھی اوپر نہیں گئی تھی، نہ ہی کبھی اماں نے اس سے کہا تھا، خود ہی دن میں کسی وقت جا کر اس کا کمرہ ٹھیک کر آتی تھیں۔

اس وقت اماں پتا نہیں کہاں تھیں اور بیگم نے براہ راست اس سے کہہ دیا تو وہ انکار نہیں کر سکی لیکن اوپر جاتے ہوئے ڈر بھی رہی تھی حالانکہ سیف اس وقت گھر پر نہیں ہوتا تھا، پھر بھی اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی پہلے اس نے آنکھیں پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا پھر قدرے مطمئن ہو کر کمرے کا جائزہ لیا، بالکل رُشا کے کمرے کی طرح ہر شے بکھری ہوئی تھی۔

اس نے دھیرے دھیرے سب سمیٹنا شروع کیا، میلے کپڑے واش روم میں لٹکائے، صوفے پر تولیہ جیسے سوکھنے کے لئے رکھا گیا تھا، اسے اسٹینڈ پر ڈالا، بیڈ پر دو تین فائلیں کھلی رکھی

تھیں اور کھڑکی سے آتی ہوا سے صفحے احتجاج کرتے لگ رہے تھے، ایش ٹرے رائٹنگ ٹیبل پر راکھ اڑا رہی تھی، وارڈ روب کھلی ہوئی تھی۔

وہ پہلے ہی کچن میں تین گھنٹے کھڑی ہونے کے باعث تھکی ہوئی تھی اس لئے اتنا پھیلاوا اور گرد دیکھ کر جھنجھلا گئی لیکن کام تو کرنا ہی تھا، بس اپنے آپ بڑبڑاتی رہی۔ آدھ گھنٹے میں کمرا صاف ہوگیا تو وہ فوراً نیچے جانے کے بجائے وہیں ٹیبل کے پاس نیچے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئی، محض کچھ دیر ستانے کی غرض سے کیونکہ جانتی تھی کہ نیچے کوئی اور کام منتظر ہوگا۔ خیال بھی تھا کہ کہیں کوئی آ نہ جائے، اس لئے خود کو معروف ظاہر کرنے کی خاطر گلدستے میں سے سارے کاغذی پھول نکال کر ایک ایک کرکے اور بہت آرام آرام سے دوبارہ سجانے لگی، جب آس پاس کوئی نہ ہو اور ذہن پر کسی سوچ کا پہرہ بھی نہ ہو تو آپ ہی آپ کوئی گیت ہونٹوں پر مچل جاتا ہے۔

رات فرح کی سہیلیاں ڈھولک پر جو گیت گا رہی تھیں وہ گنگنانے لگی۔

نجر لاگی راجہ تورے بنگلے پر
میں جو ہوت رےراجہ کالی بدریا

بڑی مگن سی تھی جیسے اسے اور کوئی کام ہی نہیں، بہت سوچ سوچ کر ایک پھول اٹھاتی کچھ دیر اسے انگلیوں میں دباتی پھر گلدستے میں سجا دیتی، پتا بھی نہیں چلا کب اندر آتے ہوئے اسے دیکھ کر وہ دروازے ہی میں رک گیا۔ پُرفسوں لمحات اس پر اس کی گنگناہٹ نے قیامت ڈھا دی۔

میں جو ہوتی راجہ توری دلہنیا
مٹک رہتی راجہ ترورے بنگلے پر

وہ اس کے گلابی تراشیدہ ہونٹوں کو دیکھے گیا، جن پر جانے یا انجانے میں ایک خواہش مچل رہی تھی اور ایک پل میں اس کے تصور کی دنیا آباد ہوگئی، یہاں وہاں ہر طرف وہ ہی وہ تھی، بہت بے اختیار ہوکر بس ایک قدم اس کی طرف بڑھا سکا کہ حیثیتوں کی دیوار سامنے آگئی، خواہ کتنی حسین سہی، تھی تو ایک ملازمہ، اس خیال کے ساتھ ذرا سا کھانسا تو وہ گھبرا کر کھڑی ہوگئی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو'' لہجے کو سخت بنانے کی کوشش میں ناکام ہوکر وہ نظریں چرا گیا۔

''صفائی کرنے آئی تھی؟''

''کرلی۔''

''جی۔''

''تو جاؤ یہاں سے، اور سنو آئندہ تم۔'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر الماری کی طرف بڑھ گیا تو وہ منتظر کھڑی رہی جب وہ کپڑے نکال کر پلٹا تو اسے دیکھ کر تعجب سے بولا۔

''تم ابھی تک گئی نہیں۔''

''آپ کچھ کہہ رہے تھے۔'' اس نے یاد دلانا چاہا لیکن وہ فوراً بول پڑا۔

''میں نے تمہیں جانے کے لئے کہاں ہے اور بس۔''

''اچھا۔'' لاپرواہی سے ذرا سے کندھے اچکاتی وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی اور وہ اس کی پشت پر لہراتی ناگن پر سے فوراً نظریں نہیں ہٹا سکا تھا۔ رات کو وہ اماں سے الجھنے لگی کہ بیگم کو دو چار نوکر اور رکھ لینے چاہئیں، اتنا سارا کام ان دونوں کے سر پر ڈال دیا ہے۔

''بیٹا شادی کا گھر ہے کام تو بڑھ ہی جاتا ہے، پھر کچھ دنوں کی بات ہے۔'' اماں نے رسان سے سمجھانا چاہا لیکن وہ اسی طرح منہ پھلا کر بولی۔

''کچھ دنوں کی بات ہو یا بہت دنوں کی مجھ سے نہیں ہوتا۔''

''بری بات، ایسے نہیں کہتے اور کیا تم اپنے گھر میں سارا کام نہیں کرتی تھیں؟''

''اپنے گھر کی بات اور ہوتی ہے اماں۔''

''اسے بھی اپنا گھر سمجھو، اس گھر نے ہمیں پناہ دی ہے۔'' پھر فوراً بات بدلتے ہوئے کہنے لگیں۔ ''خیر چھوڑو، وہ گٹھڑی اٹھا لاؤ، دیکھو میں تمہارے لئے کپڑے لائی ہوں۔''

''کہاں سے؟'' وہ گٹھڑی اٹھا کر جلدی جلدی کھولنے لگی لیکن پھر قدرے شوخ رنگوں کے سلکن کپڑے دیکھ کر حیرت سے بولی۔ ''یہ میں پہنوں گی۔''

''ہاں، فرح کی شادی میں پہننا۔''

''آپ بھی کمال کرتی ہیں اماں بھلا ہم نوکر لوگ۔''

''تم نوکر نہیں ہو۔'' اماں نے فوراً کچھ اس انداز سے ٹوکا کہ وہ مزید حیران ہوکر دیکھنے لگی، تب اماں اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لے کر بولیں۔ ''اب میں تمہیں کیسے سمجھاؤں، کہ تم کسی سے کم نہیں ہو۔''

''بس کریں اماں! آپ ماں ہیں ناں اور ہر ماں کو اپنی اولاد سب سے زیادہ اچھی لگتی ہے۔''

وہ بے دلی سے کپڑوں کو دوبارہ گٹھڑی میں باندھنے لگی، تبھی دروازے پر سے رحمت بابا پکار کر بولے۔

''بوا! کلثوم کو بھیج دو، رُشنا بی بی بلا رہی ہیں۔'' اس نے رحمت بابا کی پوری بات سن کر اماں کو دیکھا تو وہ بڑے آرام سے بولیں۔

''جاؤ رُشنا بلا رہی ہے۔''

''اماں! اتنی رات ہوگئی ہے۔''

''تو کیا ہوا؟ ابھی سب جاگ رہے ہیں، دیکھو ڈھولک کی آواز بھی آرہی ہے۔''

اماں نے اس کا عذر نہیں مانا اور وہ روٹھی ہوئی سی گٹھڑی پھینک کر چلی آئی، پہلے رُشنا کے کمرے میں جھانک کر دیکھا، وہ وہاں نہیں تھی، پھر ہال کی طرف آرہی تھی کہ برآمدے میں صاحب نے روک لیا۔

''تمہاری اماں کہاں ہے؟''

''اپنے کوارٹر میں۔''

''طبیعت تو ٹھیک ہے ناں اس کی؟'' انہوں نے جیسے بات کرنے کی غرض سے پوچھ لیا۔

''جی۔''

''اچھا اچھا، تم ادھر لڑکیوں کے پاس چلی جاؤ، سب تمہارے ساتھ کی لڑکیاں ہیں۔'' وہ کہتے ہوئے آگے بڑھے لیکن پھر ایک دم قدم روک کر بولے۔ ''سنو بیٹا! تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔''

''جی'' اس نے کچھ چونک کر حیران ہوکر دیکھا تو پلٹ کر اپنے کمرے میں چلے گئے اور وہ الجھتے ہوئے ہال کمرے میں آگئی۔ متلاشی نظروں سے ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی کہ رُشنا نے پکارلیا۔

''کلثوم! یہاں آؤ۔'' اسے چکر کاٹ کر رُشنا تک آنا پڑا، اس اثناء میں سب لڑکیاں اس کی طرف متوجہ ہوگئی تھیں، ایک نے پوچھ لیا۔

''کون ہے؟''

''یہ کلثوم ہے'' رُشنا نے اس کے تعارف میں اسی قدر کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ ''سوری رُشنا! اگر یہ کوئی مشہور شخصیت ہے جس کا نام ہی کافی ہے، تب بھی ہم نہیں سمجھے، مکمل تعارف کراؤ۔'' ایک لڑکی نے اس کے سادہ و معصوم چہرے کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے کہا تو رُشنا سے پہلے روبی بول پڑی۔

''یہ ہماری ملازمہ ہے۔''

''کیا!'' سب ایک ساتھ چیخیں، مذاق نہیں کرو۔''

''پوچھ لو اس سے۔''

''واقعی'' سب نے اس سے تصدیق چاہی اور وہ بڑے آرام سے بولی۔

''روبی ٹھیک کہہ رہی ہیں، میں نوکر ہوں۔''

''بکومت۔'' رُشنا نے اسے ڈانٹ دیا، پھر سب سے کہنے لگی۔ ''پاگل ہو تم سب روبی کی بات کا یقین کرلیا اور روبی یہ کیا بدتمیزی ہے۔''

''لیجئے۔''

''اچھا بس، آؤ کلثوم! تم ڈھولک بجاؤ ہم سب گائیں گے۔'' رُشنا نے ڈھولک کھینچ کر اس کے سامنے رکھ دی۔

پھر مہندی، بارات، ولیمہ، ہر فنکشن میں اماں نے اسے ڈانٹ ڈپٹ کر وہی کپڑے پہننے پر مجبور کیا جو وہ اس کے لئے لائی تھیں اور وہ تو عام سے کپڑوں میں بھی غضب ڈھاتی تھی، ذرا سی سج دھج نے اسے سب کی نگاہوں کا مرکز بنا دیا تھا اور وہ اتنی بے خبر نہیں تھی لیکن اپنی اوقات نے اسے کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونے دیا، پھر کچھ بیگم کی تیکھی نظریں تھیں، جو وہ اماں کی خواہش کے باوجود خود کو سب کے برابر نہیں کے باوجود رُشنا نے اس کے بال کھول دیئے اور اپنے ساتھ لے کر گاڑی کی طرف بڑھی تو بیگم نے روک کر اس سے پوچھا۔

''تم بھی جارہی ہو۔؟'' وہ سٹپٹا گئی، فوراً کوئی جواب بھی نہیں دے سکی جبکہ رُشنا اپنی دھن میں آگے نکل گئی تھی، تب صاحب نے اس کی مشکل آسان کردی۔

''ہاں ہاں، یہ کیوں نہیں جائے گی، جاؤ دیکھا رُشنا بلا رہی ہے۔''

اس نے پلٹ کر دیکھا واقعی رُشنا اشارے سے بلا رہی تھی، وہ تیز قدموں سے اس کے پاس آگئی، بہت نروس ہوگئی تھی، مزید دیومرر سے جھانکتی، مشتاق نظروں نے پریشان کردیا، دل چاہا کسی بہانے فوراً اتر جائے لیکن رُشنا نے بیٹھتے ہی کہہ دیا۔

''بہت دیر ہوگئی ہے سیف بھائی! بس اب جلدی چلیں۔''

''اور وہ اولڈ کپل'' اس کا اشارہ ماں باپ کی طرف تھا رُشنا ہنس کر بولی۔

''وہ اپنی گاڑی میں آرہے ہیں۔''

اس نے جھٹکے سے گاڑی بڑھا دی اور حقیقتاً وہ اسے کوئی اہمیت نہیں دینا چاہتا تھا لیکن

اگر ہر بات اختیار میں ہو جائے تو پھر بے اختیاری کسے کہیں وہ تو اس روز سے خود کو سمجھا رہا تھا، جب اپنے کمرے میں اسے گنگناتے سنا تھا حالانکہ اس کی آواز میں کوئی جادو نہیں تھا لیکن وہ گرفت میں آ گیا تھا کہ اس روز سے اب تک اس کی سماعتوں میں بس اس کی آواز تھی۔

میں جو ہوتی راجہ توری دلھنیا
مٹک رہتی راجہ تورے بنگلے پر

اور جہاں وہ تنہا ہوتا، جانے وہ کون سے روپ دھار کر سامنے آتی تھی، کتنی دیر تک وہ اطراف سے بیگانہ ہو جاتا اور جب سر جھٹکتا تو اپنے آپ سے نادم کہ اب وہ ایسا ہی گیا گزرا ہے کہ ایک ملازمہ کو سوچنے لگا ہے اور اگر کسی نے اس کے خیال تک رسائی حاصل کر لی تو اسے کتنا ہرٹ کیا جائے گا، مما تو کسی صورت نہیں بخشیں گی۔

''سیف الرحمٰن! تم اونچے بنگلے میں رہنے والے ویل ایجوکیٹڈ، ویل مینرڈ سوسائٹی میں تمہارا مقام ہے اور تم نے اپنے مقام سے اتنا نیچے گرنے کا تصور کیسے کیا؟''

اسے مما پھنکارتی ہوئی محسوس ہوئیں، اور سچ مچ وہ اپنے مقام سے نیچے آنا نہیں چاہتا تھا، شاید اس لئے کہ وہ اندر سے کمزور اور بزدل تھا، خود سے اعتراف کرتے ہوئے ڈرتا تھا، زمانے کا سامنا کرنا تو اور مشکل تھا اور ان ساری باتوں کے باوجود وہ خود پر اختیار کھو چکا تھا۔

ویسے سے واپسی پر گاڑی سے اترتے ہی وہ اپنے کھلے بالوں کو سمیٹ کر جلدی جلدی چوٹی گوندھنے لگی اور چاہتی تھی کہ فوراً اپنے کوارٹر کا رخ کرے کہ روبی نے چائے کا کہہ دیا۔

''کلثوم! چائے بنا دینا اور ذرا جلدی'' اس نے بہت خاموشی سے روبی کا حکم سنا، پھر رُشنا سے پوچھا۔

''آپ بھی پئیں گی؟''

''نہیں۔'' وہ منع کرتے ہوئے آگے بڑھ گئی اور قریب سے گزرتے ہوئے وہ کہہ گیا۔

''میں ضرور پیوں گا۔''

وہ کچن میں آ کر چائے بنانے لگی، پھر پہلے روبی کا کپ لے کر اس کے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ صاحب اور بیگم جو غالباً اسی وقت آ رہے تھے، اس کے ہاتھ میں کپ دیکھ کر انہوں نے بھی فرمائش کر ڈالی، وہ اندر ہی اندر جھنجھلاتے ہوئے روبی کو چائے دے کر دوبارہ کچن میں آ گئی، ٹی پاٹ کا جائزہ لیا، اس میں مزید ایک کپ چائے تھی۔

اس نے جلدی سے ٹرے میں کپ رکھا کر چائے ڈالی اور جو سیف کے لئے بنا چکی تھی

وہ بھی ٹرے میں رکھ کر بیگم کے کمرے میں دے آئی، پھر آ کر نئے سرے سے پانی رکھا اور اس کے کھولنے کا انتظار کرنے لگی۔

ایسے ہی موقعوں پر اسے شدت سے اپنا گھر یاد آتا تھا اور گھر چھوٹا سہی لیکن اپنی حکمرانی تو تھی، کسی کام میں کوئی زبردستی نہیں اور یہاں دل نہ چاہ رہا ہو یا تھکن سے بدن چور ہو تب بھی کرنا ہے، بہرحال وہ اس کے لئے چائے لے کر اوپر آئی تو اس کے انداز میں عجلت کے ساتھ قدرے بے زاری بھی تھی۔

وہ صوفے پر بیٹھا بظاہر میگزین دیکھنے میں مصروف تھا، اس نے جیسے ہی جھک کر چائے کا کپ اس کے سامنے ٹیبل پر رکھا، وہ اس کے فرش پر جھولتے آنچل کو اپنے جوتے تلے دبا گیا اور وہ سیدھی ہوئی تو سلکی کپڑوں پر آنچل پھسلتا چلا گیا، وہ فوراً تھام کر بولی۔

''صاحب! میرا دوپٹہ چھوڑیں۔'' وہ محض اسے دیکھنے کی خاطر بالکل ان سنی کر کے براہ راست اسے دیکھنے لگا۔

''کیا کہا؟''

''میرا دوپٹہ'' اس نے جلدی سے اس کے پاؤں کی طرف اشارہ کیا۔

''اوہ سوری۔'' اس نے اپنا جوتا ذرا سا اونچا کیا تو وہ فوراً اپنا آنچل کھینچ کر پیچھے ہٹ گئی اور جانے لگی کہ وہ پکار کر بولا۔

''سنو، وہ ایسا ہے کہ تم مجھے صاحب نہیں کہا کرو''

''پھر؟'' وہ سادگی سے دیکھنے لگی تو قدرے رک کر بولا۔

''راجہ کہہ لیا کرو۔''

''راجہ'' وہ ناسمجھی کے عالم میں تھی اور وہ آپ ہی آپ محظوظ ہو کر مسکرایا، پھر چائے کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگایا، تو وہ جلدی سے اس کے کمرے سے نکل آئی۔

گو کہ ابھی وہ ایسی ہی عمر میں تھی، جب بچپن میں سنی ہوئی کہانیوں کے شہزادے اچانک خوابوں کی سرزمین پر دوڑانے لگتے ہیں لیکن ایک تو حالات نے اسے اندر سے سہما کر رکھ دیا تھا، دوسرے اب اپنی کم مائیگی کا احساس تھا: قصداً ان راہوں سے نظریں چرا رہی تھی، جن پر سیف الرحمٰن بہت چپکے سے اس کے لئے کون خواب رکھ چھوڑتا تھا، وہ ڈرتی تھی کہ کہیں غلطی سے بھی اس نے کوئی خواب آنکھوں میں سجا لیا تو پھر اس کے اور اماں کے لئے یہ ٹھکانا بھی نہیں رہے گا اور ڈرتا تو وہ بھی تھا لیکن بہرحال مرد تھا اور اسے بہت سے چور راستوں کی خبر تھی، اسی لئے

پہلے اشارے کنائے سے اسے متوجہ کرنے کی کوشش کرتا رہا، جب کسی طرح وہ متوجہ نہیں ہوئی، تب اس روز پہلے ہی مقام پر اس کی کلائی تھام گیا۔

''تم سمجھتی کیا ہو اپنے آپ کو؟''

''جی'' وہ حیران کم پریشان زیادہ تھی۔

''مت انجان بنو، میرے دل کی دنیا تہہ و بالا کر کے اتنے اطمینان سے کیسے ہو تم؟''

''پتا نہیں کیا کہہ رہے ہیں آپ'' وہ رو دینے کو ہوگئی۔

''بہت اچھی طرح جانتی ہو تم، میں تمہارے ساتھ مذاق نہیں کر رہا نہ کوئی کھیل کھیل رہا ہوں، محبت کرتا ہوں تم سے۔''

اعتراف بھی کر رہا تھا تو انتہائی غصے کے عالم میں اور وہ ہاتھوں میں چہرا چھپا کر رو پڑی۔

''بس کریں صاحب! بیگم کو پتا چل گیا تو کھڑے کھڑے نکال دیں گی۔''

اور اگر وہ یہ کہہ دیتا کہ ساری دنیا کو پتا چل جائے پروا نہیں تو شاید اس کے روانی سے بہتے اشک تھم جاتے لیکن وہ خاموش ہو کر رہ گیا جیسے خود بھی اس بات سے خائف ہو، پھر کہنے لگا۔

''مجھے خود احساس ہے مما کو معلوم ہو گیا تو، خیر چھوڑو اس بات کو اور دیکھو رونا بند کرو مجھے عجیب سا لگ رہا ہے۔''

وہ دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کرنے لگی، بیگم کی ہیل کی ٹک ٹک سنائی دی، شاید اسی طرف آ رہی تھیں اور وہ جلدی سے بولا۔

''اب نہیں رونا سمجھیں۔''

اس کے ساتھ ہی کچن کے دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا، اس نے حیران ہو کر دیکھا پھر بیگم کی نظروں سے بچنے کیلئے برتن دھونے میں لگ گئی اور پھر بے آب وگیاہ زندگی میں اگر ہر قدم پھول کھلنے لگے تو [illegible] وہاں تک ان سے نظریں چراتی گو کہ اس [illegible] محلوں کے خواب نہیں دیکھے تھے اور یہ تو قسمت کی بات تھی کہ محلوں کا راجہ خود چل کر آیا تھا، ہزار خائف سہی پھر بھی محبتوں کا اعتراف پوری سچائیوں کے ساتھ کرتا تھا۔

''یہ صحیح ہے کلثوم کہ میں سب کے سامنے، تمہارا ہاتھ نہیں تھام سکتا لیکن یقین رکھنا کہ میں کبھی تمہارا ہاتھ نہیں چھوڑوں گا۔''

''آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔'' وہ بہت نادان نہیں تھی پھر بھی نہیں سمجھ پائی۔

''اس میں نہ سمجھنے کی کیا بات ہے، تم جانتی ہو مما بلکہ میرے گھر میں کوئی بھی یہ پسند نہیں کرے گا کہ میں تمہیں۔'' وہ قصداً خاموش ہو گیا تو کچھ دیر انتظار کے بعد وہ کہنے لگی۔

''میں جانتی ہوں صاحب، میرا آپ کا کوئی جوڑ نہیں اور جب آپ کو بھی معلوم تھا تو پھر مجھے خواب کیوں دکھائے۔''

''میں تو انتظار میں عمر بتا سکتی ہوں صاحب''

''اوں ہوں کتنی بار منع کیا ہے صاحب نہیں کہا کرو'' اس نے ٹوکنے کے ساتھ قدرے شوخی سے پوچھا، ''کیا کہو گی؟''

''راجہ!'' وہ دھیرے سے مسکرائی اور اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگتی ہوئی نیچے آئی تو سامنے سے آتی رُشنا سے ٹکرا گئی۔

ارے رے، یہ اتنی بدحواس کیوں ہو رہی ہو۔'' رُشنا بمشکل سنبھل کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولی تو گھبراہٹ میں اس کے منہ سے الٹا سیدھا نکلنے لگا۔

''وہ میں اوپر صفائی کرنے گئی تھی لیکن راجہ میرا مطلب ہے وہاں چھوٹے صاحب ہیں۔''

''چھوٹے صاحب تمہیں کیا کھا جائیں گے کچھ کہا انہوں نے؟''

''نن، نہیں تو۔''

''ہاں وہ کیا کہیں گے بھلا، خیر تم صفائی وغیرہ بعد میں کر لینا۔''

اس نے ذرا سا سر ہلانے پر اکتفا کیا اور جلدی سے کچن میں آ گئی، اب اسے کوئی کام برا نہیں لگتا تھا، پتا نہیں اماں کس حساب سے کہتی تھیں کہ اپنے آپ کو نوکر نہیں سمجھو اور اب وہ سچ مچ خود کو کچھ اور سمجھنے لگی تھیں۔

محبت کی راہ گزر ہی ایسی ہے جس میں اگر پھول کم خار زیادہ ہوں تب بھی ابتدائی مراحل میں نظر صرف پھولوں پر ہی ٹھہرتی ہے، وہ بھی بڑی مگن سی محبتوں کی کلیوں سے دامن بھرتی چلی آ رہی تھی حالانکہ دو ایک بار ناشتے کی ٹیبل پر وہ بیگم کو یہ کہتے ہوئے سن چکی تھی کہ وہ رُشنا اور سیف کی شادی ایک ساتھ کرنا چاہتی ہیں اور سیف کے لئے وہ لڑکیاں بھی دیکھ رہی ہیں لیکن اس نے پروا نہیں کی کیونکہ وہ اسے یقین دلا چکا تھا کہ وہ صرف اس کا ہے اور اسی کا ہی رہے گا۔

اس وقت بیگم گھر پر نہیں تھیں، اس لئے دوپہر کے تمام کاموں سے فارغ ہوتے ہی وہ اماں کے ساتھ کوارٹر میں آ گئی، رُشنا اور روبی کو دوپہر میں لمبی تان کر سونے کی عادت تھی، اس لئے بھی اطمینان تھا کہ کسی کام کے لئے پکارا نہیں جائے گا۔

''اماں! آپ بھی کچھ دیر آرام کرلیں، تھک جاتی ہوں گی۔''

اس نے زبردستی اماں کو لیٹنے پر مجبور کیا، پھر شاپر میں سے اپنا دوپٹا نکال کر کاڑھنے لگ گئی، کچھ دیر بعد ہی سیف کی آواز سنائی دی، غالباً دروازے پر رک کر پکار رہا تھا۔

''بوا'' اس کا دل یکبارگی بڑی زور سے دھڑکا کن انکھیوں سے اماں کو دیکھا، وہ اٹھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''ارے یہ تو سیف میاں کی آواز ہے، آجاؤ بیٹا اندر آجاؤ۔''

اس نے ایسی ہی جھکی ہوئی نظروں سے اسے آتے ہوئے دیکھا، پھر بظاہر اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

''آج جلدی آگئے بیٹا، کھانا نکال دوں؟'' اماں یہی سمجھیں کہ وہ اسی غرض سے آیا ہے لیکن اس نے منع کردیا۔

''نہیں بوا، آپ بیٹھیں آرام سے، یوں بھی میں کھانا کھا چکا ہوں، بس اس لئے چلا آیا کہ گھر میں بہت خاموشی ہے، مما کہاں ہیں؟''

''کچھ بتا تو رہی تھیں بیگم، میں نے ٹھیک سے سنا نہیں، شاید تمہارے لئے کوئی لڑکی دیکھنے گئی ہوں گی، آج کل تو ان پر بس یہی دھن سوار ہے۔''

''اچھا!'' اماں کی بات پر وہ اشتیاق ظاہر کرتا ہوا ان کے پاس ہی بیٹھ گیا، پھر کن انکھیوں سے اسے دیکھ کر بولا۔ ''واقعی اب میری شادی ہوجانی چاہئے۔''

''بیگم بھی یہی چاہتی ہیں۔''

''مما چاہتی تو ہیں لیکن'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا پھر اس کی طرف اشارہ کرکے پوچھنے لگا، ''بوا! آپ اس کی شادی کب کررہی ہیں؟''

''دعا کرو بیٹا! اللہ جلد وہ گھڑی لائے، میں نے صاحب سے بھی کہا ہے کہ کوئی اچھا لڑکا دیکھیں اس کے لئے۔''

اس کی شادی کے ذکر پر اماں ایک دم سنجیدہ ہوگئیں جبکہ وہ شریر ہورہا تھا، اس کے گھورنے کے باوجود باز نہیں آیا۔

''مجھ سے کہا ہوتا بوا! میں اب تک بیسیوں لڑکے آپ کو دکھا چکا ہوتا۔''

''اللہ بھلا کرے تمہارا، کوئی ہے تمہاری نظر میں؟'' اماں پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوگئیں تو وہ سر کھجاتے ہوئے بولا۔

''ہاں ہے تو سہی ایک لڑکا لیکن''

''لیکن کیا۔'' اماں نے انتہائی بے صبری کا مظاہرہ کیا، تبھی گاڑی کے ہارن پر وہ بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا اور جلدی سے بولا۔

''میرا خیال ہے مما آگئی ہیں، میں پھر آپ سے بات کروں گا بوا آپ فکر نہیں کریں۔''

اس کے ساتھ ہی تیز تیز قدموں سے باہر نکل گیا تو وہ جو خود کو انجان ظاہر کررہی تھی اس کے جاتے ہی اماں کو دیکھنے لگی تو وہ آہ بھر کر بولیں۔

''قسمت کی بات ہے اگر آج ہم پیسے والے ہوتے تو بیگم کو اس کے لئے ادھر اُدھر لڑکی نہ تلاش کرنی پڑتی۔''

''کیا مطلب؟'' اس نے چونک کر پوچھا لیکن اماں اپنی ہی سوچ میں تھیں اور جیسے اپنے آپ سے بولیں۔

''صاحب کا بھی تو کچھ زور نہیں چلتا ورنہ ہم ملازموں کے کوارٹر میں پڑے ہوتے؟''

''کیا کہہ رہی ہیں آپ'' وہ الجھ کر قدرے زور سے بولی تو اماں چونک کر اسے دیکھنے لگیں پھر اٹھتے ہوئے بولیں۔ ''کچھ نہیں تم اپنا کام کرو، میں ذرا بیگم کے پاس ہو آؤ شاید انہیں کوئی کام ہو۔''

یونہی کتنے دن گزر گئے، وہ دیکھ رہی تھی کہ اماں شدت سے اس کی منتظر ہیں کہ کسی دن وہ پھر اس طرف آنکلے تو اماں اس سے تفصیلی بات کریں لیکن وہ نہیں آیا اور اب اس نے محسوس کیا کہ اماں اس کا انتظار چھوڑ کر کسی اور الجھن میں ہیں۔ جانے کیسی الجھن تھی جس نے انہیں گم کردیا تھا، کسی بھی بات کو اسے بار بار دہرانا پڑتا پھر انہیں جھنجوڑتی تب کہیں جا کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوتیں، کتنے دن وہ ان کی اس کیفیت پر جھنجلاتی رہی، اس روز ٹوکتے ہوئے روہانسی ہوگئی۔

''اماں! آپ کو کیا ہوگیا ہے، میر بات کیوں نہیں سنتیں۔''

''تمہاری نہیں سنوں گی تو کس کی سنوں گی بیٹا'' اس کے روہانسی ہونے پر اماں نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے بولیں۔ ''کہو کیا کہہ رہی تھیں؟''

''کچھ نہیں،'' وہ روٹھے لہجے میں بولی اور چپکے سے پلکوں تک آئی نمی صاف کرنے لگی۔

''ارے! تم تو ناراض ہوگئیں، پگلی کوئی ماں سے بھی ناراض ہوتا ہے۔'' اماں نے جھک

کر اس کی پیشانی چومی۔

''آپ بھی تو مجھے کوئی بات بتائیں، اتنے دنوں سے پریشان پھر رہی ہیں۔'' اس نے بالآخر ٹوک دیا۔

''میں پریشان ہوں۔'' اماں نے جیسے خود سے کہا، پھر اس سے بولیں۔ ''پریشان نہیں ہوں بیٹا بس اب میں تمہیں کیا بتاؤں۔''

''بتائیں ناں!'' اس نے مچل کر اصرار کیا تو کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اماں کہنے لگیں۔

''تمہیں پتا ہے ناں کہ تمہارے ابا میاں کے ایک بھائی بھی ہیں، میں نے بھی صرف ان کا نام سنا تھا یا پھر ایک بار بس تمہاری دادی کے انتقال پر دیکھا تھا، تمہارے ابا میاں بتاتے تھے کہ انہیں شروع ہی سے بڑا آدمی بننے اور کہلوانے کا جنون تھا، اسی شوق میں باہر نکل گئے، جانے کتنا عرصہ باہر رہ کر واپس آئے تو اپنا کاروبار شروع کیا لیکن قسمت نے ساتھ نہیں دیا جو کما کر لائے تھے وہ سب ڈوبنے لگا لیکن ہوشیار آدمی تھے۔ اس سے پہلے کہ کنگال ہو جاتے ایک بڑے گھر میں شادی کر لی اور سسر کی مدد سے نہ صرف یہ کہ ان کا کاروبار بالکل ٹھپ ہونے سے بچ گیا بلکہ انہوں نے انہیں کہیں سے کہیں پہنچا دیا لیکن ان کی بیوی ہوشیار عورت تھی، پھر یہ بھی جانتی تھی کہ سب کچھ اس کے باپ کا دیا ہوا ہے اس لئے وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھیں۔ ان دنوں تمہارے ابا میاں اور تمہاری دادی انہی کے پاس رہتے تھے اور جو سلوک وہ عورت تمہاری دادی کے ساتھ کرتی تھی وہ تمہارے ابا میاں سے برداشت نہیں ہوا اس لئے وہ ماں کو لے کر اپنے اسی چھوٹے گھر میں چلے گئے اور تمہارے تایا ابا بزدل آدمی تھے، کبھی پلٹ کر ماں اور بھائی کی خبر نہیں لی۔''

اماں عہد رفتہ کو دہراتے ہوئے وہیں کھوئی ہوئی تھیں، ذرا دیر کو چپ ہوئیں تو پھر چپ بیٹھی رہ گئیں جبکہ نگاہوں میں ایک ایک منظر گھوم رہا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اچانک اماں کو تایا ابا کا خیال کیسے آ گیا، دل چاہا پوچھے لیکن پھر خاموش رہی اور کتنی دیر بعد اماں پھر کہنے لگیں۔

''جب میں شادی ہو کر آئی تو اکثر تمہاری دادی کو بڑے بیٹے کے لئے مغموم دیکھا پھر بھی ان کے پاس جانا نہیں چاہتی تھیں، بس انہیں یہی دکھ تھا کہ بڑا بننے کے جنون میں ان کے بیٹے نے اپنا آپ بیچ ڈالا، کہتی تھیں وہ پیسے والا ہو کر بھی غلام کا غلام ہے، پھر ان کے

انتقال پر میں نے بھی اس شخص کو دیکھا تو مجھے بہت دکھ ہوا تھا کہ ماں کے مرنے پر کس طرح اجنبیوں کی طرح آیا تھا، تمہارے ابا میاں کے پاس بھی زیادہ دیر نہیں بیٹھے تو ایسے شخص سے بھلا کیا امید رکھی جا سکتی تھی، جب تمہارے ابا میاں گردوں کی بیماری میں مبتلا ہوئے تو میں نے مشین سنبھال لی۔

مجھے اور تمہارے ابا میاں کو بھی یہ گوارا نہیں تھا کہ ہم ان سے مدد مانگیں، پھر جس شخص کو اپنی ماں کا خیال نہیں تھا وہ ہمارا خیال کیا کرتا، بہرحال وقت جیسا بھی ہو گزر جاتا ہے لیکن پتا نہیں کیوں کبھی کبھی وقت ہمیں اسی راستے پر لا کھڑا کرتا ہے جس سے ہم گزرنا نہیں چاہتے، اسے تقدیر کی ستم ظریفی کہوں یا کوئی اور آزمائش، کچھ بھی ہے، ساری آزمائشوں سے کڑی آزمائش ہے کہ جب ساری دنیا اجنبی ہو گئی، ہمارے لئے اپنے ہی گھر کی دیواریں کمزور پڑ گئیں تو انتہائی مایوسی کے عالم میں مجھے خیال آیا بھی کہ اسی در کا جہاں سے تمہارے ابا میاں اور دادی اس طرح دلبرداشتہ ہو کر نکلے تھے کہ دوبارہ اس طرف نہ آنے کی قسم کھالی تھی۔''

اماں کی آواز بوجھل ہو کر خاموش ہو گئی تو وہ جو دم سادھے پڑی تھی ایک دم پوچھنے لگی۔

''آپ تایا ابا کے پاس گئی تھیں؟'' اماں فوراً جواب نہیں دے سکیں تو وہ ان کا ہاتھ ہلا کر بولی۔

''بتائیں ناں اماں، آپ گئی تھیں ان کے پاس؟''

''اور کہاں جاتی، کون تھا ہمارا، تم نے دیکھا نہیں تھا لوگوں نے ہم پر زندگی تنگ کر دی تھی۔'' اپنی بے بسی پر اماں کے آنسو چھلک گئے، دوپٹے میں جذب کرتے ہوئے بولیں۔''

''مایوسی کے اندھیروں میں مجھے ایک کرن نظر آئی تھی اور میں نے سوچا تمہارے تایا ابا کتنے سنگدل سہی یتیم بھتیجی کے سر پر ہاتھ تو رکھ ہی دیں گے، یوں تمہاری خاطر میں ان کے پاس چلی گئی، انہیں تمام حالات بتائے کہ تمہارے ابا میاں کے انتقال کے بعد لوگوں نے کس طرح اکیلی عورتوں کا جینا حرام کر رکھا ہے۔''

''پھر کیا کہا انہوں نے؟'' اماں کے ذرا سا رکنے پر اس نے بے صبری سے پوچھا۔

''بس بیٹا! بڑی مشکلوں سے وہ ہمیں سر چھپانے کی جگہ دینے پر آمادہ ہوئے وہ بھی اس شرط پر کہ ان کی بیگم کو پتا نہ چلے کیونکہ وہ عورت ابھی بھی ان کے غریب رشتے داروں سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتی، بہرحال میں نے ان سے وعدہ کر لیا کہ ہم کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے، کبھی خود کو ظاہر نہیں کریں گے۔''

''آپ کو وہاں نہیں جانا چاہئے تھا اماں! ہم یہاں ٹھیک تو ہیں۔'' اسے بہت دکھ ہوا تھا۔

''میں اب کی نہیں اس وقت کی بات کر رہی ہوں بیٹا جب ہم اپنے گھر میں تھے۔''

اماں کی سمجھ میں نہیں آیا اسے کیسے سمجھائیں۔ واقع عجیب سا لگ رہا تھا، نظریں چراتے ہوئے بولیں۔ ''تمہارے تایا ابا سے بات کرنے کے بعد ہی تو میں تمہیں لے کر یہاں آئی ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی پھر جیسے آپ ہی آپ سمجھ میں آگئی تو انتہائی تاسف میں گھر کر بولی، اماں یہ، یہ گھر، میرا مطلب ہے کیا یہ تایا ابا، اور وہ صاحب۔''

''آرام سے بیٹا، میں تمہیں یہ تو بتانا چاہ رہی ہوں کہ صاحب ہی تمہارے تایا۔''

''نہیں اماں! آپ کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے، بھلا ابا میاں کے بھائی۔'' دکھ اور بے یقینی کی کیفیت میں وہ ٹھیک سے بول نہیں پا رہی تھی اور اماں تو پہلے ہی اس دکھ سے گزر چکی تھیں اب تو ان کا دل ٹھہر سا گیا تھا۔ اس کا چہرا ہاتھوں میں تھام کر بولیں۔

''بیٹا! میں نے تمہیں پہلے ہی بتایا تھا کہ تمہارے تایا ابا کا کچھ زور نہیں چلتا اور تمہاری دادی نے بھی ٹھیک کہا تھا کہ پیسے والا ہو کر بھی غلام ہے، پھر تمہیں خود سمجھنا چاہئے کہ برسوں تمہارے ابا میاں بستر مرگ پر پڑے رہے، کبھی یہ پوچھنے نہیں آئے، انہوں نے آکر ہمیں اس کوارٹر میں جگہ دے دی ہے تو اسے احسان سمجھو۔''

''ٹھیک کہتی ہیں آپ، احسان ہی تو ہے ان کا۔'' وہ چھوٹے سے کمرے میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔ ''کتنی خوش ہوتی ہوگی ابا میاں کی روح کہ ان کے بھائی نے ہمیں سرد و گرم سے بچا لیا ہے۔''

''میں اسی لئے تمہیں نہیں بتانا چاہتی تھی کہ تم دل پر لے بیٹھو گی۔''

''نہیں اماں! آپ کو پہلے سے بتانا چاہئے تھا یا پھر اب بھی نہ بتاتیں، پتا نہیں سب کے سامنے جاتے ہوئے اب مجھے کیسا لگے گا، رُشنا روبی اور......''

اس کا نام ہونٹوں تک آتے آتے رہ گیا اور وہ نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگی، اماں کچھ دیر تک خاموش بیٹھی رہیں پھر کہنے لگیں۔

''اصل بات تو وہیں رہ گئی جس کے نتیجے مجھے یہ ساری حقیقت بتانی پڑتی۔''

''اور کیا بات ہے'' وہ کچھ سہم کر دیکھنے لگی کہ کہیں کوئی ایسا انکشاف جو اس کی قوت

برداشت سے بڑھ کر ہو سچ مچ اسے مار ڈالے گا اور اس کی کیفیت بھانپ کر اماں نے پہلے اسے اپنے سینے سے لگایا پھر اس کی پیشانی چوم کر بولیں۔

''تم بہت جلدی گھبرا جاتی ہو، اب میں تم سے کوئی بات نہیں کہوں گی۔''

''نہیں اماں! آپ بتائیں کیا بات ہے، اب میں پریشان نہیں ہوں گی''

اس نے پھر مچل کر اقرار کیا تو اماں نے پھر سے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور قدرے توقف کے بعد کہنے لگیں۔

''اب کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے، وہ ایک روز سیف نے کہا تھا کہ تمہارے لئے ایک رشتہ بتائے گا بعد میں موقع ملنے پر میں نے پوچھا تو کہنے لگا وہ خود تم سے شادی کرے گا۔''

''میرے خدا!'' ٹھہرے ہوئے دل میں ہلچل سی مچ گئی اور ایسی ہی بے ترتیب دھڑکنوں کے ساتھ پوچھا۔ ''کیا انہیں معلوم ہے اماں کہ ہم''

''نہیں بیٹا!'' اماں فوراً بولیں ''کسی کو معلوم نہیں سوائے تمہارے تایا ابا کے اور ان سے میں وعدہ کر چکی ہوں، تم بھی خیال رکھنا کبھی کسی کو خود سے اپنے بارے میں نہیں بتانا۔''

''میں کیوں بتاؤں گی اور اماں سیف سے آپ نے کہا نہیں کہ ہمارا ان کا کیا جوڑ'' وہ پھر اصل بات کی طرف آگئی۔

''کہا تھا بیٹا بلکہ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش بھی کی لیکن وہ جو بات منہ سے نکال چکا تھا اس سے نہیں ہٹا، ساتھ ہی یہ اعتراف بھی کیا کہ اس کے ماں باپ اس رشتے پر کبھی راضی نہیں ہوں گے اور انہیں راضی کرنا تو دور کی بات وہ تو ان سے کہنے کی ہمت بھی نہیں رکھتا، عجیب الجھن میں ڈال دیا ہے اس لڑکے نے مجھے۔''

پرسوچ انداز میں کہتی ہوئی اماں پریشان نظر آنے لگیں اور اب وہ کہاں ان کی پریشانی دیکھ سکتی تھی، اس نے تو بس وہیں تک سنا تھا کہ وہ اپنی بات سے نہیں ہٹا۔

موسم سرما کا اختتام ہوتے ہی بہاروں کے قافلے اترتے چلے آئے اور سارے موسم تو انسان کے اندر سے پھوٹتے ہیں، بس یہ اتفاق ہی تھا کہ ان دنوں اندر باہر کا موسم ایک جیسا تھا، اگر لان کے گوشے گوشے میں کلیاں چٹخ رہی تھیں تو اس کے من کا آنگن بھی مہکا مہکا تھا، اس وقت پودوں کو پانی دیتے ہوئے وہ بہت دھیمے دھیمے کچھ گنگنا بھی رہی تھی، تبھی پیچھے سے آکر اس نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیئے تو وہ حواس باختہ سی ہو کر فوراً دور ہٹ گئی اور سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولی۔

''راحیہ! اگر کوئی دیکھ لیتا تو۔''

''کوئی دیکھنے والا نہیں ہے، میرا مطلب ہے، سب گئے ہوئے ہیں۔'' وہ دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے یوں بولا جیسے خود کو آزاد محسوس کر رہا ہو، پھر بڑھ کر اس کے ہاتھ سے پائپ لے کر دور پھینک دیا اور اس کی کلائی تھام کر بولا۔

''چھوڑو یہ سب، چلو میں تمہیں کہیں باہر لے چلوں''

''کیا!'' اس کی چیخ نکل گئی پھر سنبھل کر بولی۔

''اماں ہرگز اجازت نہیں دیں گی۔''

''پوچھ لیتے ہیں ان سے'' وہ بڑی ترنگ میں تھا اس کی کلائی کھینچتا ہوا چل پڑا۔

''راحیہ'' وہ سچ مچ پریشان ہوگئی، مسلسل اس کی گرفت سے اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش کرتی رہی لیکن وہ اسی طرح اماں کے سامنے لے آیا اور یہ پہلا موقع تھا کہ اماں ان دونوں کو ساتھ دیکھ رہی تھیں، ٹھٹھک کر رہ گئیں پھر کچھ ناگواری سے بولیں۔

''یہ کیا حرکت ہے میاں''

''وہ بوا! یہ باہر جانے کی ضد کر رہی تھی، میں نے کہا پہلے آپ سے پوچھ لیتے ہیں۔''

وہ بڑے آرام سے سارا الزام اس کے سر رکھ گیا اور اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

''نہیں اماں!''

''کیا نہیں، ابھی تم کہہ نہیں رہی تھیں۔''

اس کی دیدہ دلیری پر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، جھٹکے سے کلائی چھڑا کر بھاگ گئی تو اماں اسے تنبیہہ کئے بغیر نہیں رہ سکیں۔

''میاں! تمہیں خیال کرنا چاہئے، ہم غریبوں کے پاس لے دے کے ایک عزت ہی تو رہ جاتی ہے۔''

''اور کیسے خیال کیا جاتا ہے بوا! میں نے کچھ غلط نہیں کیا، نہ غلط کرنا چاہتا ہوں، آپ ہی میری بات نہیں سمجھ رہیں۔'' وہ انہیں کندھوں سے تھام کر بٹھاتے ہوئے کہنے لگا۔ ''آپ کی عزت کو میں اپنی عزت بنانا چاہتا ہوں، ابتداء میں کچھ دشواریاں ضرور ہیں لیکن پھر آپ دیکھئے گا کیسے کلثوم اس گھر میں راج کرتی ہے، آپ ہاں تو بھریں بوا۔''

''میرے ہاں بھرنے سے کیا ہوگا بیٹا، پہلے تم اپنے ماں باپ سے بات کرو۔''

بوا نے ابھی بھی وہی بات کی جو اتنے دنوں سے کہہ رہی تھیں تو وہ زچ ہو کر بولا۔

''بہت مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے، میرے ماں باپ کبھی راضی نہیں ہوں گے۔''

''دیکھ لو، تم خود کہہ رہے ہو کہ وہ کبھی راضی نہیں ہوں گے، پھر میں کیسے اپنی بیٹی تم سے بیاہ دوں۔''

''اوہو! آپ سمجھ نہیں رہیں، میرا مطلب ہے وہ ابھی راضی نہیں ہوں گے لیکن بعد میں جب انہیں معلوم ہوگا کہ میں کلثوم سے شادی کر چکا ہوں تب اگر وہ ناراض ہوئے بھی تو زیادہ سے زیادہ ہمیں گھر سے نکال دیں گے، اس سے زیادہ تو کچھ نہیں کر سکتے۔''

وہ اتنے دنوں سے انہیں قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا، اب باقاعدہ ان کے پیروں کے پاس دوزانو بیٹھ گیا اور ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

''بوا! آپ کو میرا یقین نہیں یا آپ مجھے کلثوم کے قابل نہیں سمجھتیں۔''

اماں کے کمزور پڑنے پر اس نے مضبوطی سے ان کے ہاتھ تھام لئے اور انہیں بولنے کا موقع دیئے بغیر کہنے لگا۔ ''اس سے اچھا موقع پر نہیں ملے گا، سب لوگ اسلام آباد گئے اور ان کی واپسی تین چار روز سے پہلے نہیں ہوگی اور بعد کی آپ فکر نہیں کریں، میرے ذمہ داری ہے۔''

وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن'' اماں شش و پنج میں تھیں۔

اوں ہوں، پھر وہی لیکن بس آپ چائے پانی کا انتظام کریں، میں دو چار دوستوں کو لے کر آتا ہوں، نیک کام میں دیر کیسی۔''

وہ کہتا ہوا کھڑا ہوا اور فوراً پورچ کی طرف بڑھ گیا، اماں اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہیں اس کے بعد بھی کتنی دیر وہیں بیٹھی رہیں، بے شمار خدشوں، اندیشوں کے درمیان کہیں اطمینان بھی موجود تھا کہ وہ کوئی غیر نہیں، اس کے جیٹھ کا بیٹا تھا اور پھر شادی کر رہا تھا، اس کے ماں باپ اب راضی نہیں تو پھر راضی ہو جائیں گے۔ شاید ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ابتداء میں کچھ دشواریاں ہیں پھر تو کلثوم اس گھر پر راج کرے گی۔ انہوں نے دور تک نظریں دوڑائیں، پھر کلثوم کو پکارتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆

پھولوں کے زیور سے آراستہ اس کے وجود سے پورا کمرا مہک رہا تھا، سب کچھ اتنا اچانک ہوا تھا کہ اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا، بار بار پلکیں جھپکتی کہ کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہی اور وہ کمرے میں داخل ہوا تو اس کی کیفیت بھی کچھ ایسی ہی تھی، کتنی دیر تک بنا کوئی آہٹ

کیے اسے دیکھتا رہا، پھر یونہی بے آواز قدموں سے چلتا ہوا عین اس کی نگاہوں کے سامنے رک کر دلکشی سے مسکرایا تو وہ سٹپٹا کر پیشانی گھٹنوں پر ٹکا گئی۔

''ارے! کیا میں اتنا خوفناک ہوں۔'' وہ شرارت سے کہتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ گیا، پھر اس کے ہاتھ کو ذرا سا جھٹکا دے کر بولا۔

''اپنے راجہ کو سلام نہیں کرو گی، اچھا پہلے میرا سلام ہو۔''

''راجہ!'' اس نے ذرا سی پیشانی اونچی کی اور ٹھوڑی گھٹنوں پر رکھتے ہوئے بولی ''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

''کس سے؟''

''بیگم آئیں گی تو''

''کم آن یار! کم از کم آج کی رات ہر فکر و غم سے آزاد ہو جاؤ، یہ اندیشوں کی نہیں ارمانوں کی رات ہے۔''

وہ فوراً ٹوک کر بولا، پھر اس کے سامنے دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر آڑھا لیٹتے ہوئے کہنے لگا۔

''تمہیں اس روپ میں میں نے کب تصور کیا تھا، اس روز جب تم وہاں بیٹھی دھیرے دھیرے گنگنا رہی تھیں ذرا پھر گا کر سناؤ تو۔''

''کیا'' اسے بالکل یاد نہیں تھا ''میں کب گا رہی تھی۔''

''کمال ہے یعنی میں تو اس ایک ادا پر مر مٹا اور تمہیں خبر ہی نہیں، یاد کرو فرح کی شادی میں، وہ کیا تھا، میں جو ہوتی راجہ''

''آپ کو یاد ہے'' وہ حیران ہوئی۔

''صرف یاد، کوئی ایسا دن نہیں گیا جو میں نے اس گیت کے سامنے تمہیں نہ سوچا ہو اور اسی حوالے سے میں نے خود کو راجہ کہلوایا، پھر بھی تمہیں یاد نہیں۔''

اس کی آنکھوں میں قندیلیں روشن تھیں اور ایسی ہی چمکتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا پھر مسکرا کر بولا۔

''ذرا سا گنگنا دو مجھے بہت اچھا لگے گا۔''

اسے بہت شرم آ رہی تھی لیکن اس کی خواہش رد نہیں کر سکی۔

نچ لائی راجہ تورے بنگلے پر

میں جو ہوتی راجہ توری دلہنیا
ملک راہتی راجہ تورے بنگلے پر

''بس راجہ!'' شرم سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا، وہ ہنس پڑا پھر اس کا ہاتھ ہونٹوں سے چھو کر بولا۔

''اب تو سچ مچ میری دلہن ہو چکی ہو اور ہاں میں تمہیں رونمائی دینا تو بھول ہی گیا، جلدی میں یہی خرید سکا ہوں۔''

وہ یاد آنے پر اٹھ بیٹھا اور جیب سے انگوٹھی نکال کر اس کی انگلی میں ڈالتے ہوئے بولا۔

''میری محبت کی پہلی نشانی، گو کہ بہت معمولی سی ہے لیکن۔''

''نہیں راجہ! یہ معمولی نہیں ہے۔'' وہ ٹوک کر بولی۔ ''معمولی تو میں ہوں جسے آپ نے اپنی محبتوں سے مالا مال کر دیا ہے کہاں چھپاتی پھروں گی، میں اس انمول خزانے کو، میرا تو دل بھی اتنا سا ہے۔''

''کتنا سا؟'' اس کے شرارت سے پوچھنے پر جھینپ کر بولی۔

''آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے اور مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

''میری موجودگی میں بھی ڈر رہی ہو، ٹھیک ہے میں تمہاری اماں کو بلا لاتا ہوں۔''

''کیا؟'' وہ سٹپٹا کر چیخی اور اسے اٹھتے دیکھ کر بے اختیار اس کا ہاتھ تھاما تو اگلے پل اس کے بازوؤں میں تھی۔

صبح اپنی تمام تر رعنائیوں سمیت جلوہ افروز ہوئی اور وہ تو ہمیشہ سے جلدی اٹھنے کی عادی تھی بڑی مشکل سے خود کو اس کے بازوؤں کے حلقے سے نکال پائی پھر احتیاط سے بیڈ پر سے اتر کر کھڑکی سے پردے ہٹا کر دیکھنے لگی، خوبصورت سے تھا۔ نسیم سحر اس کے چہرے کو چھو کر بالوں سے اٹھکیلیاں کرنے لگی۔ ایک پل کو اسے سب گھر والوں کا خیال آیا لیکن یہ جو وقت اس کی دسترس میں تھا، اسے وہ کھونا نہیں چاہتی تھی، اس لئے فوراً پلٹ کر اس کے پاس آ بیٹھی بے خبری کی نیند سویا کتنا اچھا لگ رہا تھا، کتنی دیر تک وہ چپ چاپ اسے دیکھے گئی، پھر بہت نرمی سے اس کی پیشانی پر آئے بالوں میں اپنی انگلیاں پھنسا کر پہلے ذرا سا اوپر سمیٹا، پھر اچانک جانے کیا ہوا بلا ارادہ ہی اس کے بالوں کو زور سے مٹھی میں جکڑ لیا، تکلیف کے باعث فوراً اس نے آنکھیں کھول دیں اور بے اختیار اپنے بالوں میں پھنسے اس کے ہاتھ کو پکڑ لیا تو اپنی غیر ارادی حرکت پر وہ سٹپٹا گئی، تب وہ ہنس کر بولا۔

"میرا تو خیال تھا مجھے اٹھانے کیلئے تمہیں سوجتن کرنے پڑیں گے لیکن تم نے تو ایک ہی جھٹکے میں اٹھا دیا۔"

مجھے پتا تھا، آپ آرام سے نہیں اٹھیں گے۔" اس نے بات بنائی لیکن وہ چھیڑ کر بولا۔

"تمہیں کیسے پتا تھا۔"

"بس پتا تھا اور اب آپ فوراً اٹھ جائیں۔ میں نیچے جارہی ہوں۔" اور وہ اٹھنے لگی کہ اس نے ہاتھ کھینچ کر دوبارہ بٹھا دیا۔

"نیچے کیا کرنے جارہی ہو؟"

"ناشتا بناؤں گی اور اس سے پہلے آپ کے لئے چائے۔"

"ہوں" اس نے کچھ دیر سوچا پر کہنے لگا۔ "چائے رہنے دو تم ناشتا بناؤ، میں بھی ابھی آرہا ہوں، پھر ناشتا کر کے کہیں باہر چلیں گے۔"

"اماں سے پوچھ لیں۔"

"جناب! اب اماں سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ بڑے آرام سے اپنا حق جتاتے ہوئے اٹھ کر واش روم میں چلا گیا۔

☆

اور پھر وہ تین دن تو جیسے پلک جھپکتے میں گزرے تھے، صبح سے رات گئے تک وہ اسے جانے کہاں کہاں لئے پھرتا، اپنی پوری زندگی میں اس نے اتنا کچھ نہیں دیکھا تھا جتنا اس نے تین دن میں اسے دکھا ڈالا تھا۔ کلفٹن، پیراڈائز پوائنٹ، مختلف پارک فائیو سٹار ہوٹلز اور ڈھیروں شاپنگ کروادی۔ حقیقتاً ایک پل کو بھی اسے کسی اندیشے میں نہیں گھرنے دیا تھا بلکہ اسے تو یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی زندگی میں اب ہمیشہ یہی موسم رہے گا، خواہ کچھ بھی ہو جائے وہ اپنے راجہ کی ہو چکی ہے۔ بہرحال ان تین دنوں میں وہ صرف محبتوں کی کلیاں چنتی رہی تھی، اس کے ہونٹوں کی کھلکھلاتی ہوئی ہنسی انہی کلیوں کی مرہون منت تھی۔ اس وقت ناشتا بناتے ہوئے وہ دھیرے دھیرے گنگنا رہی تھی، تبھی وہ شور مچاتا ہوا آ گیا۔

"جلدی کرو بیوی! ایک تو اٹھنے میں دیر ہوگئی، اور ابھی تمہیں تیار بھی ہونا ہے۔"

"میاں کیا کرو، دیر آپ نے کی ہے، کب سے اٹھا رہی ہوں۔" وہ ناشتے کے لوازمات وہیں ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی۔

"اچھا بس اب تم دیر نہیں کرنا، جلدی سے ناشتا کرو اور۔"

اماں کے آنے سے اس کی بات ادھوری رہ گئی، پھر ان سے کہنے لگا۔

"آیئے اماں! ناشتا کریں۔"

"نہیں میاں! میں یہ بتانے آئی ہوں کہ وہ صاحب لوگ آگئے ہیں۔"

"کیا؟" وہ یوں بوکھلا کر اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا

جبکہ وہ کچھ گم صم سے ہو کر اسے دیکھے گئی جو ایسے ہی بوکھلائے ہوئے انداز میں اماں سے پوچھ رہا تھا۔

"کب آئے سب لوگ؟"

"میں نے ابھی ٹیکسی میں سے صاحب کو اترے دیکھا ہے۔"

اماں کے بتانے پر وہ مزید کچھ کہے بغیر فوراً کچن سے نکل گیا تو وہ بے حد خاموش نظروں سے اماں کو دیکھنے لگی۔

"تم اپنے کوارٹر میں جاؤ بیٹی! اور جب تک سیف نہ بلائے، اس طرف نہیں آنا۔"

اماں نظریں چراتے ہوئے بولیں اور اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی کچن سے نکل گئیں تو وہ بے اختیار ان کے پیچھے لپکی لیکن پھر کچھ سوچ کر رک گئی اور بوجھل قدموں سے اپنے کوارٹر کا رخ کر لیا۔

پھر سارا دن وہ انتظار کرتی رہ گئی، اس کا بلاوا نہیں آیا اور اماں پتا نہیں کن کاموں میں معروف تھیں۔ کم از کم انہیں اس کی کیفیت کا اندازہ تو ہوگا، پھر بھی دن میں کسی وقت آ کر جھانکا تک نہیں، اس کی پریشانی فطری تھی، کھانا پینا تو دور کی بات وہ کسی پل چین سے بیٹھ بھی نہیں سکی، ایک پیر کمرے میں تو دوسرا دروازے پر، کتنی بار سوچا خود سے چلی جائے لیکن جانے کیسے کیسے اندیشے راہ میں حائل ہوگئے اور اماں رات کے تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد ہی آئیں، اس وقت تک اس کا ضبط جواب دے چکا تھا، انہیں دیکھتے ہی لپک کر ان سے لپٹ گئی اور زاروقطار رونا شروع کر دیا۔

"ہائیں ہائیں!" اماں نے قصداً انجان بن کر ٹوکا، "روکیوں رہی ہو۔"

"خدا کے لئے اماں! اتنی۔ نر نہ بنیں، مجھے بتائیں، راجہ کہاں ہے، اس نے مجھے بلایا کیوں نہیں؟ میں سارا دن انتظار کرتی رہی۔" وہ روتے ہوئے روانی سے بولے گئی۔

"صبر سے بیٹا! پریشان کیوں ہوئی ہو، وہ کہیں دور تو نہیں گیا، اسی گھر میں ہے۔"

اماں نے اپنے دوپٹے سے اس کے آنسو صاف کئے پھر کندھوں سے تھام کر بٹھاتے ہوئے

پوچھنے لگیں۔

''تم نے کچھ کھایا بھی ہے یا نہیں؟''

''اماں! راجہ نے بیگم کو بتایا ہے کہ اس نے شادی کر لی ہے؟'' وہ ان کی بات سرے سے نظرانداز کر گئی۔

''اتنی جلدی کیسے بتا سکتا ہے، موقع دیکھ کر ہی بات کرے گا، چلو تم اٹھ کر منہ ہاتھ دھوؤ میں تمہارے لئے کھانا''

''نہیں اماں!'' وہ فوراً بولی ''مجھے بھوک نہیں ہے۔''

''بھوک کیسے نہیں ہے، صبح سے ایسے ہی بیٹھی ہو۔'' اماں اٹھنے لگی تھیں تبھی دروازے پر بہت ہلکی سی دستک سنائی دی، تو وہ چونک کر اسی قدر کہہ سکی۔

''اماں! یہ تو۔''

''میں دیکھتی ہوں'' اماں کمرے سے چلی گئیں اور وہ سانس روک کر سننے کی کوشش کرنے لگی جبکہ دھڑکنیں اس کی آمد کا پتا دے رہی تھیں، کچھ دیر بعد وہ اماں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا تو وہ بنا پلکیں جھپکائے اسے دیکھے گئی۔

''لو آ گیا تمہارا راجہ؟'' اماں نے ایک طرح سے اس کے ساکت وجود کو حرکت دینے کی کوشش کی، پھر اس سے کہنے لگیں۔ ''بیٹا! تم ہی اسے سمجھاؤ رو رو کر ہلکان ہو رہی ہے اور صبح سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں۔''

''یہ کیا حماقت ہے کلثوم! اس طرح کرو گی تو، اماں آپ کھانا لائیں۔''

وہ اماں کو بھیج کر اس کے پاس آ بیٹھا اور اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر بولا۔

''پگلی! اتنی جلدی گھبرا گئیں، ابھی تو جانے کتنے امتحانوں سے گزرنا ہے، مما سے بات کرنا، پھر انہیں منانا، یہ سب ایک دم سے تو نہیں ہو جائے گا۔''

''میں جانتی ہوں راجہ! پھر بھی مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' سارا دن جتنے اندیشوں نے اسے ستایا تھا وہ سب اس کے لہجے میں اتر آئے تھے۔

''کس بات سے!''

''اگر بیگم نے آپ کی بات نہ مانی بلکہ الٹا ہمیں ہی گھر سے نکال دیا تب؟''

''تب'' وہ فوراً جواب دینے کے بجائے پرسوچ انداز میں اسے دیکھے گیا، گویا اس کی بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔

''بتائیں ناں راجہ! ایسا ہو سکتا ہے ناں؟''

''ہاں!'' اس نے گہری سانس کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا پھر کہنے لگا۔ ''مما سے کچھ بعید نہیں، بہرحال وہ تمہیں گھر سے نکال سکتی ہیں، میرے دل سے نہیں اور تم فکر کیوں کرتی ہو، تم اب میری ذمہ داری ہو، مما کے گھر میں اگر ہمارے لئے جگہ نہیں ہوگی تو ہم کہیں اور گھر لے لیں گے۔ شادی کی ہے میں نے تم سے مذاق تو نہیں کیا۔''

''مذاق تو نہیں ہے لیکن مجھے خواب سا لگ رہا ہے۔'' اس کا لہجہ کھویا کھویا سا تھا، تبھی اماں کے آنے پر وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر اٹھتے ہوئے بولا۔

''کھانا کھا لو اور اب رو کر اماں کو پریشان نہیں کرنا، میں جلد مما سے بات کروں گا، سن رہی ہو ناں؟'' وہ کچھ نہیں بولی تب وہ دوبارہ آنے کا کہتے ہوئے چلا گیا۔

صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا، اب بھوک بھی لگ رہی تھی لیکن کھایا نہیں جا رہا تھا، اماں کا خیال کر کے چند نوالے حلق سے اتارے پھر پانی پی کر برتن رکھ آئی اور اماں کو لیٹتے دیکھ کر یونہی پوچھ لیا۔

''سو رہی ہیں اماں؟''

''ہاں، کوئی کام ہے کیا؟''

''نہیں۔'' وہ لائٹ آف کر کے اپنی جگہ پر آ کر لیٹی تو آپ ہی آپ آنکھوں کے پیمانے چھلک گئے، کل اس کی بانہوں کے حصار میں کیسی بے خبر تھی اور اب جانے کب نیند آئے۔

☆

یونہی دن گزرتے چلے گئے، وہ ہر رات جب سب سو جاتے تو کچھ دیر کے لئے اس کے پاس آ بیٹھتا اور کتنی عجیب بات تھی کہ خود دن کے اجالے میں اس کے پاس آنے سے ڈرتا تھا اور اندھیرے میں اسے حوصلہ دیتا تھا۔

''بس کچھ دن رک جاؤ، ابھی ٹھہر جاؤ ابھی مما کا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔''

وہ سنتے سنتے عاجز آ گئی تو اس روز اس سے الجھ پڑی۔

''راجہ! میں تو اپنی دنیا میں بہت مگن تھی مگر آپ نے چند دن نئی دنیا کی آشنائی دے کر مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا، میں خود کو بہت اذیت میں محسوس کرتی ہوں، آخر کب تک میں!'' اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

''خدا کے لئے کلثوم! رو نہیں، تمہارے آنسو [illegible] چین رکھتے ہیں۔'' وہ اس

کے آنسو رومال میں جذب کرتے ہوئے بولا۔

''رونا تو جیسے میرے مقدر میں لکھا ہے۔''

''اس وقت پوچھوں گا تم سے جب اسی آنگن میں تمہارے قہقہے گونجا کریں گے۔''

''پتا نہیں وہ وقت میری زندگی میں آئے گا بھی یا نہیں۔''

''کم آن یار! مایوسی کی باتیں مت کرو، اچھا دیکھو میں تمہارے لئے کیا لایا ہوں۔''

وہ اس کا دھیان بٹانے کی خاطر اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا، پھر اسے دیکھ کر ذرا سے کندھے اچکا کر بولا۔''شاید کمرے میں بھول آیا ہوں، ابھی لادوں؟''

''نہیں مجھے کچھ نہیں چاہئے'' وہ روٹھے ہوئے لہجے میں بولی۔

''ٹھیک ہے جب چاہئے ہو خود ہی آکر لے لینا۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تو وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

''آپ بہت سنگدل ہیں، پتا نہیں کون سے جنم کا بدلہ لے رہے ہیں مجھ سے۔''

''نادانی کی باتیں مت کرو کلثوم! میرا خیال تھا تم میرا ساتھ دو گی میری مجبوری کو سمجھو گی لیکن تم الٹا مجھے پریشان کررہی ہو۔'' اس کے بگڑنے پر وہ سناٹے میں آکر بولی۔

''میں پریشان کررہی ہوں؟''

''اور کیا، آخر تمہیں جلدی کس بات کی ہے، میں تم سے بہت دور تو نہیں چلا گیا، یہیں رہتا ہوں، روزانہ تمہارے پاس آتا ہوں، فی الحال اس کو بہت سمجھ لو'' قدرے توقف کے بعد کہنے لگا۔

''تم مما کو نہیں جانتیں، انہیں اپنے سٹیٹس کا بہت خیال اور بہت زعم ہے، ہمیشہ اپنے سے اونچے لوگوں کو دیکھتی ہیں۔ اگر مجھے ایک فیصد بھی ان کے مان جانے کا یقین ہوتا تو میں تم سے اس طرح شادی کیوں کرتا، پہلے انہیں مناتا لیکن مجھے پتا ہے وہ کبھی نہیں مانیں گی جس روز میری زبان پر تمہارا نام آیا تو وہ تمہارا حشر تو بعد میں خراب کریں گی پہلے مجھ سے پوچھیں گی کہ میں نے اتنی پستیوں میں اترنے کا سوچا کیسے؟''

''راجہ!'' انتہائی دُکھ تاسف سے وہ ڈھے گئی اور اس کی کیفیت سے بے خبر وہ اپنی کہے گیا۔

''اسی لئے میں نے تمہاری اماں کو پہلے بتا دیا تھا کہ ابتداء میں کچھ دشواریاں ہوں گی، مما کو منانے میں وقت لگے گا، اب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ میں تمہارا ہاتھ تھام کر ان کے سامنے جا

کھڑا ہوں اور کہوں کہ میں نے تم سے شادی کرلی ہے۔''

اس کا مقصد دامن بچانا یا چھڑانا نہیں تھا بلکہ حقیقت سمجھنے کی کوشش کررہا تھا لیکن اس میں مزید کچھ سننے کا حوصلہ نہیں تھا بمشکل خود کو سہارا دے کر کھڑی ہوئی اور اس کے متوجہ ہونے سے پہلے کمرے میں داخل ہوکر دروازہ بند کرلیا اور ہاتھوں میں چہرا چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''کلثوم!'' اس نے دروازے پر ہاتھ مار کر پکارا تو وہ آواز دبا کر چیخی۔

''چلے جاؤ راجہ! مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی۔'' پھر بھاگ کر اماں کے اوپر آن گری تو وہ نیند میں سے بڑبڑا کر اٹھیں اور اسے روتے دیکھ کر پریشان ہوگئیں۔

''کیا ہوا ہے۔؟'' اور وہ اسی شدت سے روتے ہوئے مچل کر بولی۔

''میں یہاں نہیں رہوں گی اماں! بس مجھے اپنے گھر لے چلیں۔''

''اب تو یہی تمہارا گھر ہے۔'' اماں نے اس کے چہرے پر آئے بالوں کو ہٹاتے ہوئے کہا تو وہ چیخ پڑی۔

''مت بہلائیں مجھے، یہ کبھی میرا گھر نہیں ہوسکتا۔''

''صبر سے بیٹا''

''ساری زندگی صبر شکر کرتی رہیں آپ، کیا ملا آپ کو مجھے بھی کچھ نہیں ملے گا اور اس سے پہلے کہ یہاں سے دھکے دے کر نکالے جائیں، اپنے گھر چلیں۔''

وہ یوں کھڑی ہوئی جیسے اسی وقت جانے کو تیار ہو اور اماں سٹپٹا گئیں۔

''پتا تو چلے، بات کیا ہوئی، سیف نے کچھ کہا ہے؟'' اماں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ بٹھایا تو وہ ان کی گود میں سر رکھ کر اور شدت سے رونے لگی، ساتھ ہی ایک جملے کی تکرار کئے جارہی تھی۔

''بس اماں! یہاں سے چلیں، یہاں میں مرجاؤں گی۔''

اماں آہستہ آہستہ اس کا سر تھپکنے لگیں، کتنی دیر بعد جب اس کی سسکیاں تھم گئیں تب اس کا دل رکھنے کی خاطر بولیں۔

''چلیں گے بیٹا! میں سیف سے بات کرلوں۔''

''اس سے کیا بات کریں گی۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔''بات کیا کرنی ہے، بس اسے بتا دوں گی کہ ہم جارہے ہیں۔''

"کوئی ضرورت نہیں اسے بتانے کی، بس ہم صبح ہی چلے جائیں گے۔"

اس نے کبھی اماں سے اس طرح ضد نہیں کی تھی، جب ہی وہ حیران ہوئیں، پھر نرمی سے بولیں۔

صبح کیسے جاسکتے ہیں، آگے گھر خالی تھوڑی پڑا ہے۔"

"میں یہ سب نہیں جانتی۔"

وہ کہتے ہوئے اپنی جگہ پر آکر لیٹ گئی تو اماں نے سوچا وقتی غصہ ہے، صبح تک ٹھیک ہوجائے گی لیکن زندگی میں پہلی بار وہ خود سے کوئی فیصلہ کر کے اس پر اٹل ہو چکی تھی جبھی صبح آنکھ کھلنے پر اماں کو موجود نہیں پایا تو اسی وقت ان کے پیچھے چلی آئی۔"چھوڑ دیں اماں آپ، میں کر لوں گی سب، بس آپ جاکر اپنا گھر خالی کرائیں۔"

"پاگل ہوئی ہو کیا؟" اماں کو بھی غصہ آ گیا۔

"آپ چاہتی ہیں، میں پاگل ہو جاؤں، لوگ پتھر ماریں مجھے تو یہاں رہ کر یہ بہت جلد ممکن ہے۔"

وہ جتنے سے اکھڑی کچھ سننے کی روادار نظر نہیں آرہی تھی مجبوراً اماں کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔

"اچھا دیکھو، تم جاکر آرام کرو، میں کام سے فارغ ہو کر چلی جاؤں گی۔"

"نہیں، اب آپ کوئی کام نہیں کریں گی۔"

اس نے اماں کو کندھوں سے تھام کر چولہے کے پاس سے ہٹایا تھا کہ بیگم آئیں، پہلے اماں کو ناشتا جلدی بنانے کو کہا پھر اسے دیکھ کر بولیں۔

"تم کہاں ہوتی ہو کلثوم؟ نظر نہیں آتیں اور یہ تم اتنی کمزور کیوں ہو رہی ہو؟"

"بس بیگم! اس کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی" اس سے پہلے اماں بول پڑیں۔

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو ڈاکٹر کو دکھاؤ، اپنے آپ تو ٹھیک نہیں ہو جائے گی۔"

بیگم نخوت بھرے انداز میں کہتے ہوئے چلی گئیں، تو وہ اماں کو کچن سے بھیج کر خود ناشتا بنانے میں لگ گئی۔

ایک تو پہلے ہی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، دوسرے چولہے کے پاس کھڑے رہنے سے اس کا سینہ جلنے اور سر چکرانے لگا، جلدی کرنے کی کوشش میں دیر ہو گئی، سب ٹیبل پر پہنچ گئے اور بیگم نے وہیں سے پکارنا شروع کر دیا تو وہ جو کچھ تیار تھا، ٹرے میں رکھ کر ڈائننگ روم میں آئی تو وہ اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا اور شاید اس بندھن کا اعجاز تھا کہ اتنی احتیاطوں کے باوجود اس

سے ایک غیر اختیاری حرکت سرزد ہو گئی کہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے ہاتھوں سے ٹرے تھام لی اور وہ فوراً ہی واپس پلٹ گئی جبکہ وہ احساس ہونے پر مزید بوکھلا گیا اور بیگم کے ٹوکنے سے پہلے جھنجلا کر بولا۔

"مما مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

"دیر ہو رہی ہے۔" بیگم نے کڑے تیوروں سے اسے گھورا تبھی وہ چائے لے کر آگئی تو بیگم کی چبھتی ہوئی نظریں اس پر جا ٹھہریں اور انتہائی ناگواری سے پوچھا۔

"تمہاری ماں کہاں ہے؟" وہ جواب دینا چاہتی تھی لیکن سر بہت زور سے چکرایا اور آنکھوں کے سامنے دھند چھا گئی، جلدی سے چائے ٹیبل پر رکھ کر اس نے ایک ہاتھ سے کرسی کا سہارا لیا اور دوسرے ہاتھ سے سر تھام کر آہستہ آہستہ جھٹکنے لگی، تو رُشنا نے ہمدردی سے پوچھا۔

"کیا ہوا کلثوم، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" وہ کچھ نہیں بولی، تب رُشنا، بیگم سے کہنے لگی،"مما! یہ ٹھیک نہیں لگ رہی۔"

"تم جاؤ کلثوم! اور اپنی ماں کو بھیجو۔"

بیگم حکم صادر کر کے ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئیں تو اس نے بے حد خاموش نظروں سے اسے دیکھا اور وہ جیسے اس کے دیکھنے کا منتظر تھا فوراً اسے وہاں سے جانے کا اشارہ کرنے لگا۔

"بزدل!" وہ اس قدر متنفر ہوئی کہ زہر خند سے بڑبڑائی اور سر جھٹک کر وہاں سے چلی آئی۔

☆

اس کی ضد سے مجبور ہو کر اماں کرائے داروں کو گھر خالی کرنے کا کہہ تو آئی تھیں لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیسے وہاں رہیں گی، پھر وہی حالات لوگوں کی باتیں اور اب تو اور زیادہ باتیں ہو سکتی تھیں کیونکہ وہ ماں بننے والی تھی، گوکہ درمیان میں ان کا دو ایک بار جانا ہوا تھا تو انہوں نے آس پڑوس میں یہ کہہ دیا تھا کہ انہوں نے بیٹی کو اپنے جیٹھ کے ہاں بیاہ دیا ہے، پھر بھی سو اندیشے گھیر رہے تھے، اپنے طور پر انہوں نے سیف سے بات کی اسے یہ بھی بتایا کہ وہ ماں بننے والی ہے تو وہ بجائے خوش ہونے کے بدحواس ہو گیا تھا۔

"یہ کیسے ممکن ہے، میرا مطلب ہے ایسا نہیں ہونا چاہئے۔"

"بیٹا! شادی کے بعد تو یہی سب ہوتا ہے، تم کہاں تک چھپاؤ گے، اب تمہیں اپنی ماں سے بات کرلینی چاہئے۔"

انہوں نے نرمی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ مجھے سے اکھڑ گیا تھا، صاف کہہ دیا تھا کہ فی الحال مما سے بات کرنا ممکن نہیں ہے اور اگر انہوں نے بھی ایسی کوئی کوشش کی تو وہ مما کے سامنے صاف مکر جائے گا اور اس وقت انتہائی دکھ کے عالم میں انہوں نے سوچا تھا کہ وہ بالکل خاموشی اختیار کرلیں اور اس وقت تک یہاں سے نہ جائیں جب تک بچہ اس دنیا میں آکر اپنی پہچان نہ کرالے لیکن بعد میں انہوں نے خود ہی اپنی سوچ کی نفی کردی۔ شاید انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ ہرصورت انہیں یہاں سے دھکے ہی ملیں گے اور اب ان کا اپنا یہاں رہنے کو دل نہیں چاہتا تھا لیکن جب تک اپنا گھر خالی نہ ہو جاتا مجبوری تھی۔

اسے دیکھ کر کڑھتی رہتیں اور گو کہ سیف نے انہیں ایک طرح سے مایوس ہی کر دیا تھا، پھر بھی اسے اچھے دنوں کی آس دلاتیں لیکن وہ اب بہلنے والی نہیں تھی، اس روز انہی کی بات لوٹاتے ہوئے کہنے لگیں۔

''اماں! آپ ہی نے تو کہا تھا کہ سب لوگ ایک جیسے ہوتے ہیں، فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ جاہل لوگوں کو اپنی عزتوں کا خیال بھی نہیں ہوتا جبکہ بڑے لوگ اپنا دامن بچا جاتے ہیں پھر بھی اماں آپ دھوکہ کھا گئیں۔''

''قسمت ہی خراب ہے'' اماں نے سرد آہ کھینچی تو وہ تڑخ کر بولی۔

''قسمت کو الزام نہ دیں اماں! میری قسمت میں سیف کی بیوی بننا لکھا تھا اور اس لکھے کو کوئی نہیں ٹال سکتا تھا، بیگم بھی نہیں، خرابی تو جلد بازی نے پیدا کی یا نادانی نے۔''

''ٹھیک کہتی ہو، غلطی میری ہے جو میں نے سیف کا اعتبار کرلیا، بھول گئی تھی کہ وہ بھی اسی باپ کا بیٹا ہے جو اپنی ماں پر ہونے والی زیادتیوں کے خلاف زبان نہیں کھول سکا تھا اور جو اپنی سگی بھتیجی کے سر پر ہاتھ نہیں رکھ سکا، بھلا اس کا بیٹا کہاں سے اتنی ہمت لائے گا۔''

''ہمت تو اب میں دکھاؤں گی اماں!'' وہ فوراً بول پڑی۔

''جانے سے پہلے ایک بار سیف کے گریبان میں ہاتھ ضرور ڈالوں گی۔''

''ہائیں'' اماں اس کے خطرناک ارادے جان کر دہل کر اٹھ بیٹھیں۔ ''کیا کہہ رہی ہو تم؟''

''ٹھیک کہہ رہی ہوں اور آپ مجھے نہیں روکیں گی۔'' وہ اپنی بات کہہ کر اماں کے پاس سے ہٹ گئی۔

پھر اماں نے اس کی منتیں کر ڈالیں کہ ابھی وہ صبر سے کام لے، یہاں سے جانے کے

بعد کسی دن وہ خود آکر صاحب سے بات کریں گی، انہیں بتائیں گی کہ سیف اس سے شادی کرچکا ہے، ساتھ ہی اسے یقین دلاتیں کہ اس معاملے میں صاحب ہرگز خاموش نہیں رہ سکیں گے، اگر بیگم کو رام نہ کرسکے، تب بھی کوئی دوسرا راستہ ضرور نکالیں گے اور وہ خاموشی سے اماں کی تسلیاں سنتی رہی، ان پر یہی ظاہر کیا کہ ان سے متفق ہوگئی ہے لیکن اپنے طور پر جو سوچ چکی تھی، اس پر عمل کرنے کا پورا ارادہ رکھتی تھی۔

اس روز چھٹی کے باعث سب گھر پر تھے اور خصوصاً ایسے دنوں میں تو وہ کوٹھی کی طرف جاتی بھی نہیں تھی لیکن اس وقت ایسی گھبراہٹ ہورہی تھی، غالباً ذہنی انتشار کے باعث کہ وہ کچھ دیر کے لئے رُشنا کے پاس چلی آئی، اس گھر میں ایک وہی تھی جو اس سے ٹھیک طرح سے بات کرلیتی تھی۔

''کیا بات ہے، تم اتنی بے زار کیوں رہنے لگی ہو؟'' اس وقت اس کے تھکے تھکے لہجے کو محسوس کرتے ہوئے رُشنا نے پوچھ لیا۔

''پتا نہیں، میں ایسی کیوں ہوگئی ہوں، میرا کسی بات میں دل نہیں لگتا۔'' وہ اپنی کیفیت جانتی تھی اور نہیں بھی اصل میں سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اپنی بےزاری کو کس سے منسوب کرے۔

''اسی لئے کہتی ہوں کچھ کرلو، اپنی زندگی بنالو'' رُشنا کوئی موقع نہیں جانے دیتی تھی اور وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

''ہاں، اب تو واقعی کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا، زندگی بنانے کے لئے نہیں تو گزارنے کے لئے تو کرنا ہی ہے۔''

''بیوقوف پہلے بناؤ، پھر گزارو اپنی مرضی سے''

''اپنی مرضی سے'' وہ دکھ سے ذرا سا ہنسی۔

''ایسی باتیں تو آپ ہی لوگ سوچ سکتے ہیں بی بی۔''

''تم کیوں نہیں سوچ سکتیں'' رُشنا کی جرح سے وہ اکتا کر بولی۔

''چھوڑیں بی بی! کوئی اور بات کریں؟'' پھر خود ہی موضوع بدلتے ہوئے کہنے لگی۔

''آپ اپنے گھر والوں سے بہت مختلف ہیں، یہاں سے جانے کے بعد مجھے آپ سب سے زیادہ یاد آئیں گی۔''

''کیا مطلب؟ کہاں جارہی ہو تم؟''

''اپنے گھر۔''

''اپنے گھر؟'' رُشنا نے چونک کر اسے دیکھا، پھر سمجھ کر خوشدلی سے بولی۔''اچھا اچھا میں سمجھ گئی یعنی بوا تمہاری شادی کر رہی ہیں۔''

''جی'' وہ قدرے سٹپٹائی پھر سنبھل کر بولی۔''نہیں اماں اور میں یہاں سے جا رہے ہیں۔''

''کیوں، کیا مما نے۔''

''نہیں، بیگم نے جانے کے لئے نہیں کہا بس ہم خود ہی جا رہے ہیں۔'' وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑی۔

''اچھا، لیکن سنو میری شادی کے بعد جانا۔'' رُشنا نے مروتاً اسے اپنی شادی تک رکنے کے لئے کہا تو وہ اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

''آپ کی شادی ہو رہی ہے؟ کب؟''

''بس آج کل میں سیف بھائی کی شادی کی بات پکی ہو جائے گی، اس کے بعد شادی کی تاریخ طے ہو جائے گی، میرا مطلب ہے دونوں کی ساتھ۔''

رُشنا نے جیسے دھماکہ کر دیا، وہ گم صم اسے دیکھے گئی۔

''ٹھیک ہے ناں؟'' اس کی کیفیت سے بے خبر رُشنا اپنی کہہ رہی تھی۔''کوئی زیادہ دور کی بات نہیں ہے، میرے خیال میں اگلے مہینے کی کوئی تاریخ مقرر ہو جائے گی کیونکہ میرے سسرال والے بہت جلدی مچا رہے ہیں۔''

''اور سیف، میرا مطلب ہے چھوٹے صاحب کی کہاں'' اسے اپنی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہوئی۔

''مما کے جاننے والے ہیں، ان کی بیٹی شائلہ میرے ساتھ پڑھتی تھی، بہت خوبصورت ہے اور بہت امیر بھی۔''

آخری بات پر رُشنا خود ہی ہنسی اور اسے لگا جیسے ہر شے اس پر ہنسنے لگی ہو، بے اختیار دونوں ہاتھوں سے اپنے کان بند کر لئے اور اندر اٹھتے جوار بھاٹے کو بمشکل دبا کر بولی۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔''

''کیا، کیا کیسے ہو سکتا ہے؟'' رُشنا بالکل نہیں سمجھی، پھر اس کے زرد پڑتے چہرے کو دیکھ کر تشویش سے بولی۔'' کیا ہوا کلثوم، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟ آؤ یہاں لیٹ جاؤ۔''

''نہیں،''

وہ ایک جھٹکے سے کھڑی ہو گئی اور اس سے پہلے کہ رُشنا کچھ سمجھتی وہ اس کے کمرے سے نکل آئی، اس کے اندر محشر برپا ہو چکا تھا اور وہ کسی طرح خود پر قابو نہیں رکھ پا رہی تھی، اماں کو ڈھونڈتے ہوئے پہلے کچن پھر کوارٹر میں آئی، وہ وہاں بھی نہیں تھیں اور اسے فوری سہارا چاہئے تھا۔

الٹے پیروں واپس آئی اور بیگم کے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ سیڑھیاں اترتے سیف کو دیکھ کر بلا ارادہ وہیں رک گئی اور وہ جانے کس موڈ میں تھا، پہلے آس پاس نظریں دوڑائیں اور کسی کو موجود نہ پا کر اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تو وہ جو بلا ارادہ رکی تھی، اس کے مسکرانے پر بری طرح سلگ کر جم کر کھڑی ہو گئی اور اس کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگی، جیسے ہی اس نے آخری سیڑھی پر پاؤں رکھا وہ اس پر جھپٹ پڑی۔

''راجہ! تم مجھے اتنا بڑا دھوکا نہیں دے سکتے، کیا سمجھا تھا تم نے مجھے کہ بہت خاموشی سے تمہاری زندگی سے نکل جاؤں گی، اس کے بعد تم آزاد ہو گے۔''

''یہ کیا بے ہودگی ہے، چھوڑو مجھے، تم پاگل تو نہیں ہو گئیں؟'' وہ بری طرح بوکھلا کر اس کے ہاتھوں سے اپنا گریبان چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ ساتھ ساتھ ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ کوئی آ نہ جائے اور وہ واقعی پاگل ہو رہی تھی، ہذیانی انداز میں چیخنے لگی۔

''ہاں، میں پاگل ہو گئی ہوں، لیکن میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔''

اس کے چیخنے پر بیگم اور صاحب اپنے کمرے سے نکل آئے، ادھر سے رُشنا، روبی اور اماں ڈرائنگ روم سے گھبرا کر نکلیں تو لیکن سامنے کا منظر دیکھ کر ٹھٹک کر وہیں رک گئیں۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' بیگم نے چلا کر اسے خبردار کیا، لیکن وہ انہی کے انداز میں چیخ کر بولی۔

''آپ خاموش رہیں بیگم! یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔''

''کیا؟'' بیگم ایک دم آپے سے باہر ہو گئیں۔''کیا معاملہ ہے تم بتاؤ سیف! یہ دو ٹکے کی چھوکری تمہارے مقابلے کیسے آ گئی۔؟''

''یہ بزدل کیا بتائے گا، مجھ سے پوچھیں۔'' وہ زور سے اسے دھکا دے کر بیگم کے مقابل آ کھڑی ہوئی اور سینے پر ہاتھ مار کر بولی۔''اس دو ٹکے کی چھوکری سے آپ کا بیٹا شادی کر چکا ہے، میں ماں بننے والی ہوں اس کے بچے کی، پوچھ لیں اس سے۔''

''شٹ اپ'' بیگم نے اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔'' میں تم جیسی آوارہ لڑکیوں کو بہت

اچھی طرح جانتی ہوں، جانے کس کا گناہ ۔لئے پھرتی ہو۔؟"

"اگر یہ گناہ ہے تو بھی آپ کے بیٹے کا ہے۔" وہ اپنے گال پر ہاتھ رکھ کر رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"خبردار! زبان کھینچ لوں گی تمہاری، اگر دوبارہ میرے بیٹے کا نام لیا، کوئی معیار ہے اس کا، گناہ بھی کرے گا تو"

"بیگم!" صاحب نے پہلی بار لب کشائی کی، دبے دبے لہجے میں ٹوکتے ہوئے بولے" کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں" بیگم نے تفخر سے گردن اکڑائی" اتنے بڑے بڑے گھروں کی لڑکیاں سیف کے آگے پیچھے پھرتی ہیں، ان کی طرف تو کبھی دیکھا نہیں اس نے، اس نوکرانی کو لفٹ کرائے گا ہونہہ۔"

"میں جھوٹ نہیں بول رہی بیگم! آپ سیف سے تو پوچھیں۔"

اس نے پلٹ کر اسے مدد کے لئے بلانا چاہا لیکن وہ بزدل غائب ہو چکا تھا، تب وہ ہاتھوں میں چہرا چھپا کر رو پڑی۔

"دیکھا اس کی مکاری، میں ابھی اسے پولیس کے حوالے کردوں گی، کہاں ہے اس کی ماں؟"

اس کے رونے کا بیگم پر الٹا اثر ہوا، یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ وہ وہاں سے کیوں غائب ہوگیا ہے، اس پر چلاتے ہوئے اس کی ماں کو آوازیں دیں تو اماں دھیرے دھیرے آگے بڑھ کر آئیں اور مری ہوئی آواز میں بولیں۔

"یہ ٹھیک کہہ رہی ہے بیگم! سیف میاں نے۔"

"بس بڑی بی، اس سے آگے ایک لفظ نہیں کہنا۔" بیگم نے فوراً ٹوک دیا، پھر دھمکی آمیز لہجے میں کہنے لگیں۔" اگر سلامتی چاہتی ہو تو اسی وقت بیٹی کو لے کر میری نظروں سے دور ہو جاؤ ورنہ"

"ورنہ" اس نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑیں اور بیگم کو دیکھا، پھر زہرخند لہجے میں بولی۔

"میں تو جا رہی ہوں بیگم! لیکن مت بھولیے گا کہ آپ بھی بیٹیاں رکھتی ہیں۔"

"تم نیچ ذات!" بیگم اس پر جھپٹنا چاہتی تھیں لیکن اس سے پہلے ہی صاحب نے ان کے کندھوں کو مضبوطی سے تھام لیا اور وہ چیخ کر بولی۔

"یہ گالی آپ نے مجھے نہیں دی اپنی اولاد کو دی ہے۔"

"کلثوم" اماں نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا، غالباً سمجھ گئی تھیں کہ وہ مزید بچ اگلنے والی ہے اور صاحب بھی سمجھ کر اماں کو اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

"جاؤ بوا! لے جاؤ اسے" اس نے تاسف سے اس شخص کو دیکھا جو بڑا آدمی بننے کے شوق میں رشتوں کی پہچان کو کھو بیٹھا تھا، پھر بھی بڑا بن نہیں سکا تھا۔

☆

وہی گھر تھا جس کے در و دیوار ابا میاں کے رخصت ہوتے ہی کمزور پڑ گئے تھے، ابھی بھی ان میں اتنا دم خم نہیں تھا لیکن اب وہ مضبوط ہو چکی تھی یا شاید پہلے جس بات کا خوف تھا، وہ اب نہیں رہا تھا، کس طرح اماں اسے چھپا چھپا کر رکھتی تھیں، اس نے آتے ہی خود ہی اپنے سر سے چادر کھینچ لی۔

"مجھے زندہ رہنا ہے اماں! اور اب میں گھٹ گھٹ کر ڈر ڈر کر نہیں جیوں گی۔" اماں نے ایک پل کو حیران ہو کر اسے دیکھا، پھر اپنا برقع سنبھالتے اندر چلی گئی تھیں۔

اس رات کھانا کھاتے ہی اماں اپنے بستر میں جا گھسیں اور وہ آرام سے کام میں لگ گئی جو سامان سٹور میں بند کیا تھا اسے نکال نکال کر دوبارہ اسی ترتیب سے رکھنے لگی، ایک بار اماں نے سرسری انداز میں ٹوکا کہ صبح کر لیں گے، پھر انہوں نے بالکل ہی خاموشی اختیار کر لی، وہ یہی سمجھی سوگئی ہیں لیکن کتنی دیر بعد جب فارغ ہو کر آئی تو انہیں جاگتے دیکھ کر حیران ہوگئی۔

"میں تو سمجھی آپ سوگئیں۔"

"نیند کہاں آتی ہے۔" اماں نے گہری آہ کھینچی پھر ایک نظر اس پر ڈال کر کہنے لگیں۔

"تم بھی کیا سوچتی ہوگی، میں نے تمہیں کس اندھے کوئیں میں دھکیل دیا۔"

"نہیں، میں ایسا کچھ نہیں سوچتی" اس نے قصداً بے زاری کا مظاہرہ کیا اور تکیہ سیدھا کر کے لیٹ گئی، تو قدرے توقف سے اماں غالباً اپنی صفائی پیش کرنے لگیں۔

"خدا گواہ ہے، میں نے ایسا نہیں سوچا تھا جتنی میری اوقات تھی، اس حساب سے صاحب سے کہا تھا کہ رشتہ دیکھ کر تمہارے ہاتھ پیلے کر دیں۔ مجھے کیا معلوم تھا، بیچ میں یوں سیف میاں آجائیں گے اور مجھ بدنصیب کو اگر ذرا بھی عقل ہوتی تو اپنی بات پر اڑ جاتی کہ پہلے اپنے ماں باپ کو مناؤ لیکن مجھے اس کی منتوں نے عاجز کر ڈالا تھا، پھر میں نے سوچا کوئی غیر تو ہے نہیں، اپنا ہی بچہ ہے۔ کچھ بھی ہو جائے تمہیں گھر سے تو نہیں نکالے گا، مجھ بوڑھی کا کیا بھروسا اور

میرے بعد لے دے کے وہی تمہارے اپنے رہ جاتے ہیں لیکن ہائے ری قسمت جب اپنے ملتے ہیں دکھوں میں اضافہ ہی کر جاتے ہیں۔''

بس کریں اماں! میں نے اپنا معاملہ خدا پر چھوڑ دیا ہے اور وہ اتنا بے انصاف نہیں ہے کہ مجھے کانٹوں پر گھسیٹنے والوں پر ہمیشہ ابرِ رحمت برساتا رہے۔'' وہ کہتے ہوئے کروٹ بدل گئی۔

پھر اگلے روز سے ہی اماں نے مشین سنبھال لی، قریبی کارخانے سے خود جا کر سلائی کا مال لے آتیں، وہ پہلے گھر کا کام نمٹاتی پھر زبردستی اماں کو ہٹا کر ان کی جگہ بیٹھ جاتی، آس پڑوس کی خواتین خاص طور سے یہ جاننے کے لئے آتی تھیں کہ وہ دوبارہ یہاں کیوں آگئی ہیں جبکہ اس کی شادی ہو چکی تھی اور اماں سب کو یہی بتا رہی تھیں کہ اس کا میاں باہر چلا گیا ہے، ساس کا سلوک اچھا نہیں تھا اس لئے اسے اپنے ساتھ لے آئی ہوں اور بظاہر تو خواتین اس سے ہمدردی جتاتیں، صبر سے رہنے کو کہتیں لیکن اپنے گھروں میں جا کر جانے کیسی کیسی باتیں کرتی تھیں کہ چند دنوں بعد ہی دوبارہ سے سامنے کی بیٹھک سجنے لگی، اونچی آواز میں گانے، فحش کلامی اور اب وہ کیوں ڈرتی، پہلے روز ہی دروازہ کھول کر کھڑی ہوگئی۔

''کیوں بھیا! تمہارے گھر میں ماں بہنیں نہیں، جا کر انہیں سناؤ یہ گانے، بہت خوش ہوں گی۔''

''کلثوم!'' اماں نے اسے بالوں سے پکڑ کر اندر گھسیٹ لیا، اور دروازہ بند کرتے ہوئے بولیں، ''خوب نام روشن کر رہی ہو باپ کا۔''

''باپ کا نہیں سسر کا۔'' وہ بے حد تلخی سے گویا ہوئی۔ میں اب صرف آپ کی بیٹی نہیں ہوں۔ اماں! سیٹھ نصیرالدین کی بہو بھی ہوں، بڑا زعم ہے، ان کی بیگم کو اپنے سٹیٹس کا اور ان کا بیٹا کبھی پستیوں میں اترنے کا سوچ بھی نہیں سکتا، ہونہہ۔ اسی بیٹے کی اولاد انہی پستیوں میں جنم لے گی اور یہیں پروان چڑھے گی، میں دیکھتی ہو، کب تک اس حقیقت سے انکار کریں گی، وہ اور ان کا بزدل بیٹا۔''

''تو اپنے ہوش میں نہیں ہے بیٹی۔''

''ہوش تو اس نے بھلائے تھے اماں! اب تو سچ مچ ہوش میں آئی ہوں۔'' اماں کا بدحواس چہرا دیکھ کر وہ ہنس پڑی۔

☆

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے، اماں کے سامنے وہ خود کو نارمل پوز کرتی تھی لیکن

اس کے اندر جو زخم لگا تھا اس سے ہر پل ٹیسیں اٹھتی محسوس ہوتی تھیں اور وہ کسی طرح سیف کو معاف کرنے پر تیار نہیں تھی، کسی کسی وقت اس کے سنگ گزرے کسی خوبصورت لمحے کا خیال آتا بھی تو وہ فوراً سر جھٹک دیتی، وہ ہرگز اسے سوچنا نہیں چاہتی تھی جو محبتوں کا فریب دے کر اس کی زندگی سے کھیل گیا تھا اور ایسا تو یہ تھا کہ وہ اسے خواب سمجھ کر بھلا بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کی نشانی اپنے وجود میں لئے پھرتی تھی اور جس روز اس نے بیٹے کو جنم دیا اس روز وہ کسی طرح اس کے خیال سے پیچھا نہیں چھڑا سکی۔ شاید اس لئے کہ بچہ سارے نقش باپ کے چرا لایا تھا، وہ جب اس پر نظر ڈالتی اس ستم گر کا خیال آتا، شام سے پہلے وہ جانے کس آس میں گھر کر اماں سے کہنے لگی۔

''اماں! رابعہ کو معلوم تو ہو کہ اس کا بیٹا ہوا ہے۔'' اماں نے چونک کر اسے دیکھا، پھر پرسوچ انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولیں۔

''ہاں، معلوم تو ہو اسے، شاید اسی بہانے ہی لیکن کون بتائے اسے۔''

''آپ چلی جائیں ناں۔''

''میں''

''ہاں اماں! اور کون ہے؟''

اور اماں تو یہی چاہتی تھیں کہ کسی طرح وہ اپنے گھر میں بس جائے، اس کی خاطر وہ جیٹھ جٹھانی کے ساتھ ہاتھ جوڑنے کو التجا بھی کر سکتی تھیں اور دو ایک بار انہوں نے اس سے کہا بھی تھا کہ اب ان کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا ہوگا لہٰذا وہ جا کر انہیں صحیح صورتحال بتائیں گی لیکن وہ نہیں مانی تھیں اور اب وہ خود جانے کو کہہ رہی تھی تو انہوں نے زیادہ پس و پیش نہیں کی اسی وقت پڑوس میں سے زاہدہ کو بلا کر اس کے پاس بٹھایا اور برقعہ سنبھالتے ہوئے نکل گئیں۔

''کہاں جا رہی ہیں تمہاری اماں؟'' زاہدہ انہیں اتنی عجلت میں نکلتے دیکھ کر اس سے پوچھنے لگی۔

''میرے سسرال، دادا، دادی کو پوتے کی خوشخبری سنانے گئی ہیں۔'' اس کے لہجے میں چھپے طنز کو زیادہ کیا محسوس کرتی، الٹا تجسس سی ہو کر بولی۔

''پھر تو تمہارے ساس سسر ابھی بھاگے آئیں گے۔''

''نہیں، وہ کچھ دوسرے قسم کے لوگ ہیں، رشتے ناطے ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔''

''پھر تو تمہیں انہیں اطلاع بھی نہیں بھجوانی چاہیے تھی۔''

''میں نے اپنا فرض سمجھا، آگے ان کی مرضی، خوش ہوں یا ناخوش مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔''

وہ بہت سوچ کر جواب دے رہی تھی کیونکہ اماں نے جو کہانی سنائی تھی، وہ بھی اس سے متفق تھی کہ اس کا میاں باہر گیا ہوا ہے، ساس سسر کا سلوک ٹھیک نہیں وغیرہ وغیرہ۔

''تمہارا میاں تو خوش ہوگا ناں؟''

ہاں، ہاں وہ کیوں نہیں خوش ہوگا، میں ذرا چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤں پھر اسے خط لکھوں گی۔'' وہ نظریں چرا کر بولی۔

اور گردن موڑ کر بچے کو دیکھنے لگی تو دھیان آپ ہی آپ اس کی گھر کی طرف چلا گیا۔

''جانے اماں کے ساتھ وہ لوگ کیا سلوک کریں گے۔'' اس نے سوچا پھر فوراً سر جھٹک کر زاہدہ کو دیکھ کر بولی۔

''پتا نہیں اماں نے میرے لئے کچھ پکایا بھی ہے یا نہیں، مجھے بھوک لگ رہی ہے۔''

''میں دیکھتی ہوں۔''

زاہدہ اٹھ کر کچن میں چلی گئی، تھوڑی دیر بعد اس کے لئے حلوہ گرم کر کے لے آئی تو وہ تکیے کے سہارے ذرا سی اونچی ہوگئی، پھر اس نے اپنا دھیان بٹانے کی خاطر زاہدہ سے ادھر ادھر کی باتیں چھیڑ دیں۔ درمیان میں ایک لمحہ کیلئے بھی خاموشی چھائی تو وہ فوراً دروازے کی طرف دیکھنے لگتی۔ لاشعوری طور پر شدت سے اماں کی منتظر تھی اور شاید دل خوش فہم کو کچھ امید تھی کہ اس کے لئے نہ سہی بچے کی خاطر ہی شاید وہ خود میں اتنی جرأت پیدا کرے کہ سونے چاندی کی دیواروں کو ٹھوکر مارتا ہوا چلا آئے۔

جب شام ڈھل چلی تھی، تب اماں واپس آئیں اور گو کہ ان کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ بہت کچھ سمجھ گئی، پھر بھی کتنی دیر تک ان کے پیچھے دیکھتی رہی۔

''کیا ہوا خالہ! اس کی ساس، آئیں نہیں؟'' زاہدہ نے اماں سے پوچھا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

''نہیں۔'' اماں مختصر جواب دے کر برقعہ تہہ کرتے ہوئے سٹور میں چلی گئی، پھر واپس آ کر اس سے پوچھنے لگیں۔

''تم نے کچھ کھایا؟'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا، پھر اماں محض زاہدہ کو سنانے کی

خاطر کہنے لگیں۔

بتا آئی ہوں تمہارے ساس سسر کو، پوتے کا سن کر خوش تو ہوئے لیکن آنے کا کچھ نہیں بولا۔''

اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا بظاہر اکتا کر بولی۔

''مرضی ان کی، آئیں نہ آئیں۔'' پھر زاہدہ کے جاتے ہی وہ اماں سے پوری تفصیل سننے کو بے تاب ہوگئی، جیسے ہی اماں باہر کا دروازہ بند کر کے واپس اندر آئیں تو اس نے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

''کیا ہوا اماں؟ رابعہ سے ملاقات ہوئی کیا کہا اس نے، اور بیگم؟''

''بس کر بیٹی! مت نام لے ان کا، اگر ان میں ذرا سی بھی انسانیت ہوتی تو پہلے تیرے سر پر ہاتھ رکھتے۔''

اس کی بے تابی سمجھتے ہوئے اماں کا دل دکھ سے بھر گیا، رندھی ہوئی آواز میں ٹوک کر کہنے لگیں اب تو بس یہی کہوں گی کہ بھول جاؤ سب کیونکہ سیف کی شادی ہو چکی ہے، بہو بیگم سارے میں اٹھلاتی پھر رہی تھیں۔''

''اماں!'' ہونٹوں کی بے آواز جنبش کے ساتھ وہ سناٹوں میں چلی گئی اور اماں روتے ہوئے بتانے لگیں۔

''مجھے دیکھتے ہی سیف بھاگ گیا، تو میں بیگم اور صاحب کے کمرے میں چلی گئی، انہیں پوتے کا بتایا جس پر بیگم نے سخت ناگواری کا اظہار کیا، سو الزام لگائے، ذرا خدا کا خوف نہیں اس عورت کو اور خدا بھی پتا نہیں کیسے، ایسے ہی لوگوں پر مہربان رہتا ہے۔''

اس نے زندگی میں پہلی بار اماں کو شاکی ہوتے دیکھا تو اس کی آنکھیں چھلک گئیں، سناٹوں سے نکل کر بولی۔

''نہیں اماں! خدا ان پر مہربان نہیں ہوتا۔ رسی دراز کرتا ہے، جب کھینچے گا تو سارا زمانہ دیکھے گا۔''

''سب دل بہلاوے کی باتیں ہیں۔''

اماں حد درجہ مایوس تھیں اور وہ اب مایوسیوں سے نکل رہی تھی کیونکہ پہلو میں امید کی کرن جگمگا رہی تھی، جھک کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے بولی۔

''آپ کیوں دل چھوٹا کرتی ہیں اماں! میں اپنا معاملہ خدا پر چھوڑ چکی ہوں، اور وہ

بے نیاز ضرور ہے، بے خبر نہیں، میری طاقت سے بڑھ کر مجھے نہیں آزمائے گا، بس آپ آنسو پونچھ لیں، اس گھر میں خوشی اتری ہے، میں ماں بنی ہوں، بیٹے کی ماں اور آپ آنسوؤں کے چراغ جلا رہی ہیں۔''

اماں نے فوراً آنسو پونچھ ڈالے اور مسکرا کر بولیں۔

''اللہ مبارک کرے تجھے یہ خوشی اور اس کی ہزاروں لاکھوں خوشیاں دیکھو۔''

اس نے اماں کو آنسو بہانے سے روک دیا اور خود اس کے آنسو کہیں اندر ہی اندر جمع ہوتے رہے، اس رات وہ ایک پل کو نہیں سو سکی تھی، کبھی گزشتہ کو سوچتی اور کبھی آنے والے دنوں کو، اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ آگے پہاڑ سی زندگی کیسے گزارے گی۔ اماں کہہ رہی تھیں، بھول جاؤ سب، اور یہ کیسے ممکن تھا بھلا، سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹنے لگا تھا۔

اگلے روز ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر اماں سودا سلف لانے بازار گئی تھیں کہ صاحب آگئے کیونکہ دروازہ کھلا تھا، اس لئے وہ سیدھا اندر چلے آئے، وہ انہیں دیکھ کر کچھ سہم سی گئی اور نقاہت کے باوجود اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''تمہاری اماں کہاں ہیں؟۔'' انہوں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہیں بازار تک گئی ہیں، ابھی آجائیں گی۔'' وہ سر جھکائے بیٹھی تھی، دزدیدہ نظروں سے انہیں آگے آتے اور پھر اماں کی چارپائی پر بیٹھتے دیکھا، کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ کہنے لگے۔

''تمہاری اماں نے تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا، کیا ضرورت تھی اس طرح چوری چھپے تمہاری شادی کرنے کی، کم از کم مجھے تو بتایا ہوتا۔''

''اماں بتانا چاہتی تھیں لیکن راجہ، میرا مطلب ہے سیف اسے خدشہ تھا کہ آپ لوگ ہرگز یہ شاید نہیں ہونے دیں گے۔''

''وہ نامعقول'' اچانک غصے میں آکر انہوں نے اسی قدر کہا اور فوراً خاموش بھی ہو گئے، جیسے خود پر ضبط کر رہے ہوں، پھر کتنی دیر بعد گویا ہوئے۔

''بہرحال جو بھی ہوا اچھا برا، میں ذمہ دار نہیں ہوں، پھر بھی میں تمہیں نظر انداز نہیں کر سکتا، بتاؤ تم کیا چاہتی ہو۔''

''جی'' وہ ناسمجھی کے عالم میں دیکھنے لگی، تو وہ کچھ رک کر بولے۔

''دیکھو بیٹا! یہ تو ہو نہیں سکتا کہ میں تمہیں اپنے گھر لے جاؤں کیونکہ سیف کی شادی

ہو چکی ہے اور نہ میں تمہیں یہ مشورہ دے سکتا ہوں، کہ سیف کے حوالے سے کسی اچھے وقت کا انتظار کرو بلکہ تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ اسے اپنی زندگی سے نکال پھینکو۔ میں خود تمہاری کسی اچھی جگہ شادی کروں گا۔''

''تایا ابا'' وہ ایک دم سناٹے میں آگئی۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں بیٹا! ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے، آگے پہاڑ سی زندگی اور اماں کب تک تمہارا ساتھ دیں گے۔''

''بس کریں تایا ابا، مجھ میں مزید برداشت کا حوصلہ نہیں ہے۔''

ضبط کرتے کرتے بھی وہ پھٹ پڑی۔ ''آپ کو اگر مجھ پر مہربانی کرنا ہی ہے تو میرے بچے کو اس کا باپ لا دیں اور کچھ نہیں مانگتی میں۔''

''سمجھو اس کا باپ مر گیا۔''

اکلوتے بیٹے کے بارے میں کہتے ہوئے ان کا اپنا کلیجہ پھٹ گیا، سر جھکائے اتنے بے بس نظر آرہے تھے کہ وہ کتنی دیر تک انہیں دیکھے گئی، پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے پاس آکر بیٹھی اور بہت آہستہ سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''میں کچھ نہیں مانگوں گی تایا ابا! بچے کا باپ بھی نہیں لیکن اسے زندہ رہنا چاہئے، مجھ سے پوچھیں اتنے بیمار، نحیف و لاغر ہونے کے باوجود ابا میاں کتنا مضبوط سائبان تھے ہمارے لئے۔''

انہوں نے اس کی طرف دیکھنا چاہا لیکن دیکھ نہیں سکے تو اس کے گرد بازو کا حلقہ بنا کر اسے سینے سے لگا لیا، وہی مہک تھی جو ابا میاں کے شفیق سینے پر سر رکھ کر وہ اپنے اندر اتارتی تھی، اس کی آنکھوں سے قطرہ قطرہ آنسو ٹپکنے لگے۔

''روتے نہیں بیٹا!'' اپنے سینے پر نمی محسوس کر کے انہوں نے اس کا سر تھپک کر ٹوکا، تب ہی بچے نے رو کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو وہ اسے چھوڑ کر بے اختیار اس کی طرف لپکے اور اسے ہاتھوں پر اٹھا لیا، وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر دیکھنے لگی۔

''بالکل اپنے باپ پر گیا ہے لیکن اسے اس جیسا نہیں ہونا چاہیے، کیوں بیٹا''

ماحول خوشگوار بنانے کی غرض سے انہوں نے ہلکے پھلکے انداز میں اس سے کہا تو اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ ذرا سا ہنسی، پھر خیال آنے پر فوراً اٹھتے ہوئے بولی۔

''آپ بیٹھیں تایا ابا! میں چائے لے کر آتی ہوں۔''

''نہیں، یہ چائے کا وقت نہیں ہے تم آرام کرو۔'' انہوں نے بچے کو اس کی جگہ پر لٹاتے ہوئے چائے کے لئے منع کیا، پھر اس کے پاس آکر بولے۔

''تمہاری اماں پتا نہیں کب آئیں گی، خیر میں پھر آؤں گا، تم اپنا خیال رکھو اور ہاں یہ رکھ لو۔''

جیب سے لفافہ نکال کر اس کے ہاتھ میں تھمایا اور پھر آنے کا کہہ کر چلے گئے، تو کچھ دیر تک وہ ان کے پیچھے نظریں جمائے کھڑی رہی، پھر اپنی جگہ پر نیم دراز ہوتے ہوئے لفافہ کھول کر دیکھا، اتنے بہت سارے سرخ سبز نوٹ پھسلتے چلے آئے تھے، کچھ اس کی گود میں گرے، کچھ چارپائی کے نیچے اور ابھی وہ سمیٹ رہی تھی کہ اماں آگئیں۔

''ہائیں! یہ اتنے سارے پیسے کہاں سے آئے؟'' اماں اس کے سر پر آن کھڑی ہوئیں، تو وہ ایسی ہی پر سوچ نظروں سے انہیں دیکھ کر بولی۔

''تایا ابا آئے تھے، وہی دے گئے ہیں۔''

''تا۔ک۔کب آئے تھے؟'' اماں اپنی کرسی قریب گھسیٹ کر بیٹھ گئیں۔

''آپ کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی آئے تھے، کافی دیر بیٹھے رہے، پھر آنے کو کہہ گئے ہیں۔''

''کچھ کہہ رہے تھے، میرا مطلب ہے پوتے کو دیکھا؟'' اماں جو معلوم کرنا چاہ رہی تھیں، وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی، اس لئے ان کی بات کے جواب میں پہلے اثبات میں سر ہلایا پھر کہنے لگی۔

''اماں! تایا ابا آئے تھے اور آتے رہیں گے لیکن میرے معاملے میں وہ بالکل بے بس ہیں اور اماں آپ کو تو پہلے سے معلوم تھا کہ اپنے گھر میں ان کا بس نہیں چلتا، اس لئے اب آپ انہیں کوئی الزام نہیں دیجئے گا۔

''لو، میں کیا الزام دوں گی بلکہ مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ پوتے کی کشش انہیں کھینچ لائی، اسی طرح اللہ چاہے گا تو ایک دن اس کا باپ بھی آجائے گا۔'' اماں کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

یونہی وقت گزرتا چلا گیا، یوں لگتا تھا جیسے اس کی اور اماں کی بے آب و رنگ زندگی میں کچھ رنگ بھرنے کے لئے اوپر والے نے اس کی گود میں بچہ ڈال دیا تھا، اسی کے دم سے رونق تھی۔

سارا سارا دن وہ اور اماں اسی کے ساتھ لگی رہتیں، پھر ہر تیسرے چوتھے روز کچھ دیر

کے لئے ہی سہی تایا ابا آجاتے تھے اور جب سے انہوں نے آنا شروع کیا تھا اسے ماہانہ خرچ بھی دینے لگے تھے، اس لئے غم روزگار سے نجات مل گئی تھی اور ایک طرح سے اماں کی بات بھی رہ گئی تھی جو انہوں نے محلے والوں سے کہا تھا کہ اس کا میاں باہر گیا ہوا ہے، اب سب ہی سمجھنے لگے تھے کہ وہ باہر سے اسے خرچ بھیج رہا ہے۔

بہرحال بہت ساری فکروں سے نجات کے باوجود اصل فکر اپنی جگہ موجود تھی، اماں اور تایا ابا دونوں کا خیال تھا کہ اسے سیف سے طلاق دلوا کر کسی اور جگہ اس کی شادی کر دی جائے اور وقتاً فوقتاً دونوں اسے سمجھانے کی کوشش کرتے لیکن وہ اس بات کے لئے ہرگز تیار نہیں تھی، ایک تو اس ستم گر کی محبت دل سے نکال نہیں پائی تھی دوسرے بچے کا خیال تھا کہ سگے باپ نے نہیں اپنایا تو سوتیلا تو پھر سوتیلا ہوتا ہے اور اس بات پر اماں بھی خاموش ہو جاتی تھیں۔

بچہ پاؤں پاؤں چلنے لگا تو اکثر باہر جانے کے لئے مچلنے لگتا تھا، اس روز اس کے مچلنے پر وہ خود ہی اسے لے جانے پر تیار ہوگئی، پڑوس میں زاہدہ کی شادی تھی اس نے سوچا بچے کے اور اپنے لئے ایک سوٹ لے لے گی، اس خیال سے مارکیٹ چلی گئی، کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے شاپنگ میں لگ گئے۔ واپس آئی تو دروازے پر تایا ابا کی گاڑی دیکھ کر کچھ متوحش سی ہوگئی کیونکہ وہ اکثر شام میں آتے تھے، دوپہر میں ان کی آمد پر اس کی پریشانی فطری تھی، تیز قدموں سے اندر آئی تو اماں کے پاس بیگم کو بیٹھے دیکھ کر ٹھٹھک گئی اور فوراً واپس پلٹنا چاہتی تھی کہ اماں نے پکار لیا۔

''ادھر آؤ کلثوم!''

''تھک گئی ہوں اماں، لیٹوں گی'' اس نے وہیں سے کہا اور بچے کو لئے ہوئے دوسرے کمرے میں آگئی۔

''اماں پاس'' بچہ اس کی گود سے نکلنے لگا تو اس نے ڈانٹ کر اسے لٹا دیا اور خود ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی، بیگم کی آمد بالکل سمجھ میں نہیں آرہی تھی، اس لئے بے چینی سے ان کے جانے کا انتظار کرنے لگی تاکہ اماں سے پوچھ سکے، پتا نہیں کب سے آئی ہوئی تھیں، کوئی آدھ گھنٹے بعد برآمدے میں ان کی آواز سنائی دی، تو وہ دروازے کی جھری سے دیکھنے لگی، اماں انہیں چھوڑنے باہر تک جا رہی تھیں، پھر جیسے ہی اماں پلٹ کر برآمدے تک آئیں، وہ کمرے سے نکل کر ان کے سامنے آگئی۔

''کیوں آئی تھیں اور انہیں ہمارے گھر کا پتا کس نے دیا؟'' اس کے تپے ہوئے لہجے کو اماں نے قصداً نظرانداز کر دیا۔

''تمہارے تایا نے دیا ہوگا اور کون دے گا۔''

''کس لئے آئی تھیں؟'' وہ چیخ پڑی۔ ''اور آپ نے انہیں اندر آنے کیوں دیا، بھول گئیں آپ کس طرح انہوں نے ہمیں گھر سے نکالا تھا۔''

''نہیں، میں کچھ بھی نہیں بھولی۔''

''پھر؟''

''پھر کیا، دروازے سے لوٹا دیتی کیوں لوٹاتی، ارے جب تم نے تایا کو نہیں لوٹایا تھا تو میں اس کی بیوی پر کیسے دروازہ بند کردوں۔''

اس کی شرح پر اماں کو بھی غصہ آ گیا، الٹا اسے لتاڑنے لگیں' ''اور تم نے کون سا تعلق توڑ لیا ان سے، تایا کی مہربانی پر خوش ہو، اور اس کی بیوی آئی ہے تو ناگوار گزر رہا ہے۔''

''کیا کہنا چاہتی ہیں آپ؟''

''کچھ نہیں کہنا مجھے۔'' اماں خفگی سے کہتی ہوئی کمرے میں چلی گئیں، تو قدرے توقف سے وہ ان کے پیچھے بھاگی آئی، اور ان کے پیروں کے پاس گھٹنے ٹیکتے ہوئے عاجزی سے بولی۔

''اماں! مجھے پریشان نہیں کریں، صاف صاف بتائیں، بیگم کیوں آئی تھیں؟'' اماں کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہیں، پھر اس کے چہرے پر آئے بالوں کو ہٹاتے ہوئے بولیں۔

''تم نے اپنا معاملہ خدا پر چھوڑ دیا تھا بیٹی! اور تمہیں یہ بھی یقین تھا کہ وہ تمہارے ساتھ ناانصافی نہیں ہونے دے گا تو اب سمجھ لو وہی بیگم تمہارے در پر لے آیا ہے، آگے تمہاری مرضی، چاہو دھتکار دو، چاہو تو۔''

''اماں!'' وہ ان کے گھٹنوں پر پیشانی رکھ کر رونے لگی' ''یہ سارے امتحان میرے ہی حصے میں کیوں آئے ہیں۔''

''امتحان سے کیوں گھبراتی ہو، برداشت کی طاقت بھی تو دی ہے اس نے۔'' اس نے فوراً سر اونچا کر کے دھندلائی آنکھوں سے اماں کو دیکھا، پھر قدرے سہم کر پوچھنے لگی۔

''کیا ہوا ہے، راجہ تو ٹھیک ہے ناں؟'' اماں نے ذرا سا سر ہلایا، پھر اپنے دوپٹے سے اس کا چہرا صاف کرتے ہوئے بولیں۔

''جاؤ، منہ ہاتھ دھولو۔''

''نہیں اماں! پہلے مجھے اصل بات بتائیں۔ آپ کچھ چھپا رہی ہیں۔'' وہ ان کے بات کرنے پر ٹھٹھک کر بولی۔

''میں کچھ نہیں چھپا رہی۔''

''میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہیں۔'' اس نے اماں کا ہاتھ تو پکڑ کر اپنے سر پر رکھا تو وہ فوراً کھینچتے ہوئے بولیں۔

''کیا کر رہی ہو؟''

''پھر آپ بتاتی کیوں نہیں۔''

''کیا بتاؤں'' اماں کی آواز بھرا گئی، آنسو بے اختیار چھلکے جنھیں دوپٹے میں جذب کرتے ہوئے بولیں۔ کوئی دو مہینے پہلے تمہارے تایا نے سیف کے ایکسیڈنٹ کا بتایا تھا، بہت چوٹیں آئی تھیں، پھر اللہ نے زندگی تو بخش دی لیکن بچہ بے چارا آنکھوں سے محروم ہوگیا۔''

''اماں!'' اس کے ہاتھوں کی گرفت اماں کی کلائی پر سخت ہوگئی اور بے اختیار انہیں جھنجھوڑ کر بولی۔ آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟''

''تمہارے تایا نے منع کیا تھا ان کا خیال تھا ٹھیک ہو جائے گا، پھر تمہارے پاس لے کر آئیں گے آپریشن ہوئے لیکن''

''اور اس کی بیوی؟''

وہ اسی وقت چھوڑ گئی تھی، جب معلوم ہوا وہ بینائی کھو چکا ہے حالانکہ ڈاکٹروں نے امید دلائی تھی کہ آپریشن کے بعد ٹھیک ہو جائے گا لیکن اس نے انتظار نہیں کیا۔''

''سب ہماری طرح تو نہیں ہوتے اماں!'' اسے حقیقتاً بے حد دکھ ہوا تھا لیکن اندر جو اتنی ڈھیر ساری تلخی بھری تھی اسے بھی ہونٹوں تک آنے سے نہیں روک سکی، اماں نے بے حد خاموش نظروں سے اسے دیکھا اور ایک بار پھر موضوع بدل گئیں۔

''اچھا جاؤ منہ ہاتھ دھولو، میں کھانا نکالتی ہوں۔''

''لیکن آپ نے بیگم کی آمد کا مقصد تو بتایا نہیں۔''

''اب کیا بتانے کو باقی ہے، ظاہر ہے اپنی بہو اور پوتے کو لینے آئی تھیں۔''

اماں کے جھنجلا کر کہنے پر وہ ہنس پڑی، پھر اٹھتے ہوئے گہری سانس کھینچ کر بولی۔

''ہاں، آں، اب اندھے راجہ کے لئے محلوں کی رانی تو ملنے سے رہی۔''

''کلثوم!'' اماں نے ایسی ملامت آمیز نظروں سے دیکھا کہ وہ بیچ بیچ کٹ کر رہ گئی۔

پھر ظاہر ہے، فیصلے کا اختیار اسے تھا اور اختیار کے باوجود وہ خود کو بہت بے بس محسوس کر رہی تھی، سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کرے، اس تمام عرصے میں پہلی بار بھی اس کی محبتوں کو سوچتی

اور کبھی کج ادائیوں کو اور حقیقت تو یہ ہے کہ کج ادائیوں کا پلڑا بھاری تھا، پھر بھی وہ ہار گئی، اس لئے کہ اپنے سارے جذبے اس کے نام لکھ چکی تھی، وہ محبت کرے گی تو اسی سے اور نفرت بھی اسے سے ہوگی اور جب اپنے منفی و مثبت جذبوں سمیت اس تک آئی تو پہلے مرحلے پر ہی اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

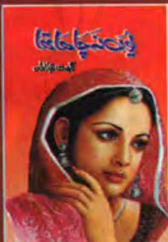
''راجیہ! میں تم سے نفرت کرتی ہوں، اتنی شدید نفرت کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''پھر آئی کیوں ہو؟'' اس نے افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو اس کا ہاتھ اپنی بھیگی پلکوں سے لگا کر بولی تھی۔

''اس لئے کہ میں تم سے محبت بھی ایسی ہی شدید کرتی ہوں۔''



نگہت عبداللہ کے بہترین ناول









خزینہ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
فون 7211468-7314169